اسلام کا نظامِ مساجد

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی

اُستاذ

دارُالعلوم معینیہ سانحہ

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دھلی

Marfat.com

Marfat.com

سلسلۂ ندوۃ المصنفین

(۴۴)

اسلام کا نظامِ مساجد

اسلام کے نظام مساجد کے تمام گوشوں پر مکمل اور دل پذیر بحث

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ توڈیہاوی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

Marfat.com

134954

طبع سوم

ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق نومبر ۱۹۷۸ء

قیمت بلا جلد:- 30/-

قیمت مجلد:- 50/=

مطبوعہ
نیو لیتھو آرٹ پریس چھتہ لال میاں دہلی ۶

Marfat.com

فہرست مضامین نظامِ مساجد

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تمہید	۱۵	عالم اسلام کی یکجائی	۳۲
روئے زمین کی پہلی مسجد	〃	مساجد کی اجتماعی حیثیت	۳۴
ایک علمی بحث اور اس کا جواب	۱۶	نظامِ مساجد کی برتری	〃
کعبہ کی قدامت پر قرآن کی شہادت	۱۷	اجتماعی نظام کا عملی تعطل	۳۵
فتح العزیز کا خلاصہ	۱۸	**قدرتی نظامِ اجتماع**	۳۶
مسجد کی امتیازی شان	۱۹	اجتماع کے مرکزی گھر	〃
عہد نبوی کی پہلی مسجد	〃	مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا	
سرکارِ مدینہ کی مسجد	۲۱	ثبوت قرآن سے	〃
مسجد نبوی کی حیثیت	۲۲	احادیث سے	۳۸
مسجد مکہ اور مدینہ کی باہمی فضیلت	۲۳	افضل الرسل کا دستور	۴۱
مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ	۲۴	ایک صحابی کا وعظ	۴۲
درجاتِ مساجد	۲۵	نمازِ مسجد میں ادا کرنا شعارِ دین ہے	〃
تفاوتِ درجات کا راز	۲۶	نظمِ جماعت اور اس کی اہمیت	〃
مسجدوں کا قدرتی نظام	۲۸	قرآن میں حکم	۴۳
اس نظام کی پختگی	〃	احادیث میں شدید تاکید	۴۵
تدریجی ترقی	۲۹	نظمِ جماعت میدانِ کارزار میں	۴۸
دینی اور دنیوی اصلاح	۳۱	نظمِ جماعت پر اجماعِ صحابہ	۴۹
سالانہ تنظیم	〃	نظمِ جماعت فقہاءِ امت کی نظر میں	۵۰

Marfat.com

شکست جماعت کی سزا	۵۲	دین سے دنیا کی اصلاح	۷۴
نظم جماعت کا اہتمام عہد نبوی میں	〃	اسلامی مساوات	〃
عہد صحابہ میں اہتمام جماعت	۵۵	بغض وحسد کی روک تھام	〃
سلف صالحین کا جماعت سے عشق	۵۸	محبت اور الفت	۷۵
موجودہ دور میں علماء کا اہتمام جماعت	۵۹	رحمتِ عالم کی مسرت	〃
نظم جماعت کی وجہ اور اس کے فضائل	۶۱	جامع مسجدوں کا نظام	۷۶
نظم جماعت میں ثواب کی زیادتی کی تفصیل	۶۳	ہر جگہ جمعہ کی ایک ہی جماعت عہدِ نبوی اور عہد صحابہ میں	〃
دلوں پر قبضہ	۶۵	ائمہ اربعہ عدمِ تعدد جمعہ کے حق میں	۷۷
مخصوص وقتوں کی فضیلت	۶۷	مروجہ تعددِ جمعہ	۷۸
فضائل واجر کی کثرت	۶۸	قیامت کی یاد	۷۹
سختی اور نرمی کا معیار	۶۹	پند ونصیحت	۸۰
نظم جماعت کی حکمتیں	〃	پورا شہر ایک امام کے پیچھے	۸۱
کاہلی کا انسداد	۷۰	تبلیغ واشاعت کی اہمیت	〃
عالمانِ دین کا امتحان	〃	اندازِ خطابت	〃
قبولیت دعاء	۷۱	امام کی ظاہری ہیئت	۸۲
اعلائے کلمۃ اللہ	〃	سامعین کا لحاظ	〃
شیطان کی رسوائی	〃	امام کی توجہ	۸۳
تزکیہ اور تالیف قلوب	۷۲	قبولیت دعاء کی گھڑی	〃
انتشار جماعت کی کراہت	۷۳	نماز جمعہ کی تاکید	۸۴
دلوں کی نورانیت	〃	ایک عام فائدہ	۸۵

Marfat.com

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے		اذان کے بعد دعاء	۱۰۱
نام سے	۸۶	آدابِ اذان	۱۰۲
اجتماعِ عیدین کی اہمیت	۸۷	قدرتی نظامِ وحدت	۱۰۴
ملکی اور دینی کام	۸۸	امامت و اجتماعیت	〃
مسجدِ حرام کا اجتماع	۸۹	نظامِ وحدت کا استحکام	۱۰۵
اسلامی عالمگیر کانفرنس	〃	نظامِ وحدت کی مخالفت	۱۰۶
اشاعت و تبلیغ کا موقعہ	۹۰	امام پر سبقت اور اس کی ممانعت	۱۰۷
دعوتِ اجتماع	〃	رحمتِ عالمؐ کی پیشین گوئی	۱۰۸
ضرورتِ اذان	〃	اصلاحِ اُمت	〃
اذان کی ابتداء	۹۱	جماعت کی ظاہری ہیئت	۱۰۹
کلماتِ اذان کی حیثیت	۹۲	عہدِ نبوی میں صفوں کی درستی کا اہتمام	۱۱۰
اذان کی تاریخ	〃	صفوں کی درستی کے فائدے	〃
اذان کی عظمت	۹۳	امام کی قربت	۱۱۲
اذان شیطان کے لئے	۹۴	امام کے قریب کون لوگ ہوں	۱۱۳
علمی بحث اور اس کا جواب	۹۵	جذبۂ ارتقاء	〃
اذان شعارِ دین ہے	〃	اخوت و مساوات اور اجتماعیت	۱۱۴
ترکِ اذان باعثِ قتال ہے	۹۶	امام کا انتخاب	〃
مؤذن کی حیثیت	۹۷	امام کس حیثیت کا ہونا چاہیئے	〃
اذان پر اُجرت	۹۸	آنحضرت صلعم کی امامت کے لئے ایک	
موجودہ دور میں اذان	۱۰۰	جامع شخصیت کی نامزدگی	۱۱۵
اذان کا جواب	۱۰۱	امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت	۱۱۶

Marfat.com

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے		اذان کے بعد دعاء	۱۰۱
نام سے	۸۶	آدابِ اذان	۱۰۲
اجتماعِ عیدین کی اہمیت	۸۷	قدرتی نظامِ وحدت	۱۰۴
ملکی اور دینی کام	۸۸	امامت و اجتماعیت	″
مسجدِ حرام کا اجتماع	۸۹	نظامِ وحدت کا استحکام	۱۰۵
اسلامی عالمگیر کانفرنس	″	نظامِ وحدت کی مخالفت	۱۰۶
اشاعت و تبلیغ کا موقعہ	۹۰	امام پر سبقت اور اس کی ممانعت	۱۰۷
دعوتِ اجتماع	″	رحمتِ عالمؐ کی پیشین گوئی	۱۰۸
ضرورتِ اذان	″	اصلاحِ اُمت	″
اذان کی ابتداء	۹۱	جماعت کی ظاہری ہیئت	۱۰۹
کلماتِ اذان کی حیثیت	۹۲	عہدِ نبوی میں صفوں کی درستی کا اہتمام	۱۱۰
اذان کی تاریخ	″	صفوں کی درستی کے فائدے	″
اذان کی عظمت	۹۳	امام کی قربت	۱۱۲
اذان شیطان کے لئے	۹۴	امام کے قریب کون لوگ ہوں	۱۱۳
علمی بحث اور اس کا جواب	۹۵	جذبۂ ارتقاء	″
اذان شعارِ دین ہے	″	اخوت و مساوات اور اجتماعیت	۱۱۴
ترکِ اذان باعثِ قتال ہے	۹۶	امام کا انتخاب	″
مؤذن کی حیثیت	۹۷	امام کس حیثیت کا ہونا چاہیئے	″
اذان پر اُجرت	۹۸	آنحضرت صلعم کی امامت کے لئے ایک	
موجودہ دور میں اذان	۱۰۰	جامع شخصیت کی نامزدگی	۱۱۵
اذان کا جواب	۱۰۱	امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت	۱۱۶

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے		اذان کے بعد دعاء	۱۰۱
نام سے	۸۶	آدابِ اذان	۱۰۲
اجتماعِ عیدین کی اہمیت	۸۷	قدرتی نظامِ وحدت	۱۰۴
ملکی اور دینی کام	۸۸	امامت و اجتماعیت	″
مسجدِ حرام کا اجتماع	۸۹	نظامِ وحدت کا استحکام	۱۰۵
اسلامی عالمگیر کانفرنس	″	نظامِ وحدت کی مخالفت	۱۰۶
اشاعت و تبلیغ کا موقعہ	۹۰	امام پر سبقت اور اس کی ممانعت	۱۰۷
دعوتِ اجتماع	″	رحمتِ عالمؐ کی پیشین گوئی	۱۰۸
ضرورتِ اذان	″	اصلاحِ اُمت	″
اذان کی ابتداء	۹۱	جماعت کی ظاہری ہیئت	۱۰۹
کلماتِ اذان کی حیثیت	۹۲	عہدِ نبوی میں صفوں کی درستی کا اہتمام	۱۱۰
اذان کی تاریخ	″	صفوں کی درستی کے فائدے	″
اذان کی عظمت	۹۳	امام کی قربت	۱۱۲
اذان شیطان کے لئے	۹۴	امام کے قریب کون لوگ ہوں	۱۱۳
علمی بحث اور اس کا جواب	۹۵	جذبۂ ارتقاء	″
اذان شعارِ دین ہے	″	اخوت و مساوات اور اجتماعیت	۱۱۴
ترکِ اذان باعثِ قتال ہے	۹۶	امام کا انتخاب	″
مؤذن کی حیثیت	۹۷	امام کس حیثیت کا ہونا چاہیئے	″
اذان پر اُجرت	۹۸	آنحضرت صلعم کی امامت کے لئے ایک	
موجودہ دور میں اذان	۱۰۰	جامع شخصیت کی نامزدگی	۱۱۵
اذان کا جواب	۱۰۱	امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت	۱۱۶

عہدِ صحابہ میں شعبۂ امامت کی اہمیت	۱۱۷	خشوع کا حصول	۱۳۴
امام احمدؒ اور انتخابِ امام	۱۱۸	استقبالِ قبلہ اور اس کا اثر	۱۳۵
خود امام پر ذمہ داری	〃	پہلوں کا خشوع	〃
موجودہ دور میں شعبۂ امامت	۱۱۹	دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں	۱۳۷
امام اور اس کے فرائض	۱۲۰	قرآن میں تذکرہ	〃
صفوں کی نگرانی	۱۲۱	مساجد خدا کی ہیں	〃
فاروقِ اعظم کا اہتمام	〃	مساجد کی خدمت	۱۳۸
مقتدیوں کا لحاظ	۱۲۲	حق خدمت مومن کامل کو	〃
سرکارِ دو عالمؐ کی تخفیفِ نماز	۱۲۳	مسجد کی تعظیم و تکریم اور اس میں عبادت	۱۴۰
امام کو ہدایت	〃	اخلاص و للّٰہیت	۱۴۱
تخفیف کا مطلب	۱۲۴	طہارت و نفاست	〃
قرأت میں آنحضرتؐ کا معمول	۱۲۵	مسجد کا مخالف سب سے بڑا ظالم	۱۴۲
ظہر اور عصر کی قرأت	۱۲۶	اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں	۱۴۳
مغرب	۱۲۷	احادیث میں فضائل	۱۴۴
عشاء میں حضرتؐ کا معمول	〃	مساجد اللہ تعالیٰ کو پیاری ہیں	〃
قرأت میں ترتیل	۱۲۸	مسجدیں آنیوالے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں	〃
صحابہ کرامؓ کا معمول	〃	نورِ کامل کی بشارت	۱۴۵
موقع کا لحاظ	〃	مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے	〃
تعدیلِ ارکان	۱۳۰	مجاہد فی سبیل اللہ	〃
باطنی اصلاح	۱۳۱	مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں	〃
خضوع خشوع	۱۳۲	مسجدیں جنّت کے باغ ہیں	۱۴۶

Marfat.com

دنیا کی بہترین جگہ مساجد ہیں	۱۴۶	مسجد ضرار	۱۶۱
مسجد کی برکت	۱۴۷	بطور ریا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد	۱۶۳
مسجد شعار اسلام ہے	۱۴۸	بانی کے نام کا کتبہ	۱۶۴
نیت کی پاکی	〃	حلال مالیت	〃
مسجد کی قربت	۱۴۹	زانیہ کی تعمیر کردہ مسجد	۱۶۵
تسکینِ خاطر	〃	مال حرام سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم	۱۶۶
مسجد میں آمد کا ثواب	۱۵۰	گندہ مال سے تعمیر میں اجتناب	〃
سفر سے واپسی پر مسجد کی حاضری	۱۵۱	**مسجدوں کی تزئین**	۱۶۷
اجتماع کے مرکزی گھر اور اس کی تعمیر	۱۵۲	تعمیر مسجد میں سادگی	〃
مرکزی گھروں کی تعمیر	〃	دورِ عثمانی میں ترقی	۱۶۸
تعمیر مسجد کی ضرورت	۱۵۳	ترقی میں تزئین کی ابتداء	۱۶۹
مرد مومن کو حق تعمیر	۱۵۴	تزئین شریعت کی نظر میں	〃
تعمیر مسجد کا اجر	۱۵۵	تفاخر علامتِ قیامت	۱۷۰
تعمیر مسجد میں بقدر وسعت حصہ	۱۵۷	تزئین خشوع کے خلاف	۱۷۱
لوازمات مسجد	〃	بقدر ضرورت اجازت	۱۷۲
تعمیر میں چند امور کا لحاظ	۱۵۸	فقہاء کی تفصیل	۱۷۳
ایک محلہ میں دو مسجد	۱۵۹	تزئین سے اجتناب	۱۷۴
سلف صالحین کی احتیاط	〃	موجودہ دور میں تزئین	۱۷۵
تعمیر سے پہلے نیت کی اصلاح	۱۶۰	مینار برائے اذان	〃
نیت کو دخل	۱۶۱	منبر برائے خطبہ	۱۷۶
ریا کا فساد	〃	منڈیر یا کنگرہ	۱۷۷

Marfat.com

موجبہ محراب	۱۷۷	دعاء پڑھی جائے	۱۹۰
مسجد البیت	۱۷۷	سلام کیا جائے	۱۹۱
لفظ دَور کے معنی	۱۷۸	نماز تحیۃ المسجد	〃
مواضع مسجد	۱۷۹	تحیۃ المسجد سلام پر مقدم ہے	۱۹۲
زمین کا عطیہ	〃	دربار الٰہی میں دنیا کے کام	۱۹۳
زمین کا حصول	۱۸۰	باطمینان بیٹھے	〃
وقف کے بعد مسجد کی حیثیت	〃	دنیا کی باتوں سے اجتناب	〃
جزوی مسائل	۱۸۱	رحمت عالم کی پیشین گوئی	۱۹۴
تیار مسجد کو وسعت دینا	۱۸۲	مسجد میں سیاسی تقریر	۱۹۶
تجدید مسجد	〃	مسجد میں بلند آوازی	۱۹۷
ناگہانی آفت یا مصیبت	۱۸۳	فاروق اعظمؓ کا اہتمام	
سامان جس کی ضرورت باقی نہ ہو	〃	گم شدہ کی تلاش	۱۹۸
دربار الٰہی کے آداب	۱۸۴	صنعت و حرفت	۱۹۹
آنے کے آداب	۱۸۵	غزل خوانی	〃
نیت پاک اور بخیر ہو	〃	بچہ اور پاگل سے حفاظت	〃
باوضو آئے	۱۸۶	حدود کا اجراء	۲۰۰
دعاء پڑھتے آئے	〃	خصومت اور جنگ	〃
اچھی ہیئت میں آئے	۱۸۸	نماز جنازہ	۲۰۱
باوقار و اطمینان آئے	۱۸۹	نمازی کے آگے سے گزرنا	〃
پیدل آئے	〃	عورتوں کا مسجد میں آنا	〃
پہلے دایاں پیر داخل کرے	۱۹۰	فصل مقدمات	۲۰۴

Marfat.com

مسجد میں مجاہدین کی مشق	۲۰۶	مسجد کی صفائی کا مطالبہ	۲۱۷
دعوت دینا اور قبول کرنا	〃	بدن اور کپڑے کی صفائی	〃
کھانا تناول کرنا	〃	گندہ دہنی سے پرہیز	۲۱۸
لیٹنا اور سونا	۲۰۷	مٹی کا تیل وغیرہ جلانا	۲۱۹
مفاد عامہ سے متعلق چیز رکھنا	۲۰۷	تار عنکبوت	۲۳۰
قید کرنا	۲۰۸	اخراجِ ریح	〃
اسلام میں جیل خانہ	〃	خوشبو کی دھونی	〃
مشرکین کا دخول مسجد	〃	روشنی	۲۳۱
دروازہ بند کرنا	۲۰۹	**وقف اور تولیت**	〃
دینی تعلیم	۲۱۰	تولیت	〃
دربارِ الٰہی کی صفائی	〃	حق انتخاب	۲۳۲
صفائی کا ثبوت قرآن سے	۲۱۲	متولی کے اوصاف	۲۳۳
حدیث میں فضائل	۲۱۳	متولی کے اختیارات	〃
سرکارِ دو عالم کی خدمت مسجد	〃	موجودہ دور میں متولی	۲۳۵
مسجد میں تھوکنا	۲۱۴	تولیت کے شرائط	۲۳۶
مسجد سے گندگی دور کرنا	〃	متولی کی غفلت	〃
مسجد گندی کرنے کی سزا	۲۱۵	کتب موقوفہ	۲۳۷
جادو بکش کی وقعت نگاہ نبوی میں	۲۱۶	**فقہی جزئیات**	〃
خدمتِ مسجد ایمان کی علامت	〃		

نظامِ مساجد

سنہ [illegible]ء کے شروع میں "احکامِ مسجد" کے نام سے میں نے اس کام کی ابتداء کی تھی، اُس وقت میرے سامنے صرف فقہ اور فتاوی کی چند کتابیں تھیں، جن سے احکام یکجا کئے جو چند صفحوں سے زیادہ نہ ہونگے، مشیتِ الٰہی سے اس زمانہ میں میعادی بخار میں مبتلا ہوا۔ مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ گھر والے مایوس ہو گئے، معالج بھی مطمئن نہ تھے، انہی ایام میں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالےٰ شفا دے تو "احکامِ مسجد" کی جگہ "نظامِ مساجد" کے نام سے اس کام کی تکمیل کروں۔ اللہ تعالےٰ نے شفا دی اور میں نے کام شروع کردیا، بزرگوں اور اساتذۂ کرام کی خدمت میں خطوط روانہ کئے اور رہنمائی کی درخواست کی، اس سلسلہ میں مخدوم و محترم علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی بانی ندوۃ المصنفین مدظلہم نے گراں قدر مشورے لکھ بھیجے۔

ان مشوروں اور رہنمائی کی روشنی میں میں نے کتاب کا ایک بڑا حصہ ترتیب دیا اور اُسے لے کر سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا الشاہ حلیم عطا صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خود پڑھ کر سنایا۔ اُستاذ محترم بہت خوش ہوئے، اس وجہ سے اور بھی کہ اس موضوع سے متعلق تقریباً تمام حدیثیں یکجا ہو گئیں اور اسی مجلس میں چند دوسری حدیثوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی، اس کی تکمیل سے فارغ ہو کر پورا مسودہ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی خدمت میں پیش کیا گیا، جس کا بڑا مقصد اصلاح و اختصار تھا، مگر مولانا

Marfat.com

موصوف نے یہ کہہ کر مسودہ واپس کیا کہ اس میں کوئی ایسی زیادہ بات نہیں جو نکالی جاسکے ہاں از راہِ شفقت و محبت انہوں نے جگہ جگہ اپنا مشورہ لکھ دیا، اور ملاقات ہونے پر تصنیف و تالیف سے متعلق بعض ضروری باتیں بتائیں، وہاں سے لاکر یہ مسودہ حضرت مولانا اعظمی مدظلہٗ کی خدمت میں شوق و ذوق کے ہاتھوں سے پیش کیا، آپ نے بھی بہت ضروری مشوروں سے مستفیض فرمایا، اخیر میں یہ مسودہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب (مدظلہما) کی خدمت میں پیش ہوا اور دونوں بزرگوں کے بیش قیمت مشوروں سے مستفیض ہوا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کتاب زیر نظر ان اکابر کی رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے، میرا کام صرف جمع و ترتیب ہے اور بس۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ یہ کتاب کسی مستقل کتب خانہ میں بیٹھ کر نہیں لکھی گئی ہے۔ خامیوں کا امکان ہے جس کی ادب کے ساتھ معذرت چاہتا ہوں، دو سال ہوئے۔ میں نے یہ مسودہ صاف کر کے رکھ دیا تھا، حالات نے اب اجازت دی ہے تو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

کتاب کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع پر اس جامعیت کے ساتھ یہ پہلی کتاب ہے، اور جہاں تک مجھ جیسے بے مایہ انسان کی سعی و کاوش کا تعلق ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی ہے، کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔ دعا ہے حق تعالےٰ یہ حقیر خدمت قبول فرمائے اور اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے اور عام مسلمان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

فضل الکبیر منزل۔ دارالعلوم معینیہ سالحہ — محمد ظفیر الدین غفرلہٗ — ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد۔ اشتیاقِ علوم دینیہ کا جو جذبہ سینہ میں موجزن تھا اور جس کی پرورش اخی المکرم حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ نے اپنی نگرانی میں فرمائی تھی اس نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، چنانچہ تعلیم کے اخیر تین سال مدرسہ مفتاح العلوم مئو (ضلع اعظم گڈھ) میں حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ اعظمی کی زیر تربیت گذارے۔

درسیات سے فراغت کے بعد استاذ موصوف کی شفقت و محبت نے مدرسہ موصوفہ میں بلاکر ایک سال مزید تکمیل کا موقع عطا کیا جس سے دینیات سے مناسبت پیدا ہوگئی۔ دوسرے سال ادب عربی اور دینیات کی تکمیل کی غرض سے سیدی علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہٗ کی ہدایت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حاضر ہوا تھا مگر صحت کی ناساعدت اور گھر کے حالات نے دو ماہ سے زیادہ حصولِ علم کا موقع نہ دیا، ناچار اساتذۂ کرام کے مشورے اور علامۂ محترم کی اجازت سے ملازمت کرلی۔

اس گرانبار ذمہ داری کے ساتھ شوق ہے کہ کچھ لکھتا پڑھتا رہوں۔ محترم مولانا محمد انیس صاحب نگرامی کا مشورہ ہے کہ "احکام مساجد" جمع کروں مگر حال یہ ہے کہ چند گنی چنی کتابیں ہیں اور بس۔ رب العزت! اس دینی و علمی کوشش میں کامیاب فرما کہ حوصلہ بلند ہو، سامانِ وافر فرما دے کہ ہمت و جرأت دوچند ہو۔ رب قدیر! ایک بے مایہ انسان کے علم و محنت میں برکت عطا فرما! ایک اپاہج قلم میں وہ طاقت بخش دے کہ تیز گامی سے چل سکے، ایک اندھے کی بصارت و بصیرت میں وہ نور پیدا کردے کہ دنیائے علم اس کی نگاہوں میں روشن ہوجائے اور پروردگار عالم! جو کچھ ہو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ ہو آمین یا رب العٰلمین۔ علیہ توکلت والیہ انیب وما توفیقی الا باللہ ھو المولیٰ ونعم الوکیل۔

لاشئ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ پورہ نوڈیہا وی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقاب کشائی

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

"نظامِ مساجد" نامی کتاب پڑھنے والوں کی خدمت میں صرف پڑھنے کے لئے نہیں، بلکہ پڑھ کر کچھ کرنے کے لئے پیش ہو رہی ہے۔ اس زمانہ میں ہر قوم اس عارضے میں مبتلا ہے کہ اپنے لئے کچھ کرے، اپنے مستقبل کو سنوارے مسلمانوں کو بھی اس وبا کے عارضے سے حصہ ملا ہے "عارضہ" خصوصاً مسلمانوں کے لئے اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ سوچنے کی ضرورت تو ان کو تھی یا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس اُمت کو چھوڑ کر دنیا سے روپوش ہوئے ہیں اس کے پاس تو بحمد اللہ سب کچھ ہے۔ ضرورت اس امت کے لئے اگر کسی چیز کی رہ گئی ہے تو صرف اس بات کی کہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس سے استفادہ کی راہیں کھولے۔

بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اربوں کا لفظ استعمال کیا جائے تو شاید واقعہ سے بعید نہ ہوگا۔ روپے کی اتنی مقدار مسلمانوں سے حاصل کر کے کسی کام میں لگانا نہیں ہے بلکہ روپے کی یہ مقدار مسلمان اپنی جیبوں سے نکال چکے ہیں، خرچ کر چکے ہیں اور اس خرچ کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

آخر میں پوچھتا ہوں، کون گن سکتا ہے ان مسجدوں کو جو ایشیا و افریقہ اور یورپ کے بھی بعض دور دراز حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں کیسی مسجدیں؟ جن میں دلّی کی جامع مسجد بھی ہے اور احمد بن طولون کا جامع بھی، جامع اموی دمشق بھی اور قاہرہ کی مسجد ازہر بھی۔ بڑی مسجدوں سے دیہاتوں اور قریوں کی چھوٹی سفال پوش مسجدوں تک سب پر جو کچھ خرچ ہو چکا ہے کیا یہ مبالغہ ہوگا اگر اربوں میں اس رقم کا تخمینہ کیا جائے جو ان مسجدوں کی تعمیر کے لئے مسلمان اپنی

جیبوں سے نکال چکے ہیں۔ ان مسجدوں کی گنجائش کے سوا ہر مسجد تقریباً اپنے ارد گرد وقفی زمین کا کافی حصہ رکھتی ہے جن کو خریدنے پر ہم اگر آمادہ ہوں تو کروڑہا کروڑ کی رقم بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ ہم مسجدوں کی ان ملحقہ زمینوں سے کام بھی لے سکتے ہیں اگر مساجد کی عمارت کافی نہ ہو۔

کیا کیا کام لے سکتے ہیں؟ مدارس کا کام، اطراف کی زمینوں میں طلبہ کی قیام گاہوں کی تعمیر کا کام، شفاخانہ کا کام اور باخود ہا پنچایت کے اصول پر باہمی جھگڑوں کے چکانے کے لئے دارالقضا کا کام، مسافروں کی قیام گاہ کا کام۔

عمارت کی خاص قسم جس کا نام "المسجد" ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا ایک نظام ہے۔ سب سے پہلی مسجد جو مدینہ منورہ میں بنائی گئی وہ پانچوں وقت کی نماز کی جگہ بھی تھی اسی میں صفہ کا مدرسہ بھی تھا۔ اسی کے ملحقہ حصہ میں مسافر بھی ٹھہرائے جاتے تھے اور زخمیوں کے لئے خیمہ بھی اسی حصہ میں گاڑا جاتا تھا، مقدمات بھی اسی عمارت میں طے ہوتے تھے بس ہمیں جو کچھ کرنا ہے سب کا نمونہ اسی پہلی مسجد میں قائم کر دیا گیا تھا بلکہ عہد فاروقی میں اسی کے متصل "ادب و شاعری" کے چرچے کے لئے ایک جگہ بھی مختص کر دی گئی تھی۔ اسلامی ممالک کے طول و عرض میں ہر میل دو میل پر عمارتیں بھی بن چکی ہیں۔ کافی آراضی ان عمارتوں کے ارد گرد حاصل کر لی گئی ہیں۔ صرف ان ہی کاموں کو کرنے کی ضرورت ہے جو سب سے پہلی مسجد میں انجام دئے جاتے تھے۔

خدا جزائے خیر دے مولانا ظفیر الدین صدر دارالعلوم معینیہ سانحہ (بہار) کو کہ اربوں کا جو سرمایہ مسلمانوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اس سرمایہ سے استفادہ کا مشورہ اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے پیش کیا ہے اور اسی کے ساتھ عموماً ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں میں مساجد کے احترام اور اس کے آداب و ضوابط کے متعلق جو کوتاہیاں اور غفلتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مولانا نے ان کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ صحیح حدیثوں اور فقہ کی مستند کتابوں سے معلومات کا قیمتی ذخیرہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے عربی میں شام کے ایک عالم جمال الدین القاسمی کی کتاب اس باب میں مشہور تھی مگر میرا خیال ہے کہ احقر اللہ اصاطہ میں مولانا ظفیر الدین کی کتاب کو دیکھ کر ترک الاول للاخر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ھذا والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ روئے زمین کو بنی آدم کی آبادی سے زینت بخشے اور اپنے پُرشوکت قوانین کا اُن میں نفاذ فرما کر امانتِ ازلی " اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (احزاب ۹۰) کی یاد دہانی کرے، تو ہبوطِ ارض کا واقعہ پیش آیا، اور اس کی حکمت کا قرآن کے ان الفاظ میں اعلان کیا۔ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً " اور ملائکہ نے جب استرشاداً حکمت پوچھی تو یہ فرما کر ان کو خاموش کر دیا اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ "

سیدنا آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو تخلیقِ آدم کی منشا کے ظہور کا وقت آگیا اور اُن کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا گھر وجود میں آئے جس سے تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پاک خواہش کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت جبریل امینؑ کی رہنمائی میں مسجد حرام کی بنیاد سب سے پہلے زمین پر ڈالی گئی۔

روئے زمین کی پہلی مسجد | یہی دنیا کا سب سے پہلا گھر، دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے، اللہ تعالیٰ اس گھر کی اولیت کا ذکر خود فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ — بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر

ع کعبہ کی تعمیر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد حضرت آدم سے بہت پہلے ملائکہ نے ڈالی تھی۔ دیکھئے ابن کثیر جلد اول ص۱۷ ضروری تفصیل کے لئے انتظار کیجئے میری کتاب "تاریخ مساجد" کا جو زیر ترتیب ہے ۱۲

لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ (آل عمران ۹۰)	کیا گیا وہ جو مکہ میں ہے۔ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے

یہ دنیا کا پہلا معبد ہر طرح کی ظاہری، باطنی، حسّی اور معنوی برکتوں سے معمور ہے اور اخلاقی و دینی تعلیمات کا مرکز، اور آج بھی یہ دنیائے اسلام کا کعبہ و قبلہ اور مرجعِ عام ہے جہاں ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں اطرافِ عالم اور اکنافِ دنیا کے مسلمانوں کا اجتماعِ عظیم ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اوّلاً	یا حضرت! روئے زمین کی پہلی مسجد کون ہے؟

ارشاد فرمایا "المسجد الحرام" حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے کہا "ثم ای" (پھر کون یا حضرت) فرمایا "المسجد الاقصیٰ" دریافت کیا ان دونوں مسجدوں میں کتنے دنوں کا فاصلہ ہے؟ ارشاد ہوا چالیس برس کا یعنی مسجد حرام کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ کی طرح ڈالی گئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین مسجد ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اُمت مرحومہ کے لئے ہر پاک جگہ نماز ادا کرنی جائز ہے۔

ایک علمی بحث اور اس کا جواب

محدثین نے اس حدیث میں یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی جیسا کہ مشہور ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کہے جاتے ہیں، اور مسجد اقصیٰ کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام، اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال کا بُعد ہے۔ پھر یہ چالیس سال کی روایت کیونکر صحیح ہو گی۔

جواب یہ دیا گیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں، طوفانِ

لہ مشکوٰۃ باب المساجد فصل ثالث عن الصحیحین۔ ص ۷۲

Marfat.com

نوح میں یہ گھر اٹھا لیا گیا تھا، اور پھر اسی حالت میں پڑا رہا، تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنے زمانے میں اس کی دیواریں اٹھائیں، جس میں آپ کے شریک کار آپ کے لاڈلے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رہے۔ قرآن پاک نے اسی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم
مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (بقرہ ۱۴)	اسمٰعیل خانۂ کعبہ کی دیواریں
وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ	اور جب ہم نے بتلادیا ابراہیم کو خانۂ کعبہ کی جگہ
الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا (ج ۳)	کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا

اور مسجد اقصیٰ کے بانیِ اوّل بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں محققین کا بیان ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد آپ کو بیت المقدس جانے کا حکم ہوا تھا، غالباً اسی زمانہ میں آپ نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بانیِ ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ دونوں کے موسّس حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور حضرت ابراہیم و سلیمان علیہما السلام مجدد ہیں[1]، اس صراحت کے بعد اشکال باقی نہیں رہتا۔

کعبہ کی قدامت پر قرآن کی شہادت

مسجد حرام کی قدامت پر خود قرآن پاک بھی شاہد ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑا تھا، اس وقت دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	اے ہمارے رب! بیشک میں اپنی بعض
بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ	اولاد کو بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے
بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا	محترم گھر کے پاس آباد کرتا ہوں تاکہ
الصَّلٰوةَ الخ (ابراہیم - ۵)	وہ نماز قائم کریں۔

[1] فتح الباری جلد اول واشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۹۲۔

اس دعاء میں عند بیتك المحرم (تیرے محترم گھر کے پاس) کا مطلب یہی تو ہے کہ مسجد حرام اس وقت بھی موجود تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوارگی کے دور میں تھے۔[1] اور مسجد حرام (بیت اللہ) کی دیواریں باپ بیٹے نے مل کر اس کے عرصہ بعد کھڑی کی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب سن شعور کو پہنچے ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ نے اس اشکال کا دوسرا جواب دیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے موسس حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ کے چالیس برس بعد مسجد اقصیٰ بنائی، باقی سلیمان علیہ السلام موسس نہ تھے مجدد تھے۔[2]

لیکن میں سمجھتا ہوں پہلا جواب اس سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موسس نہیں بلکہ تجدید ہی کرنے والے تھے، جیسا کہ آپ نے قرآن پاک کی اوپر والی آیت میں ملاحظہ کیا۔

فتح العزیز کا خلاصہ تعمیر کعبہ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں، تحریر فرماتے ہیں۔

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس محترم گھر (بیت اللہ) کی بنیاد ابتداءً عہد آدم علیہ السلام میں پڑی اس کے بعد برابر یہ مقدس مقام انبیاء و صلحاء کا معبد اور قبولیت دعاء کا مرکز رہا، آپ جب جنت سے زمین پر ڈالے گئے تو التجا کی، خدایا آسمان کی طرح یہاں بھی کوئی گھر ہو جہاں تسبیح و تہلیل کی گونج رہے۔ یہ درخواست مقبول بارگاہ ہوئی اور نشان دہی فرما دی گئی، اور اسی نشان پر بنیاد رکھی گئی، جو طوفان نوح علیہ السلام تک موجود رہا، طوفان میں اٹھا لیا گیا، مگر اس کے نشانات باقی تھے، اسی کی طرف لوگ قبولیت دعاء کے لئے رجوع کرتے رہے، تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنانے کا حکم ہوا، آپ نے بنانے کا ارادہ کیا تو ایک سکینہ سایہ فگن ہوا اور حضرت

---

[1] احکام القرآن لابن العربی سورۂ ابراہیم۔ [2] زاد المعاد ج ۱ ص۔

جبریل امین نے اس کی مدد سے خطوط کھینچے، جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھود کر بنائے آدم نکالی، اور اسی پر مقدس گھر تعمیر پایا۔[1]

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بنی آدم کے زمین پر قدم رکھتے ہی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی، اور رب العزت نے پورے اہتمام سے خود اپنی نگرانی میں اس محترم مسجد کی نشاندہی فرمائی جو مسجد کی عظمت و اہمیت کا بیّن ثبوت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روز اوّل سے ہی اُسے مرکزِ وحدت قرار دیا گیا۔

مسجد کی امتیازی شان ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد اور دوسری مسجدیں قیامت کے دن اور چیزوں کی طرح فنا نہ ہونگی، بلکہ یہ ساری کی ساری اکٹھی ہو جائیں گی۔

تذهب الارض کلها یوم القیامة	قیامت کے دن مسجدوں کے سوا ساری
الا المساجد ینضم بعضها	زمین فنا ہو جائے گی۔ صرف یہ مساجد
الی بعض (کنز العمال ج ۷ ص ۱۳۹)	ایک دوسرے سے مل جائیں گی۔

اس حدیث سے اتنی بات تو معلوم ہوتی ہے کہ مساجد کو امتیازی شان حاصل ہوگی اور یہ دوسری چیزوں کی طرح برباد نہ ہونگی، باقی یہ سوال کہ سب مل ملا کر کیا ہونگی؟ اس کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا، ہاں دوسری حدیث کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فردوس اعلیٰ کو منتقل ہو جائیں گی۔

اس قدر ثابت ہو جانے کے بعد مسجدوں کے نظام وحدت اور اس کی دینی مرکزیت کی طرف جو لطیف اشارہ ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

عہدِ نبوی کی پہلی مسجد ابو البشر آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہو کر چلا آ رہا ہے وہ آکر سید البشر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ آپ پر دین کی تکمیل اور نبوت و رسالت کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔

---

[1] تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ ص ۲۶۱

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ-۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی جن مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھری ہوئی، اور جن دل ہلا دینے والی آفتوں اور پریشانیوں سے لبریز تھی، اس کی کوئی ادنیٰ مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ مکی زندگی جن مشکلات و مصائب سے پُر گزری ہے اُسے سیرت کی کتابوں میں مطالعہ کریں، آپ کو اور آپ کے جان نثاروں کو جس قسم کی اذیتیں دی گئیں صرف اس کے تصوّر سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے نازک اور کٹھن دور میں باضابطہ مسجد کی تعمیر کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مسجد حرام موجود ہی تھی جس سے حصولِ اطمینان کے وقت کام لیا جا سکتا تھا۔

یہی وجوہ ہیں کہ مکی زندگی میں کسی باضابطہ مسجد کی تعمیر کا پتہ نہیں ملتا، چھپ چھپا کر لوگ نماز پڑھ لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابیؓ کے یہاں جلوہ افروز ہوتے اور تمام صحابۂ کرام پروانہ وار جمع ہو جاتے، اور اسی مجلس میں آپ تبلیغ و تلقین فرماتے گویا جماعت کی نماز کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جہاں وقت آجاتا نماز پڑھ لی جاتی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل ان یبنی المسجد حیث ادرکتہ الصلوٰۃ (ابن ماجہ ص ۵۴)

مسجد بننے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں وقت آتا نماز پڑھ لیتے

البتہ بعض صحابۂ کرامؓ نے اپنے گھروں میں نماز کے لئے ایک جگہ متعین کر لی تھی، جہاں وہ تہجد و نوافل اور گریہ و زاری میں رات کے وقت مشغول ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کرتے، جن کو فقہ کی اصطلاح میں "مسجد البیت" کہہ سکتے ہیں انہی کو بعض محدثین نے مسجد سے تعبیر کیا ہے۔

باضابطہ مسجد اس وقت بنی جب کفارِ مکہ کی مسلسل ایذا رسانیوں سے زندگی دوبھر ہوگئی اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے ہوئے مقام "قبا" میں نزولِ اجلال فرمایا، یہاں کے چند روزہ قیام میں سب سے پہلے مسجد وجود میں آئی جس کی بُنیاد کی پہلی اینٹ خود ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی پھر صدیق اکبرؓ نے، پھر فاروق اعظمؓ نے، پھر اور صحابۂ کرامؓ نے۔ خود ہی معمار بھی تھے اور مزدور بھی، اور اس شانِ شکوہ سے عہدِ رسالت کی پہلی مسجد[1] تیار ہوئی، اس مسجد کو بارگاہِ احدیت میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی، کہ قرآن پاک نے ان لفظوں میں اس کی رفعت و عظمتِ شان کا اعلان کیا۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ (توبہ ۱۳)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلی مسجد سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ ہر شنبہ (سنیچر) کو اس میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے[3]، آپ کے اصحابؓ نے بھی اپنے وقتوں میں اس پر عمل باقی رکھا حضرت فاروق اعظمؓ کا دستور ہو گیا تھا کہ ہفتہ میں دو دن تشریف ضرور لاتے، اور خدمت کی ضرورت محسوس کرتے تو خود خدمت انجام دیتے، حتیٰ کہ خود مسجد کو جھاڑتے تھے[4]۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے تین میل کی دوری پر ہے[5]۔

سرکارِ مدینہ کی مسجد چند دنوں کے بعد قبا سے شہر کی طرف روانہ ہوئے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ ناقہ جہاں بیٹھی تھی اسی جگہ بنی نجار کے دو یتیموں کی پڑی ہوئی (ویران) زمین تھی۔ آپ نے اس کے متعلق خواہش کا اظہار فرمایا، اس خواہش کی اطلاع پا کر وہ زمین آپ کی خدمت میں بغیر کسی قیمت کے پیش کی گئی اور آپ سے قبول کرنے کی درخواست کی گئی، مگر آپ نے یہ گوارا نہ فرمایا اور قیمتاً ہی لینے پر راضی

---

[1] وفاء الوفاء جلد اول ص۱۸۰ [2] ابن قیم لکھتے ہیں "ہو اول مسجد اسس بعد النبوۃ" زاد المعاد ج ۲ ص۵۵ وفاء الوفاء ج ۱ ص۱۸۰ [3] بخاری و مشکوٰۃ وغیرہ۔ [4] وفاء الوفاء ج ۲ ص۲۱ [5] جذب القلوب بیان مسجد قبا۔

Marfat.com

ہوئے، چنانچہ قیمت دے کر زمین مذکور حاصل کی گئی، قیمت ادا کرنے کا شرف صدیق اکبرؓ کی جیب خاص نے حاصل کیا۔[1]

اب آپ نے صحابۂ کرامؓ کی معیت میں اسی جگہ مسجد نبوی کا سنگِ بنیاد رکھا، پہلی اینٹ خود ذات بابرکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، اور پھر آپ کے خلفاء واصحابؓ نے، اینٹوں کے ڈھونے کا کام خود نفس نفیسؐ اور صحابۂ کرامؓ کر رہے تھے اور آپ کی زبانِ وحی ترجمان اعلان کر رہی تھی۔

اللّٰھم لاخیر الاخیر الآخرۃ فارحم	بھلائی بس آخرت کی ہے اے اللہ
الانصار والمھاجرین۔	انصاری ومہاجرین پر رحم فرما۔

گویا اس مسجد محترم کے معمار اور مزدور بھی خود یہی داعیانِ اسلام اور اساطینِ امت تھے۔[2]

ان خدا پرستوں نے آپ کی نگرانی میں جو مسجد تیار کی وہ سارے تکلفات اور آرائش سے پاک تھی، نہ نقش ونگار تھے، نہ جھاڑ اور فانوس، نہ چمکتے دمکتے پتھر تھے اور نہ آنکھیں خیرہ کرنے والا رنگ وروپ، بلکہ مسجد نبوی سادگی کی آپ اپنی مثال تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور ہی کے ستون۔[3]

اوّل اوّل ان مسجدوں کی بنیادیں اشارہ ہیں کہ مومن کو جہاں کہیں قالو نجتا جائے وہ سب سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے بھی پہلے عبادت گاہ تیار کریں اور ان کو اپنے اجتماعی نظام کی روح اور اپنی دینی مرکزیت کی جان سمجھیں اور ان میں نمونہ ہے کہ ایسی سادہ ہوں کہ ہر امیر وغریب اپنی آبادی میں بآسانی اس مقدس گھر کو قائم کر سکے۔

مسجد نبوی کی حیثیت مرکزِ اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی، بلکہ اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھی، جہاں دین ودنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے، لشکر اسلام کو قواعدِ جنگ بتائے جاتے تھے، یہیں سے جہاد میں فوج روانہ کی جاتی تھی، وفود یہیں اترتے تھے، اسی

[1] نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۲ مطبوعہ نول کشور [2] جذب القلوب کیفیت بنائے مسجد نبوی۔ [3] بخاری باب بنیان المسجد

134954

میں مدینہ کا پہلا دار العلوم اسلامی تھا، اسی میں رسول الثقلینؐ کا دربار لگتا تھا، اسی میں فصلِ خصومات سنائے جاتے تھے اور اسی میں مجرمین کو قید بھی کیا جاتا تھا، گویا دار الشریعت (پارلیمنٹ) دار العلوم (یونیورسٹی) دار العسکر (فوجی چھاؤنی) اور دار الحبس (جیل خانہ) سب کا کام اسی مسجد مقدس سے لیا جاتا تھا، اور اسی میں وہ متبرک حصہ بھی ہے جس کو حدیث میں "روضۃ من ریاض الجنۃ" فرمایا گیا ہے۔ جس کی تشریح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔

مگر محققین نے اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے، کہ زمین کا یہ حصہ واقعی جنت سے لایا گیا ہوگا۔ جس طرح حجر اسود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے لایا جانا کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ حصہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتارا جانا ممکن ہے جن کو ہماری آنکھیں اپنی طبعی ظلمت کی وجہ سے تمیز کرنے سے قاصر ہیں[1]۔

اسی مسجد محترم کے باب میں آپ کا ارشاد ہے۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام (بخاری)

میری اس مسجد میں نماز، ہزار نماز سے بہتر ہے دوسری مسجدوں کے اعتبار سے بجز مسجد حرام کے

مسجد مکہ اور مدینہ کی باہمی فضیلت

اس باب میں علماء مختلف ہیں کہ مسجد حرام و مسجد نبوی میں کس کو فضیلت حاصل ہے، بلکہ یوں کہیئے کہ مدینہ اور مکہ میں کس کو فضیلت ہے، یہ تو اجماعِ امت اور اتفاقِ علماء سے ثابت ہے کہ موضع قبرِ رحمتِ عالم صلعم تمام زمین و آسمان سے افضل ہے، جس طرح آپ ساری کائنات سے اشرف و افضل تھے، اسی طرح آپ کا روضۂ اطہر بھی تمام سے افضل و اشرف ہے، پھر کعبۂ مکرمہ کو (سوائے قبہ محترم) تمام پر فضیلت حاصل ہے، باقی مسجد حرام اور مسجد نبوی یا مکہ اور مدینہ میں اکثر علماء مسجد حرام کی فضیلت کے قائل ہیں جس کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ

[1] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۸۲ و جذب القلوب فصل روضۃ من ریاض الجنۃ۔

Marfat.com

محترم و مقدس مسجد دس سال تک درسگاہِ نبوت اور سجدہ گاہِ رسول ؐ رہ چکی ہے، اور اسی زمین میں آپ آرام فرما ہیں محققین علماء کی رائے ہے کہ من وجہٍ (مثلاً حق نماز میں) مسجد حرام کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور من وجہٍ (مثلاً حق موت میں) مسجد رسول کا درجہ[1]۔

مگر اس بحث میں پڑنا قرینِ عقل نہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کی فضیلت اپنی جگہ ہمارے لئے مسلّم ہے۔ ایک مقام آپ کی پیدائش، جوانی اور نبوت کے حصول کا ہے تو دوسرا اشاعتِ دین اور غلبۂ اسلام کا، مسجدِ نبوی کو دائمی قربت حاصل ہے تو مسجد حرام کو قبلہ و کعبہ اور مرجعِ عام ہونے کی فضیلت حاصل ہے، اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ قرآنِ پاک میں اس کا تذکرہ بار بار آیا ہے اور اسے "مبارکاً وھدیً للعالمین" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے ہم گناہگاروں کے لئے دونوں ہی فیوض و برکات کے منبع اور سرچشمہ ہیں (اللہ تعالےٰ زیارت نصیب فرمائے) باقی علماء احناف کا فیصلہ یہ ہے، افضل مسجد مکہ پھر مسجد مدینہ، پھر قدس، پھر قبا[2]۔

مسجد حرام مسجد نبوی اور اقصیٰ

بلا شبہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ اپنی تاریخی اور دینی اہمیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں جو مرتبہ اور بزرگی ان مسجدوں کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں، ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تقرب الی اللہ (ثواب) کی نیت سے ان مسجدوں کے لئے سفر کرنا جائز بلکہ مطلوب ہے، اوروں کے لئے اجازت نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد	کجاوہ نہ باندھو مگر تین مسجدوں
مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و	کے لئے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ
مسجدی ھذا (بخاری و مسلم)	اور میری یہ مسجد (نبوی)

یہ حدیث بہت واضح ہے اور ان تین مسجدوں کی عظمت کو نمایاں کر رہی ہے، بقیہ دوسری

[1] جذب القلوب باب ثانی و رسائل ارکان بحر العلوم ص۲۸۳ [2] در مختار ص۱۲

مساجد کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے مقاماتِ متبرکہ کی طرف بھی ثواب کی نیت سے سفر جائز نہیں ہے، یوں جانا یا کسی اور ضرورت سے جانے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے حصولِ علم، تجارت[1]، تفریح وغیرہ بلکہ کبھی ایسی ضرورت بھی آپڑتی ہے کہ سفر مطلوب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی پر کوئی حق واجب الادا ہو، علومِ قرآن وحدیث مقصود ہوں۔

یہ دھوکہ ہرگز نہ ہو کہ کوئی سفر کرے تو مقامات متبرکہ دیکھنے نہ جائے، یا مشہور و معروف مسجدیں نہ دیکھی جائیں۔ اس میں اس کو اختیار ہے، ہاں یہ نیت ہرگز نہ ہو کہ دہلی کی جامع مسجد کی زیارت سے نصف حج کا ثواب ملے گا اور اجمیر کی حاضری سے ایک حج کا ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی ممانعت کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"اہلِ جاہلیت چند جگہوں کو اپنے خیال میں باعظمت اور متبرک سمجھ کر ان کا قصد کرتے اور ان کی زیارت کو جاتے تھے، حالانکہ اس میں تحریف و فساد کھلا ہوا تھا، اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے فساد کا دروازہ ہی بند فرما دیا، تاکہ شعارِ دین دوسرے شعار سے جو دین نہیں ہیں خلط ملط نہ ہو، اور آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن سکے"[2]

درجات مساجد اوپر کی حدیث سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ مسجدوں کے درجے آپس میں متفاوت ہیں، اور یہ درست بھی ہے، خود ان تین مسجدوں کے مراتب بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرض نماز جو گھر میں بغیر عذر شرعی پڑھی جائے ایک ہی نماز کے برابر ہے اور مسجد محلہ میں باجماعت پڑھی جائے تو پچیس گونہ اس کا ثواب بڑھا ہوا ہے اور جامع مسجد میں (جمعہ کی) نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں جو نماز پڑھی جائے وہ پچاس ہزار

[1] اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۱۸۲ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹۲

Marfat.com

نمازوں کے برابر ہے اور جو نماز میری مسجد (نبوی) میں پڑھی جائے وہ اس سے پچاس ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہے اور مسجد حرام کی نماز ایک لاکھ درجہ زیادہ رکھتی ہے۔[1]

فقہائے کرام نے دوسری حدیثوں کے پیشِ نظر مسجد اقصیٰ کے بعد مسجد قبا کا درجہ بتایا ہے پھر جامع مسجد کا، پھر محلہ کی مسجد کا، پھر شارع عام کی مسجد کا، لیکن پنج وقتہ کے لئے محلہ کی مسجد کو جامع مسجد پر فضیلت حاصل ہے، البتہ جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں افضل ہے۔[2] کیونکہ سلف صالحین اور صحابۂ کرام رضؓ کا تعامل آپ کے بعد یہی رہا کہ پنج وقتی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھتے رہے اور آج بھی صالحین کا یہی تعامل ہے۔

ایک محلہ میں چند مسجدیں ہوں تو سب سے زیادہ حق اس مسجد کا ہے جس میں جماعت بڑی ہوتی ہو، پھر جو قریب تر ہو، پھر جو قدیم تر ہو اور ہر طرح مساوی ہوں تو جس مسجد میں قلبی رجحان پایا جائے۔ اور اگر نمازی عالم دین ہے جس کی ذات سے لوگوں کے زیادہ سے زیادہ آنے کی توقع کی جاتی ہے تو اس کو اس مسجد میں نماز پڑھنی چاہیئے جس میں نمازیوں کی آمد کم ہے تاکہ اس کی وجہ سے جماعت میں اضافہ ہو سکے اور مسجد آباد رہے۔[3]

مگر طالب علموں کو یہ رعایت ہے کہ وہ جا کر اپنے اُستاذ کی مسجد میں نماز پڑھیں تاکہ اُستاذ سے بھی مستفید ہو سکیں۔ ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ محلہ کی مسجدوں میں اس مسجد کو خاص شرف حاصل ہے جس کا امام عالم باعمل اور متقی ہو۔[4]

تفاوت درجات کا راز غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ تفاوتِ درجات بے وجہ نہیں ہے، بلکہ مصالح اور حکم پر مبنی ہے، مسجد حرام کے جو فضائل ضمناً گزر چکے ہیں وہ خود ایک مستقل وجہ فضیلت ہے، پھر حج کی فرضیت، اس میں ثواب کا چند در چند مضاعف ہونا یہ مل کر

---

[1] مشکوۃ باب المساجد فصل ثالث مع حاشیہ بحوالہ مرقاۃ۔ [2] رد المحتار (شامی) جلد اول ص ۶۱۷

[3] رد المحتار جلد اول ص ۶۱۸ و ۶۱۹ [4] رد المحتار جلد اول ص ۶۱۶ و ۶۱۷

ایمان والوں کے دلوں میں ایک ہیجان کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں، اور اس طرح ہر خطۂ ارض سے لوگوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا سال میں ایک مرتبہ اور بھی سہل ہو جاتا ہے۔ وہاں فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جو وہاں کے باشندوں پر چھائی ہوئی رہتی ہے۔ اور آنے والوں کے لئے دعا کرتی ہے[1]۔ مرد مومن کو وہاں پہنچتے ہی غفلت کا پردہ اٹھتا نظر آتا ہے اور یہ یاد ایک شور بپا کر دیتی ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا، جوان ہوئے اور آپ کو نبوت کی عزت حاصل ہوئی اور پھر اس کے بعد بہت سی اذیتیں دین کے لئے برداشت کیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں دنیا کی شیرازہ بندی کا اسلام کے نام پر اعلان ہوا، اس مسجد حرام کو بیت اللہ کہتے ہیں اور اسی میں حجر اسود جیسا ذی مرتبت پتھر نصب ہے۔

مسجد نبوی کو بھی ان میں سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں، علاوہ ازیں اس کی نسبت فخر دو عالم صلعم کی طرف مقبولیت کی سند اور عظمت کا نشان ہے، یہی وہ مسجد محترم ہے جہاں دس برس تک مسلسل سید الکونین نے سجدے کئے اور خود بنفس نفیس ان صحابۂ کرامؓ کی امداد سے تیار کیا، جن کے متعلق قرآن نے اعلان کیا "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" یہاں پہنچ کر آپ کی زندگی کا دوسرا پہلو آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔ یہیں سے اسلام کی نورانی کرنیں عرب و عجم کو پہنچیں اور ایمان کی دولت لٹائی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خاک پاک کو دائمی قربت رسولؐ کا شرف حاصل ہے۔

مسجد اقصیٰ یہ مہینوں قبلہ کے شرف سے مشرف ہو چکی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلۂ اولیٰ یہی مسجد تھی۔ آپ سے پہلے یہ بہت سے نبیوں کا مرکز رہ چکی ہے، وہاں آج بہت سے انبیاء آرام فرما ہیں، معراج میں آپ کو یہاں لایا گیا تھا جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری فضیلتوں کی وجہ سے یہ بھی اپنا ایک خاص درجہ

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۱۹۲۔

Marfat.com

رکھتی ہے۔

مسجد قُبا کے متعلق ابھی لکھ آئے ہیں کہ یہ عہدِ نبوی کی پہلی مسجد ہے، آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی معیت میں اسے تیار فرمایا ہے اور قرآن پاک نے سندِ تقویٰ عطا کی ہے۔

ان کے بعد جامع مسجد کا مرتبہ ظاہر ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ ایک بڑی تعداد کو اپنے دامن میں لے کر یکجا کر دیتی ہے۔ اور محلہ کی مسجد دن رات کے پانچ وقتوں میں اپنے محلہ کے ایمان والوں سے پُر نور رہتی ہے۔ محلہ کی مسجد میں جماعت کا جو اہتمام رہتا ہے شارع عام کی مسجد کو حاصل نہیں ہوتا، غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے، اجتماع کے التزام اور اس کے عظیم الشان ہونے میں بھی مرتبہ کی بلندی مضمر ہے۔

مسجدوں کا قدرتی نظام

انفرادی طور پر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، مگر اللہ تعالےٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ فرض نمازوں کو اجتماعی شکل دی جائے اور پراگندہ و منتشر افراد کی شیرازہ بندی کا مظاہرہ کیا جائے اور قرآن نے تالیفِ قلوب[1] کا جو احسان جتلایا ہے اس کا عملی طور پر بھی رات دن اعلان ہوتا رہے چنانچہ اس کے لئے ایک مستقل نظام قائم کیا۔ جس قدرتی نظام میں سارے مومنوں کو حتی الوسع یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہم اس نظام کو "نظامِ مسجد" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی عظمتِ شان دلوں میں بٹھانے کے لئے ابتدائے آفرینش سے اس سلسلہ کو جاری فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو خوب مستحکم کر دیا گیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، آپ نے اس نظام کی بنیاد خود اپنے ہاتھوں رکھی اور حکم فرما دیا کہ ہر ہر محلہ اور آبادی میں اس نظام کو پوری بختگی اور جرأت سے قائم کیا جائے، کیونکہ اس میں دینی اور دنیوی، حسّی اور معنوی بے شمار فائدے ہیں۔

اس نظام کی بختگی

اس نظام میں جس کو ہم مسجد کہتے ہیں بہت عمدہ تدریجی ترقی ملحوظ رکھی گئی ہے، ہفتہ بھر ہر محلہ اور ہر آبادی اپنے محلہ اور گاؤں کی مسجد میں جمع ہو کر پنج وقتہ نماز ادا کرتی ہے،

[1] اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)

پھر یہ پانچ وقت ہر ایک کے لئے متعین ہیں کوئی اس کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تاکہ ایک ہی وقت میں پوری دنیا اپنی اپنی جگہ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس طرح دنیا میں کوئی شخص اکیلا نہیں پیدا ہوا ہے اور نہ تنہا کوئی کام انجام دے سکتا ہے بلکہ اپنی دنیاوی زندگی میں وہ اپنے بہت سے معین و مددگار اور حامیوں کا محتاج ہے، دوستوں، بھائیوں، بہی خواہوں اور بے شمار ساتھیوں کے تعلقات کے ساتھ خوشگوار زندگی جکڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے احکام میں بھی بندہ کو اپنے شریکِ کار، ہاتھ بٹانے والوں اور مدد کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ایک خدا کے ماننے والے، ایک رسول کے امتی، ایک کتاب مقدس کے قانون کے پابند اور ایک دین کے پیرو کار اللہ تعالےٰ کی عبادت میں ایک پاک جگہ جمع ہوں اور ایک مقصد کی خاطر، عاجزی، تواضع اور ذلت و مسکنت کا اظہار کریں، اور پروردگارِ عالم سے حصولِ مقصد کے لئے دعا اور مناجات کریں اور منظم ہو کر شیطان رجیم کا مقابلہ کریں، کیونکہ اگر ہر ایک نے دوسرے کی پشت پناہی نہ کی منظم ہو کر صف بستہ نہ آئے۔ تو دشمن کا لشکر منتشر اور پراگندہ افراد کو موقع پا کر شکست دے سکتا ہے۔

پھر یہ تنظیم کھوکھلی نہ ہو، بلکہ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے مستحکم اور ٹھوس ہو، ظاہری اجتماع کے ساتھ باطنی اجتماع بھی پختہ تر ہو۔ جسم کی صفوں کی درستی کے ساتھ دل کی صفوں کی درستی بھی ہو اور ظاہری پاکی و صفائی سے بڑھ کر باطن کی پاکی اور صفائی حاصل ہو، ایک ہی اصول کے سب پابند اور ایک ہی امیر یا امام کے سب تحت میں ہوں۔

تدریجی ترقی چنانچہ اسلام نے اس کا ایسا ہی مستحکم نظام قائم کیا ہے، مسجد کے نام سے ایک خاص گھر بنا دیا گیا ہے، جس میں کسی خاص شخص کی نہ ملکیت ہوتی ہے اور نہ اس کا شخصی قبضہ بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا گھر کہلاتا ہے، اس میں سارے مسلمان برابر کے شریک ہیں[1]۔ اجتماع کے خاص خاص وقت متعین کر دیئے گئے ہیں، تاکہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سارے اراکینِ اسلام

[1] احکام القرآن لابن العربی سورۂ بقرہ ج ۱ ص ۱۵

اپنی اپنی اس قدرتی اسمبلی میں جمع ہو جائیں۔ اور پھر کس طرح؟ کہ سب مل کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہو جائیں۔ اُٹھنے، بیٹھنے، کھڑے ہونے اور تمام حرکت و سکون میں اسی ایک کی پیروی کریں، نہ کوئی امام سے پہلے جھک سکتا ہے، نہ اُس سے پہلے قیام وقعود کر سکتا ہے، اور نہ کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جو اس کے خلاف ہو سب کے سب چاہے امیر ہوں چاہے غریب، بادشاہ ہوں کہ گدا، اسی کی متابعت کرتے ہیں، اور یکجائی اظہارِ بندگی کرتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں ورنہ کم سے کم یہ کہ وہ تو ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

پورے ہفتہ کے بعد ایک مخصوص دن پہنچا تو ایک قدم اور بڑھایا، محلہ محلہ اور بستی بستی کے مسلمان نہا دھو کر حسب استطاعت خوشبو لگا کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے، مسجد کا راستہ ایک عمدہ منظر پیش کر رہا ہے، سب ہر طرف سے آ کر ایک ہی گھر میں داخل ہو رہے ہیں، آج نسبتہً صاف ستھرے ہیں، چہروں پر وجاہت ہے اور چال میں وقار کی نمایاں جھلک دیکھتے ہی دیکھتے بغیر کسی اشتہار اور اعلان کے مسجد بھر گئی، سب محلہ کے مسلمان یکجا ہو گئے سنتیں پڑھی گئیں، اور لوگ تسبیح و تقدیس اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

سیکڑوں ہزاروں ایمانی شمعیں مل ملا کر جمع ہو گئیں، ان کی ملی جلی روشنی نے پوری مسجد کو نور سے بھر دیا، ہر ایک دل کی کلی کھل کر مسکرانے لگی اور ہر ایک کا عکس دوسرے کو منور کرنے لگا۔ بغض و حسد، عداوت و نفرت، اور دوسری برائیوں کی تاریکی سیماب پا ہو چلی۔

امام نکلا، موذن نے اذانِ ثانی دے کر لوگوں کی توجہ امام کی طرف پھیر دی، وہ سامنے کھڑا تلقین کر رہا ہے اور سب ہمہ تن متوجہ سُن رہے ہیں جب اس کی آواز میں تیزی پیدا ہوئی اور آنکھیں سُرخ ہو گئیں تو پھر کتنے دل کانپ اُٹھے، کتنے جسموں پر لرزہ پڑ گیا خشیتِ الٰہی اور محبتِ مولیٰ کی ملی جلی کیفیت نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا، خطبہ ختم ہوا، نماز ادا کی گئی مگر کس شان سے؟ کہ آج جب ایک فرد (امام) اللہ اکبر کہتا ہے تو سارے شہر کے مسلمان

Marfat.com

اللہ اکبر کہتے ہیں، وہ جب رکوع میں جھکا تو سب کے سب بے چون وچرا رکوع کے لئے جھک گئے اور جب وہ سجدہ میں گرا تو سب کے سب اکٹھے سجدے میں گر پڑے۔

دینوی اور دینی اصلاح

اس شان وشکوہ سے ہفتہ کی جو عبادت ادا کی گئی، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین اور دینی ودنیوی دو رجحانات کے تجربہ کار شریک تھے۔ رؤساء، تجار، غرباء فقراء، علماء، صوفیاء اور وہ لوگ بھی جو ق در جوق تھے جن کو علم وفضل سے کوئی مس نہیں۔

ہر ایک نے دوسرے کو عبرت وبصیرت کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ کا نقشہ کھنچ گیا: تاجروں اور رئیسوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت کی طرف توجہ ہوئی، علماء کرام کو علمی اور دینی سدھار کی فکر ہوئی، صوفیاء کی نظر تزکیۂ قلوب کی طرف گئی، غریبوں میں محنت کی اُمنگ پیدا ہوئی، فقیروں کی خودداری میں جوش آیا، اَن پڑھ اور جاہلوں کے دلوں میں اشتیاقِ علوم نے کروٹ لی، اور بے عملوں میں عمل کا جذبہ اُبھرا۔

آپ نے غور کیا، یہ کون دن تھا، اور کون سی مسجد؟ جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد، جس کا یہ روح افزا اور حیات بخش منظر آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (جمعہ - ۲)

یہ قدرتی ہفتہ وار اجتماع "نظام مساجد" کے سلسلہ میں ہر ماہ چار مرتبہ ہوتا ہے، اور کبھی کبھی مہینہ میں پانچ مرتبہ بھی، اس اجتماع سے قوم وملک کو ہمیشہ فائدے پہنچتے رہے جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

سالانہ تنظیم

اس نظم وضبط کے ساتھ سال کے بارہ مہینے گذرتے ہیں، مگر ان میں دو مخصوص دن ذرا اور امتیازی شان رکھتے ہیں اور ان دنوں کا قدرتی اجتماع اور زیادہ مفید اور مہتم بالشان ہوتا ہے۔

Marfat.com

آج فرزندانِ توحید کے قلوب وفورِ مسرت سے لبریز معلوم ہوتے ہیں، ہر چیز میں نمایاں امتیاز پایا جاتا ہے۔ لباس بھی عمدہ سے عمدہ اور صاف ستھرے ہیں، کھانے پینے میں بھی خاص اہتمام ہے، جوان، بچے اور بوڑھے سب تکبیر کہتے ہوئے ایک ہی جانب جا رہے ہیں، اور شاید ایک ہی گھر کو جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ایک وسیع میدان کے اندر عظیم الشان اجتماع ہو گیا جس میں شائستہ شہری بھی ہیں اور سادہ دل دیہاتی بھی، کھلے میدان میں ایک عجیب دلکش منظر ہے، ایک آواز پر لاکھوں اونچی پیشانیاں خدائے واحد کی پرستاری میں خاک آلود ہو رہی ہیں، کبر و نخوت کا جنازہ نکل رہا ہے، مساوات کا پرچار ہو رہا ہے اور یہ سب ایک نظام کے ساتھ ہو رہا ہے۔

صدقۂ فطر کے نظام نے غریبوں اور محتاجوں کو بھی خوشی کا موقع دے رکھا ہے، ایک آواز اٹھی، اور وہ محلہ محلہ پہنچ گئی، شہر کے گوشہ گوشہ سے نکل کر اس کی گونج دیہاتوں میں سنی جا رہی ہے، یہ سالانہ قدرتی اجتماع، ہفتہ وار اجتماع سے کہیں زیادہ جاذبِ نظر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، آپ نے سمجھا یہ اجتماع کیسا ہے، یہ بھی ایک مسجد ہی کا ابرِ کرم ہے جو ہر خطۂ ارض پر برستا ہے جس کو ہم عیدگاہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

عالمِ اسلام کی یکجائی

اب اس کی ضرورت رہ گئی تھی کہ کوئی ایسی مسجد بھی ہوتی، جو ساری دنیا کے خدا پرستوں کو یکجا کر دیتی، اور یہ نظامِ مساجد اس طرح عالمگیر ہونے کا دعوے کرتا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نظام نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا ہے، ان دو مخصوص دنوں میں ایک ایسا دن بھی ہر سال آتا ہے جو اس اہم کام کی انجام دہی کر دیتا ہے یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور سنتِ ابراہیم کی یاد تازہ کرنے کا دن ہے۔

یہ اونٹوں کا ہجوم، قطار در قطار کتنا بھلا ہے۔ ریگستانی جہازوں کا حسن منظر بے انتہا دلچسپیوں کا مرقع ہے، ساربانوں کی حدی خوانی، بدوؤں کی تانیں، سبحان اللہ کس قدر ولولہ انگیز ہیں۔

دنیا کے کونے کونے سے ربِ کعبہ کے متوالے، اس کی محبت سے سرشار، فریادی بن کر آرہے ہیں، پیروانِ اسلام کے یہ قافلے مختلف خطّہائے ارض سے چل کر آئے ہیں، اور اس طرح داخلِ حرم ہو رہے ہیں کہ باوجود مختلف شکل و صورت کے سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہے، سب کی زبان پر ایک ہی طرح کی دعائیں اور صدائیں ہیں، ذرا ان کی ادائیں تو دیکھئے، بال پراگندہ جسم خاک آلود، سر کھلا، نہ بدن پر سلا ہوا کپڑا، نہ کپڑوں میں خوشبو، سب کی گردنوں میں سادہ کفنی پڑی ہوئی ہے، سب عیش و راحت سے دُور، حرم محترم کا احترام؟ اس کی ایک ایک چیز عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، نہ گھاس کاٹنے کی مجال، نہ پرند پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت اور نہ جوں مارنے کی ہمّت۔

اس عالمی اجتماع میں تمام ممالک کے نمائندے شریک ہیں، کالے، گورے، حبشی، مصری ہندوستانی، افریقی، یورپی، ایشیائی، ان میں کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں سے مسلمان یہاں نہ آئے ہوں۔ مختصر یہ کہ عالم اسلام کے کونے کونے سے خدا پرستوں کے نمائندے آئے ہیں، سب آپس میں ملے، باہم ملاقاتیں ہوئیں، محبت و الفت بڑھی، تبادلۂ خیالات کا موقع میسر آیا، ہر ایک نے دوسرے ملک والے کو غور و فکر کی نظر سے دیکھا، اور سب ایک دوسرے کے غم اور خوشی سے واقف ہوئے۔

یہ بھی ایک مسجد ہی کا فیض و کرم ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو، ایک تاریخ، ایک دن اور ایک جگہ میں جمع کر دیا، اس مسجد کا نام مسجد حرام ہے جس کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (بقرہ ۱۵۰)

اسی مسجد کے باب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ربانی ہوا تھا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تیرے
رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ	پاس ہر طرف کے پیادہ بھی اور ہر دبلی اونٹنیوں پر بھی
كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (حج ۲۷)	جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی۔

Marfat.com

مساجد کی اجتماعی حیثیت اس اجتماعی نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام ممکن بھی ہے؟ دنیا کا کوئی پولیٹکل نظام اس قدرتی نظام مساجد کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، جو بکھرے ہوئے انسانوں کو تدریج جمع کر دیتا ہے اور منتشر افراد کی بات بات میں شیرازہ بندی کا کام انجام دیتا رہتا ہے، اس نظام میں کاہلی پر ہر دن ضربِ کاری لگتی رہتی ہے، اور ہر پہلو سے یہ عالمی نظام ایک کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔

واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ابتک سچائی سے اس قدرتی نظام پر غور ہی نہیں کیا، اور کبھی غور بھی کیا تو محض سرسری طور پر، ورنہ اس نظام میں دینی و دنیوی دونوں روگ کا کامل علاج ہے، اور کہیں سے کوئی خامی نہیں چھوڑی گئی ہے، اس نظام کے بروئے کار لانے سے دین بھی پیدا ہوگا اور دنیا بھی سنورے گی، اتحاد و اتفاق کی ناقابل تسخیر قوت بھی پیدا ہوگی اور ارتقاء و عروج کا جذبہ بھی ابھرے گا، مرکزیت اور اجتماعیت بھی مستحکم ہوگی اور سیاسی قوت بھی راسخ ہوگی۔ اور جس کی وجہ سے ہمارے سارے کام بگڑتے ہیں وہ بات بھی ختم ہو جائے گی یعنی ایک بالادست طاقت کے اشارے پر زندگی گزارنے کا ڈھنگ پیدا ہو جائے گا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آئین اسلام کی کامل اتباع کے ساتھ اس نظام میں نظم جماعت، ہمدردی، پاکیزگی، جسم کی صفائی، حسن ہیئت، وقت کی پابندی، آپس کی بہی خواہی، اخلاص و تضرع اور دوسرے شعبہائے زندگی کے سارے لوازمات آجاتے ہیں۔

نظام مساجد کی برتری قدرت کا یہ اجتماعی نظام جن لوازماتِ زندگی کو پورا کرتا ہے اور جن خامیوں کو دور کرتا ہے وہ انجمن، پارٹی، کانفرنس اور جماعت سے پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان جو بھی اصول و قوانین مرتب کرے وہ ہر طبقۂ انسانی کے لئے مفید ہو ہی نہیں سکتے۔

اس اجتماع کے استحکام پر بار بار غور کیجئے، اول قرآن پاک نے بتایا کہ تخلیقِ انسانی کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے[1]، پھر اسلام نے اس امر کو منقح کیا کہ اس نظام سے جو عبادت متعلق ہے

[1] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات-۲)

Marfat.com

وہ سب سے اہم اور عوام وخواص دونوں سے تعلق رکھنے والی ہے مزید برآں یہ کہ اس نظام سے نسل ونسب کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں، من و تو کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور امیر وغریب کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

دوسری طرف خوبی یہ ہے کہ ایک امام کی پیروی اس نظام کی روح ہے، لشکر اور فوج کو کمانڈر اور امیر کی اطاعت کی تعلیم دی جاتی ہے، ایک بگل پر اکٹھا ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، اس شعبہ پر لاکھوں کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں، مگر پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ پورا نظم وضبط باقی رہ سکے گا، لیکن نظامِ مساجد میں امام کی پیروی کا یہ حال ہے کہ اس سے اس کو کوئی مفر نہیں، دس سال کی عمر سے لے کر موت تک اس کی مشق ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ کسی دن ناغہ کا نام ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اجتماع کی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے تو ایسے کلمات سے جو جاہ وجلال سے بھرپور ہوتے ہیں جن میں عقیدہ کی تازگی، خالق کی بڑائی اور فلاح اور کامیابی کی یقین دہانی ہوتی ہے۔

اجتماعی نظام کا عملی تعطل

ہاں افسوس اس کا ہے کہ ہم نے اس نظام پر عمل ترک کر دیا ہے، جو اس کے فائدے تھے اس سے ہم محروم ہیں، عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کی تاریخ دیکھئے اس نظام کو کس قدر قبولیت حاصل تھی اور وہ کتنے بامراد اور کامیاب تھے، خلافت راشدہ تک آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ بہت ساری باتیں انہی مساجد کے ذریعہ طے پاتی تھیں، خلیفہ کی پالیسی کا اعلان ان کے منبروں سے ہوتا تھا، گورنروں کے فرائض میں امامت بھی داخل تھی، یہ منصبی فرض گورنروں کا عہدِ عباسیہ تک رہا ہے، جمعہ اور عیدین کی امامت بھی یہی کرتے تھے، خلفاء راشدین نے براہِ راست امامت کی اور فاروقِ اعظمؓ نے تو اسی منصب کی ادائگی میں جامِ شہادت نوش فرمایا، اپنے تو اپنے اغیار نے ہمارے خلفاء راشدین کے اس منصب کو سراہا ہے، اور نظاموں پر اسلام کے اس نظام کو ترجیح دی ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسجد کے منبر کو دستوری حکومت کے تخت کی حیثیت حاصل تھی

جہاں سے جمہوری حکومت کی پالیسی کا اعلان ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کرینگے۔

قدرتی نظامِ اجتماع

اب ذرا تفصیلی طور پر اس قدرتی حسنِ انتظام کی حکمتوں میں غور و فکر کرنا ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے نظامِ مساجد میں مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی دینی و دنیوی فلاح و نجاح کو کس عمدگی کے ساتھ جمع فرما دیا ہے۔

اجتماع کے مرکزی گھر

اس میں تو شبہ نہیں کہ مسجدوں کا قدرتی نظام ہی اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انتشار و تشتت اور نفاق و شقاق کا قلع قمع کر دیا جائے اور بکھرے موتیوں کو ایک سلکِ گہر میں پرو کر اللہ تعالےٰ کے مقدس دربار میں ایک صف اور ایک جماعت کے اندر بغل گیر کر دیا جائے اور پوری نیازمندانہ شان سے کھڑا کر کے دن رات کے پانچ وقتوں میں ان کی زبان سے یہ دعا بار بار دہرائی جائے۔

"اے وہ ذات! کہ سب تعریفیں تجھ ہی کو زیبا ہیں ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان برگزیدہ بندوں کا راستہ جن پر تو نے انعام و اکرام فرمائے ان ملعون انسانوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہے اور نہ اُن کا راستہ جو راہِ راست سے بھٹک کر گمراہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نماز کا درجہ توحید کے بعد ہی رکھا گیا ہے اور اسلام کی بنیادی چیزوں میں اس کو خاص اہمیت دی گئی ہے پھر توحید کی جھلک جماعت کی نماز میں قائم رکھ کر مسجدوں کا نظام قائم کیا اور ان کے ذریعہ عبادت کی روح اور اطاعت کی جان کو اُجاگر کیا۔

مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت قرآن سے

قرآنِ پاک اور احادیثِ نبوی کے الفاظ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ نمازوں کی ادائگی باجماعت مسجدوں ہی میں مطلوب ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ان مسجدوں کو مرکزی گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

مندرجہ ذیل آیتوں اور حدیثوں میں غور فرمائیں، ارشادِ باری تعالےٰ ہے

Marfat.com

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (اعراف-۳)

اور سیدھا کرو اپنے چہروں کو ہر مسجد کے پاس اور اللہ تعالےٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص رہے۔

اس آیت کے تحت "صاحب تفسیرات احمدی" تحریر فرماتے ہیں۔

ففی الآیۃ دلیل علی فرضیۃ القیام فی الصلوٰۃ واداءھا فی المسجد وعدم اختصاص بمسجد ھا

اس آیت سے نماز میں قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ مسجد میں ادا کی جائے" ہاں وہ کسی خاص مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

ابوبکر جصّاص لکھتے ہیں:۔

والثانی فعل الصلوٰۃ فی المسجد و ذالك یدل علی وجوب فعل المکتوبات جماعۃ لان المساجد بنیت للجماعات (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸)

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے جس سے پتہ چلا کہ فرض نماز با جماعت واجب ہے کیونکہ مسجدیں قیام جماعت کے لئے بنائی گئی ہیں۔

ان سے نمایاں طور پر ثابت ہوا کہ فرض نماز با جماعت مسجد میں ہونی چاہیئے، کیونکہ تعمیر مساجد کا مقصد یہی ہے، دوسری آیت لب ولہجہ کو سامنے رکھتے ہوئے ملاحظہ ہو۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ۔ (نور-۵)

ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان (مسجدوں) میں صبح وشام ایسے لوگ (نمازوں میں) اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت

Marfat.com

اس آیت کا طرز بیان بھی بتلاتا ہے کہ مسجدوں کا یہ واجبی حق ہے کہ اللہ کی دوسری عبادت اور نماز انہی میں ادا کی جائے کیونکہ بیوت سے مراد مسجد ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ جونہی فرض نماز کے لئے اذان پکاری گئی بازار والوں کی ایک جماعت سب چھوڑ چھاڑ مسجد چل کھڑی ہوئی، یہ منظر دیکھ کر آپ نے بے ساختہ فرمایا انہی لوگوں کے متعلق کتاب مقدس کا اعلان ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔ الخ[1]

احادیث سے ثبوت اس باب میں حدیثیں بکثرت آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں مسجدوں ہی میں ادا کی جائیں، مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں جس کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ ہیں

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدی وان من سنن الھدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ وان کنتم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (ج ۱ ص ۲۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدیٰ کی تعلیم فرمائی اور سنن ہدیٰ سے ہی یہ ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو، اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ یہ منافق اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں تو بلاشبہ تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کردی اور جس وقت تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کردی یقین کرو گمراہ ہو چلے ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلوتہ فی بیتہ وسوقہ خمسا وعشرین ضعفا وذالک انہ اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد (بخاری باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

مرد کی جماعت کی نماز اس کی اس نماز سے جو اپنے گھر یا بازار میں پڑھے پچیس گنا زیادہ ہے اور یہ اس لئے کہ جب اچھا وضو کیا اور پھر مسجد کو چلا

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۵

ثم خرج الی المسجد کا جملہ واضح دلیل ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے چنانچہ اس سلسلہ میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

مقتضاہ ان الصلوٰۃ فی المسجد جماعۃ تزید علی الصلوٰۃ فی البیت والسوق جماعۃ وفرادی (فتح الباری ج ۲ ص۹۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت کی نماز جو مسجد میں پڑھی جائے وہ ثواب میں اس نماز سے بڑھی ہوئی ہے جو گھر اور بازار میں پڑھی جائے خواہ باجماعت ہو خواہ تنہا تنہا۔

پھر مزید بحث کے بعد خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:۔

بل الظاھر ان التضعیف المذکور مختص بالجماعۃ فی المسجد۔ (فتح الباری ج ۲ ص۹۳)

بلکہ ظاہر بات یہ ہے کہ چند در چند ثواب کی زیادتی جو مذکور ہوئی وہ مسجد کی باجماعت نماز کے ساتھ مختص ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ باجماعت نماز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

وکان الاسود اذا فاتتہ الجماعۃ ذھب الی مسجد اٰخر وجاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ (بخاری)

حضرت اسود کی جب جماعت چھوٹ جاتی تھی تو جماعت کے لئے دوسری مسجد میں تشریف لے جاتے اور حضرت انسؓ ایک مسجد میں آئے جہاں جماعت ہو چکی تھی تو آپ نے پھر اذان پکاری، اقامت کہی اور باجماعت نماز ادا کی۔

ان تعلیقات سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز کو مسجد کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے تب تو حضرت اسود رضی اللہ عنہ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوسری مسجد کا قصد فرماتے اور وہاں جماعت سے نماز ادا کرنے کی سعی کرتے۔ گھر وغیرہ میں جماعت ثانیہ کا خیال تک نہ کرتے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے تحت رقمطراز ہیں:۔

والذی یظھر لی ان البخاری قصد

مجھ پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ بخاریؒ نے حضرت

الاشارۃ باثر الاسودؓ والنسؓ الی ان الفضل الوارد فی احادیث الباب مقصود علی من جمع فی المسجد دون من جمع فی بیتہ لان الجمع لو لم یکن مختصا بالمسجد لجمع الاسود فی مکانہ ولم ینتقل الی مسجد اخر لطلب الجماعۃ ولما جاء النسؓ الی مسجد ابن رفاعۃ۔

اسود اور انسؓ کے اثر کو بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے کہ جو فضیلت اور ثواب کی زیادتی اس باب کی حدیثوں میں مذکور ہے وہ اس باجماعت نماز کے لئے متعین ہے جو مسجد میں پڑھی جائے گھر کی جماعت کے لئے نہیں۔ اگر جماعت کی نماز مسجد کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو یقیناً حضرت اسودؓ اپنے مکان میں جماعت کرتے اور طلب جماعت کے لئے دوسری مسجد نہ جاتے اور نہ حضرت انسؓ ابن رفاعہ کی مسجد میں تشریف لاتے۔

ان تصریحات کے بعد یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے اور مسجد کو اس باب میں خصوصیت حاصل ہے گھر میں باجماعت نماز مسجد چھوڑ کر پڑھی نہیں جا سکتی یہی حافظ ابن حجرؒ کی ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

والمقصود الاصلی فی الجماعۃ ایقاعھا فی المسجد (فتح الباری)

جماعت کا مقصد اصلی یہ ہے کہ وہ مسجد میں قائم کی جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

در بدائع گفتہ کہ واجب است بر حر، عاقل بالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۴۶)

بدائع میں ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ جو معذور نہیں ہے اس پر جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ تو تصریح فرماتے ہیں کہ عذر شرعی کے نہ ہونے کی شکل میں جماعت کی نماز کے لئے مسجد کی حاضری فرض عین ہے البتہ جب کوئی عذر شرعی درپیش آجائے تو مسجد کی حاضری لازمی نہیں رہتی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

Marfat.com

ومن تامل السنة حق التامل — جن لوگوں نے سنت میں پورے طور پر غور و فکر
تبین له ان فعلها فی المساجد — کیا ہوگا ان پر یہ بات منکشف ہوگئی ہوگی کہ نماز
فرض علی الاعیان الا لعارض — باجماعت کی ادائیگی مسجد میں فرض عین ہے البتہ اگر
یجوز معه ترك الجمعة والجماعة — کوئی ایسا عارض درپیش آجائے کہ جمعہ اور جماعت کا
فترك حضور المسجد لغیر — ترک جائز ہو جائے تو دوسری بات ہے ورنہ بغیر
عذر کترك اصل الجماعة — عذر شرعی مسجد کی حاضری کا ترک ایسا ہی ہے
لغیر عذر (کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۶) — کہ کوئی بغیر عذر شرعی اصل جماعت چھوڑ دے۔

ان کی یہ رائے متعدد حدیثوں کے اسلوب بیان کے پیش نظر ہے، اگر ان کے حنبلی ہونے کی وجہ سے فرض عین ہونے کو نہ بھی مانئے تو اس کے وجوب اور اہم ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی بھر نباہا اور مسجد حاضر نہ ہونے والوں پر شدید ترین غصہ کا اظہار فرمایا۔ آپ کے صحابۂ کرام کا عمل بھی یہی رہا۔ جس کی تفصیل ابھی آرہی ہے۔

افضل الرسل کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حافظ ابن قیمؒ جیسے ذمہ دار کا بیان ہے:۔

ان هدیه کان فعل الفرائض — رحمت عالم صلعم کا دستور یہ تھا کہ آپ فرض نمازیں
فی المسجد الا لعارض من سفر — مسجد میں ادا کرتے مگر یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجاتی
او مرض او غیره مما یمنعه من — جو مسجد سے روک دیتی جیسے سفر اور بیماری وغیرہ
المسجد (زاد المعاد ج ۱ ص۵۱) — (جس میں بالکل طاقت نہیں رہتی)

قیامت کے دن "دیدار الٰہی" جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے لئے جب اجتماع ہوگا تو ان میں ان لوگوں کو جو بہ پابندی مسجد جاکر امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ممتاز جگہ حاصل ہوگی۔[1]

[1] زاد المعاد۔ ج۔ ۱ ص۱۳۔

Marfat.com

ایک صحابی کا وعظ جیسا کہ عرض کیا گیا صحابۂ کرام کا جوشِ عمل جماعت کے باب میں جو تھا وہ اپنی جگہ تفصیل سے انشاء اللہ آئے گا مگر یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے عہدِ نبوی میں حاضریِ مسجد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ اس کو کس قدر اہمیت حاصل تھی حضرت عتاب بن اُسید رضؓ مکہ کے گورنر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جب مکہ پہنچی تو یہ پہلے مارے خوف کے چھپ گئے۔ اس وقت حضرت سہیل بن عمرو نے خطبہ دیا، ان کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ اہلِ مکہ اسلام پر علیٰ حالہ قائم ہیں تو حضرت عتاب رضؓ کو نکالا اور انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

یا اھل مکۃ واللہ لا یبلغنی ان احدا	اے اہلِ مکہ بخدا کی قسم اگر مجھے یہ خبر پہنچی کہ تم میں کا
منکم تخلف عن الصلاۃ فی	کوئی قصداً جماعت کی نماز کے لئے
المسجد فی الجماعۃ الاضربت	مسجد نہیں آیا تو میں اُس کی
عنقہ۔ (کتاب الصلاۃ ابن القیم)	گردن مار دونگا۔

یہ سُن کر اہلِ مکہ ان کے بہت ممنون ہوئے اور ان کی اس تقریر کو بہت سراہا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دوربین نگاہ میں مسجد کی حاضری کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

نماز مسجد میں ادا کرنا شعار دین ہے اس سلسلہ میں اب زیادہ طول دینا مناسب نہ ہوگا مگر یہ ذکر فائدے سے خالی نہیں کہ علماء نے انہی وجوہ کی بناء پر مسجد کے اندر جماعت کی نماز کو شعارِ دین قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کے الفاظ ہیں۔

فان الصلوٰۃ فی المسجد من اکبر	بلاشبہ مسجد میں جمع ہوکر نماز ادا کرنا دین کا
شعائر الدین وعلاماتہ (کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۵)	ایک بڑا شعار اور اس کی علامت ہے

نظم جماعت اور اس کی اہمیت مسجد کے اندر نماز باجماعت کی جو حیثیت ہے اور مسجد کو نماز سے جو گہرا تعلق ہے اس کے ثابت ہوجانے کے بعد بتلانا ہے کہ جماعت کی نماز کو شریعت میں

Marfat.com

کیا خصوصیت و مرکزیت حاصل ہے اور اس کی تاکید قرآن و حدیث میں کس اہمیت کے ساتھ آئی ہے۔

قرآن میں حکم اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

(۱) وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (بقرہ) اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔

اس آیت سے مفسرین نے جماعت کی نماز ثابت کی ہے، بیضاوی شریف میں ہے۔

وارکعوا مع الراکعین ای فی جماعتہم فان الصلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ لما فیہا من تظاھر النفوس (ج ۱ ص ۷۱)

اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ یعنی ان کی جماعت کے ساتھ، کیونکہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں باہمی تعاون ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وثانیہا ان المراد صلوا مع المصلین وعلیٰ ھذا یزول التکرار لان فی الاوّل امر تعالیٰ باقامتہا وامر فی الثانی بفعلہا فی الجماعۃ (تفسیر کبیر ج ۱، ص ۲۲۵)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز، نماز پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھو، اس مطلب کے لینے میں تکرار بھی ختم ہو جائیگی گویا پہلی آیت میں اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا اور دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ نے نماز باجماعت کا حکم فرمایا۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ رکوع سے مراد یہاں نماز کا لینا جائز ہے جس طرح سجود کا استعمال نماز کے لئے ہوتا ہے اور معنی یہ ہونگے کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو، پھر ماحصل لکھتے ہیں:۔

کانہ قیل واقیموا الصلوٰۃ وصلوھا مع المصلین لا منفردین (کشاف ج ۱ ص ۵۵)

گویا یہ حکم دیا گیا کہ نماز قائم کرو اور اسے با جماعت ادا کرو۔ اکیلے اکیلے نہ پڑھو۔

اس آیت سے جماعت ہی کی نماز اس لئے مراد ہے کہ اس سے پہلے بالکل متصل "اقیموا الصلوٰۃ" کی آیت آچکی ہے جس میں اقامت نماز کا حکم ہے جس کی طرف امام رازی نے اشارہ بھی

کیا ہے۔ اگر رکوع کے کئی معنیٰ نہ ہوتے تو جماعت کی فرضیت کا ثبوت ہوتا، مگر چونکہ متعدد معنی ہیں اس لئے وجوب یا کم از کم سنت موکدہ کا ثبوت تو بہر حال ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

خلاصہ یہ ہے کہ پنج وقتہ جماعت ہر ہر فرد پر سنت موکدہ ہے جو بغیر عذر شرعی جیسے بیماری، سفر، بارش، آندھی اور طوفان کے ترک نہیں کی جاسکتی ہے۔ اور تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اگر کل کے کل جماعت کے ترک پر اصرار کریں گے تو سب گنہگار رہوں گے کیونکہ یہ سنت شعار دین ہے[1]"

(۲) وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ۔ (نساء۔ ۱۵)

اور آپ جب ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو چاہیئے کہ ایک گروہ ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار وہ لوگ لے لیویں۔

اس آیت کے سلسلہ میں صاحب التعلیق الصبیح لکھتے ہیں :۔

امرھم بالجماعۃ یدل علی وجوبھا حال الامن بالاولیٰ (ج ۲ ص ۳۴)

اللہ تعالیٰ کا حالت خوف میں جماعت کا حکم دینا دلیل ہے کہ حالت امن میں جماعت بدرجہ اولےٰ واجب ہوگی

تفسیر ابن کثیر میں ہے :۔

وما احسن ما استدل بہ من ذھب الی وجوب الجماعۃ من ھذہ الاٰیۃ الکریمۃ (ج ۱ ص ۵۴۷)

اس آیۃ کریمہ سے جو لوگ جماعت کے وجوب کی طرف گئے ہیں ان کا استدلال بہت ہی خوب ہے

(۳) وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (یٰس۔ ۱۰)

اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے قدم کے نشانوں کو بھی۔

[1] تفسیر عزیزی فارسی سورۂ بقرہ ص ۱۳۱

Marfat.com

ای آثار اقدامھم الی المساجد (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۶) — یعنی ان کے قدموں کے وہ نشان جو مسجد جانے میں ہوتے ہیں۔

علماء نے ان کے علاوہ اور آیتوں سے جماعت کا وجوب ثابت کیا ہے، مگر میں نے انہی تین آیتوں پر اکتفا کیا کہ یہ مطلب کے حصول کے لئے کافی و وافی ہے۔

احادیث میں شدید تاکید

اس باب میں احادیث بکثرت آئی ہیں، جن سے جماعت کا لزوم، اس کی فضیلت اور تاکید نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

اِنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لقد ھممت ان آمر بحطب یحطب ثم آمر بالصلوٰۃ فیوذن لھا ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی الرجال فاحرق علیھم بیوتھم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدھم انہ یجد عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشھد العشاء۔ (بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جی چاہتا ہے کہ لکڑیوں کے ڈھیر کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لئے اذان پکار دی جائے اس کے بعد کسی کو لوگوں کا امام بنادوں پھر لوگوں کو چل کر دیکھوں اور جو اس وقت گھروں میں مل جائیں ان کو جلا ڈالوں۔ خدا کی قسم ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ موٹی ہڈی یا دو کُھر ہی مل جائیں گے تو پھر وہ ضرور عشا میں بھی حاضر ہوں گے۔

اس حدیث میں "الرجال" سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بے نمازی ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مسجد چھوڑ کر بغیر عذر شرعی اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد کی مندرجہ ذیل حدیث میں وضاحت ہے۔

لقد ھممت ان آمر فتیتی فیجمعوا الی حزما من الحطب ثم آتی قوما	بلاشبہ جی چاہتا ہے کہ جوانوں کو حکم دوں کہ وہ میرے پاس لکڑیاں ڈھیر لگادیں پھر میں ان

یصلون فی بیوتھم لیست	میں جاؤں جو اپنے گھروں میں بلا
بھم علۃ فاحرقھا علیھم	عذر نماز پڑھتے ہیں اور ان کو
(باب التشدید فی ترک الجماعۃ)	گھر سمیت پھونک ڈالوں۔

ان حدیثوں کے ضمن میں امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں:۔

فلولا ان تخلفھم عن الصلوٰۃ	اگر مسجد میں جماعت کی نماز سے غیر حاضری
فی المسجد معصیۃ کبیرۃ عظیمۃ لما	گناہ کبیرہ نہ ہوتی تو آنحضرت
ھدد ھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں کو
بحرق منازلھم (کتاب الصلوٰۃ امام احمد ص ۲۱)	جلانے کی تہدید (دھمکی) نہ فرماتے۔

پہلی حدیث میں "لشھد العشاء" کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہ تاکید اور ساتھ ہی تہدید وقتی نمازوں کے لئے بھی ہے۔ صرف یہ جمعہ کی نماز کی تاکید کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔

مسلم شریف میں ایک لمبی حدیث ہے جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ	بلاشبہ ہمیں معلوم ہے، کہ بجز کھلے ہوئے منافق یا
الا منافق قد علم نفاقہ او مریض	بالکل نڈھال بیمار کے اور کوئی جماعت کی نماز سے
ان کان المریض یمشی بین رجلین	نہیں پچھڑتا ہے بلکہ جو بیمار بھی ہیں وہ بھی دو شخصوں کے
حتی یاتی الصلوٰۃ وقال ان رسول	سہارے چل کر نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور آنحضرت نے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن	یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن
الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ	ہدیٰ کی ہمیں تعلیم فرمائی اور بیشک اس مسجد میں
الصلوٰۃ فی المسجد الذی یوذن	نماز پڑھنا جس میں اذان دی جائے سنن ہدیٰ میں سے ہے
فیہ وفی روایۃ قال من سرہ ان	ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس کو
یلقی اللہ تعالیٰ غدا مسلما فلیحافظ	بات خوش لگتی ہے کہ وہ کل (بعد موت) اللہ

علیٰ هؤلاء الصلوات حیث ینادی بهن فان الله شرع لنبیکم سنن الهدیٰ وانهن سنن من الهدی وان کنتم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم وما من رجل یتطهر فیحسن الطهور ثم یعمد الی المسجد من هذه المساجد الا کتب الله له بکل خطوة یخطوها حسنة و یرفعه بها درجة ویحط عنه بها سیئة ولقد رایتنا وما یتخلف عنها الا المنافق معلوم النفاق و لقد کان الرجل یوتیٰ به یهادی بین الرجلین حتی یقام فی الصف۔ (ج ۱ ص ۲۳۲)

تعالےٰ سے حالت اسلام پر ملے تو اس کو چاہئے کہ تمام نمازوں کے لئے جونہی اذان پکاری جائے مسجد میں حاضری دے۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کے لئے سنن ہدیٰ کو مشروع فرمایا ہے اور انہی سے نمازیں ہیں اور اگر (کہیں) تم نے بھی منافق کی طرح گھروں میں ہی نماز پڑھ لی تو بالیقین تم نے اپنے نبی صلعم کی سنت ترک کردی، اور اگر تم نے (خدانخواستہ) ترک سنت کو عادت بنالیا تو پھر تمہاری گمراہی میں کوئی شبہ نہیں، جو بھی خوب پاک وصاف ہو کر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے لئے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے، اور ایک گناہ مٹاتا ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ بغیر عذر شرعی بجز منافق اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں کتراتا کیونکہ مرد مومن جو دو سروں کے سہارے بھی آسکتا ہے تو بھی آتا ہے اور صف میں مل کر نماز پڑھتا ہے

ان حدیثوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جماعت کی نماز کی بہت سخت تاکیدیں آئی ہیں اس راہ میں مشقت و دقت کی پرواہ نہ کرنا چاہئے، تا آنکہ بیمار وغیرہ جیسے معذورین کے لئے مسجد پہنچنا ممکن ہو تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ مسجد ہی آئے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ تارک جماعت کو جلا کر مار ڈالتے اگر آپ کو عورتوں اور چھوٹے بچوں کا خیال نہ ہوتا۔[1]

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ۔

Marfat.com

جو لوگ اذان سنتے ہیں پھر بھی جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضری نہیں دیتے ان کے متعلق تہدیداً یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی مگر اس وقت جب اس کو کوئی عذر درپیش نہ ہو۔[1]

نظمِ جماعت میدانِ کارزار میں

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام بجان و دل جماعت کی نماز پر فدا تھے، جان سے بڑھ کر پیاری اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے، میدانِ کارزار گرم ہے اور گردنیں کٹ کٹ کر گر رہی ہیں مگر اس وقت بھی اس دینی شیرازہ بندی کے توڑنے کی اجازت نہیں ملتی ہے بلکہ وہاں بھی سب حتی الوسع ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ممکن حد تک نباہنے کی سعی کرتے ہیں۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضؓ اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا۔ اس میں دشمنوں کی ہم سے مڈبھیڑ ہو گئی، چنانچہ ہم میدان میں نکل پڑے، نماز کا وقت آیا تو ہم دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا اور دوسرا دشمنوں کے مقابل ڈٹا رہا، پہلا گروہ جب آپ کے ساتھ ایک رکعت نماز پوری کر چکا تو یہ دشمنوں کے مقابلہ میں آگیا اور دوسرے گروہ نے آپ کے ساتھ آکر ایک رکعت نماز پڑھی، آپ نے اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر لیا اور اس کے بعد ہر ایک نے اپنی اپنی بقیہ ایک رکعت پوری کی۔[2]

مشرکینِ عرب کو یقین تھا کہ ان جاں نثارانِ اسلام کو نماز اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان سے زیادہ پیاری ہے اس لئے وہ قصداً اوقاتِ نماز میں سخت سے سخت حملہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضجنان و عسفان کے درمیان نزولِ اجلال فرمایا یہ دیکھ کر

---

[1] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۲۴۵ عن ابی داؤد۔ [2] بخاری ابواب صلوٰۃ الخوف

مشرکین کہنے لگے ان لوگوں کو ایک ایسی نماز درپیش ہے جو ان کو ساری دنیا اور بال بچوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جس کا نام عصر ہے لہٰذا تم متفق ہو کر یکبارگی پوری قوت سے اُن پر ٹوٹ پڑو۔ اُدھر مشرکین میں یہ مشورہ ہو رہا تھا اِدھر جبریل امین نے آکر آں حضرت صلعم کو بتایا کہ اپنے ساتھیوں کو دو حصّوں میں بانٹ دیجئے اور ہر ایک کو ایک ایک رکعت نماز اس طرح پڑھائیے کہ دوسرا حصّہ مسلح ہو کر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہے اس طرح ان کی ایک ایک رکعت ہو گی اور آپ کی دو رکعتیں[1]

میدانِ جہاد و قتال میں بھی شریعت نے جماعت ٹوٹنے نہیں دی اور اس نازک موقع پر خود اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی رہنمائی فرمائی اور حکمت عملی بتا کر شکستِ جماعت سے بچا لیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ پروردگار عالم کو جماعت کی نماز محبوب ہے۔

نظم جماعت پر اجماع صحابہ جماعت کی نماز کی اسی عظمتِ شان کے پیشِ نظر حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے تھے کہ آدم کے بیٹوں کے کان کا پگھلائے ہوئے سیسہ سے بھر جانا بہتر ہے کہ وہ اذان سنیں اور جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں نہ آئیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مؤذن کی آواز سنتے ہیں اور عذر شرعی نہ ہوتے ہوئے بھی جماعت کے لئے نہیں نکلتے، ان کی نماز، نماز ہی نہیں ہے، حضرت علی رضؓ کا بھی یہی کہنا ہے[2]

حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے ایک شخص نے پوچھا، اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو تہجد و نوافل پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، آپ نے جواب دیا "ھُوَ فِی النَّار" وہ دوزخی ہے پھر دوسرے دن اس نے آکر یہی سوال کیا، راوی کا بیان ہے تقریباً ایک مہینہ برابر اُس نے ایسا ہی کیا مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ وہ دوزخی ہے[3]

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں جس نے اذان سُنی اور پھر بھی اس کو قبول نہیں کیا

---

[1] مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف ج ۱ ص ۱۲۵۔ [2] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم فصل سادس ص ۹۹۔ [3] ایضاً

Marfat.com

حالانکہ اس کو کوئی عذرِ شرعی بھی نہ تھا تو ایسے شخص کو خیر نصیب نہیں اور نہ اس کا اس میں کوئی جذبہ معلوم ہوتا ہے[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول پہلے گزر چکا ہے کہ جماعت کی نماز میں وہی شخص نہیں آتا جو کھلا ہوا منافق ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے اقوال جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آئے ہیں وہ درجۂ صحت و شہرت کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کی مخالفت میں کسی صحابی سے کوئی بات کبھی نہیں آئی ہے کہ تذبذب کی گنجائش نکل سکے، پس ان تمام امور کے مدِ نظر ماننا پڑتا ہے کہ جماعت کی نماز پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے[2]

نظم جماعت فقہاء امت کی نظر میں

اصولیین فقہ اپنی کتابوں میں جماعت کی نماز کو "ادائے کامل" اور منفرد کی نماز کو "ادائے قاصر" سے تعبیر فرماتے ہیں "کامل" سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس طریقہ پر نماز مشروع ہوئی ہو اسی طریقہ سے ادا کی جائے اور "قاصر" وہ ہے جو طریقۂ مشروعہ کے خلاف طریقہ پر ادا کی جائے ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت جبریل امینؑ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل عملی تعلیم باجماعت دی تھی جیسا کہ ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ مُصرّح ہے[3]

فقہائے امت میں محققین جماعت کی نماز کو واجب کہتے ہیں چنانچہ ابن الہمام نے بدائع سے وجوب کا قول اپنی تائید کے ساتھ نقل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو لفظ "سنت" سے تعبیر کیا ہے اس کی وجہ بیان کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

یجب علی العقلاء البالغین الاحرار	جو عاقل، بالغ آزاد اور بغیر عذرِ شرعی جماعت
القادرین علی الجماعۃ من غیر	کی نماز پر قادر ہو اس پر جماعت واجب ہے اور
حرج واذا فاتتہ لا یجب علیہ	اگر سعی کے باوجود کسی کی جماعت چھوٹ جائے
الطلب فی المساجد بلا خلاف	تو باتفاق ہمارے یہاں ایسے شخص پر واجب
بین اصحابنا بل ان اتی مسجدًا	نہیں ہے کہ وہ مسجدوں میں جماعت تلاش

[1] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم فصل سادس ص ۹۹ [2] ایضاً [3] نور الانوار مع قمر الاقمار بحث کامل و قاصر ص ۳۲

اخو الجماعۃ یحسن وان صلی
فی مسجد حیہ منفردا فحسن
(فتح القدیر ص۱۳۹ ج ۱)

کرتا پھرے، ہاں اگر ایسا کرے تو مستحسن ضرور ہے
اور اگر اپنے محلہ کی مسجد ہی میں اکیلا نماز ادا کرے
تو ایسی حالت میں یہ بھی درست ہے۔

اس سے بھی جماعت کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے بلاشبہ اگر اپنی مسجد میں غیر ارادی طور پر جماعت نہ مل سکے تو دوسری مسجدوں میں جماعت کی تلاش واجب نہیں ہے مگر مستحسن ضرور ہے۔ یوں تو اس کو اختیار ہے کہ اپنی ہی مسجد میں تنہا نماز پڑھ لے یا گھر میں یا مسجد سے باہر کسی اور جگہ میں اپنے گھر والوں کو جمع کر کے جماعت کے ثواب کے حصول کی کوشش کرے۔ چنانچہ ابن الہمام لکھتے ہیں:۔

وکذلک فی القدوری یجمع باھلہ
ویصلی بھم یعنی ینال ثواب
الجماعۃ وقال شمس الائمۃ
الاولیٰ فی زماننا تتبعھا (فتح القدیر ص۱۳۹ ج۱)

اسی طرح قدوری میں ہے کہ اپنے گھر والوں کو جمع
کر کے جماعت سے پڑھ لیا تو بھی جماعت کا ثواب مل
جائے گا مگر شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے
زمانہ میں جماعت تلاش کرنا اولیٰ ہے۔

جماعت جب واجب ہے تو پھر فقہا اور محدثین نے اسے "سنت" کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا؟ اس کے متعلق ابن الہمام لکھتے ہیں:۔

انھا واجبۃ وتسمیتھا سنۃ
لوجوبھا بالسنۃ (فتح القدیر ص۱۳۹ ج۱)

بلاشبہ ہے تو جماعت واجب مگر "سنت" اس لئے کہا
گیا ہے کہ جماعت کا وجوب سنت (حدیث) سے ہے

حدیث میں جماعت کے متعلق جہاں سنت کا لفظ آیا ہے اس کے متعلق شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

مگر اینجا طریقہ مسلوک کہ در دین مراد دارند
باآنکہ ثبوت وجوب از سنت است۔
(اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص۲۲۹)

"سنن ہدیٰ" کی مراد یہاں دین کا چلا ہوا راستہ
ہے یا یہ مراد ہے کہ جماعت کا وجوب
سنت سے ثابت ہے۔

ابن الہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی بغیر عذر شرعی بجائے مسجد گھر میں باجماعت نماز ادا کرے تو اس شخص کا ایسا کرنا بدعت ہے خواہ یہ فعل اس کا گاہے گاہے کیوں نہ ہو[1]۔ بشرطیکہ اس کے قصد و ارادہ کو دخل ہو۔

شکست جماعت کی سزا اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کی نماز محققین کے یہاں کم از کم وجوب کا درجہ رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص بغیر عذر شرعی جماعت کی نماز کا تارک ہو اور وہ اس کا تقریباً عادی ہو چکا ہو تو شرعاً اس کی گواہی مردود قرار دیدی جائے گی اور اس کو پیٹا جائے گا پھر قید میں ڈال دیا جائے گا اور اس کے پڑوسیوں پر حق ہے کہ ایسے شخص کو سمجھائیں بجھائیں اور جماعت سے غیر حاضر ہونے پر سکوت نہ کریں ورنہ وہ شریعت کی نظر میں گنہگار رہونگے۔

یہ سزا تو اس وقت ہے جب کوئی ایک دو شخص کریں اور اگر خدانخواستہ پوری آبادی جماعت کی نماز چھوڑ دے تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک بڑے شعار دین کو ترک کر رہے ہیں، صاحب "التحریر المختار" کے الفاظ یہ ہیں۔

فلو ان اهل مصر تركوها	اگر تمام اہل شہر جماعت کی نماز ترک کر دیں تو ان
قوتلوا واذا ترك واحد	سے قتال کیا جائے اور جب کوئی ایک فرد
ضرب وحبس كما فى	تارک جماعت ہو تو اس کو پیٹا جائے اور
الخلاصة (ج ۱ ص ۶۶)	قید کر دیا جائے۔ ایسے ہی خلاصہ میں ہے۔

نظم جماعت کا اہتمام عہد نبوی میں فقہاء امت کا تارکین جماعت کے متعلق یہ حکم بے وجہ نہیں، عرض کیا جا چکا ہے کہ ترک جماعت نفاق کی علامت سمجھی گئی ہے، اذان سن کر بھی جو مسجد میں نہ آئے اس کی نماز نماز نہیں کہی جاتی تھی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی مجبوری میں بھی ترک جماعت کی ہمت نہ فرماتے تھے کسی نے اپنے معقول

[1] فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۹۔

عذر سے مجبور ہو کر پوچھا بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل اعمی فقال یا رسول اللہ انہ لیس لی قائد یقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرخص لہ فیصلی فی بیتہ فرخص لہ فلما ولی دعاہ فقال ہل تسمع النداء بالصلوٰۃ قال نعم قال فاجب۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اُس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی راہبر نہیں ملتا جو لیجایا کرے، لہٰذا مجھے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرما دیں، آپ نے اس کو رخصت (اجازت) دے دی جب واپس ہوا تو پھر بلایا اور پوچھا تم اذان سنتے ہو یا نہیں؟ اُس نے کہا۔ جی ہاں سنتا تو ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر قبول کرو اور مسجد آؤ۔
(مسلم باب صلوٰۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۲۳۲)	

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انھوں نے دربارِ رسالت میں درخواست کی کہ میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرا گھر مسجد سے دور ہے اور مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ہے مزید براں یہ کہ شہر میں موذی جانور اور درندے عموماً پھرا کرتے ہیں کیا ان عذروں کے ہوتے ہوئے جماعت سے غیر حاضری کی میرے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ کہ حضرت کے حکم سے میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں۔ یہ سُن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اذان سنتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں حضرت سنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر رخصت کیسے مل سکتی ہے، جماعت کے لئے مسجد ہی آیا کرو۔[۱]

اس قدر مجبوریوں کا سامنا ہے پھر بھی خود سے ان کو اپنے لئے حیلہ بہانہ نہ بنایا، بلکہ خدمتِ رسالت میں عذر پیش کر کے اجازت چاہی اور پھر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] ابوداؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ ۱۲

نے ان عذروں کے رہتے ہوئے جو جواب دیا وہ جماعت کی اہمیت کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ عتبان بن مالکؓ کا واقعہ حدیث[1] کی کتابوں میں مذکور ہے جس میں اس کی صراحت ہے کہ بظاہر اسی طرح کے عذر کی وجہ سے آپ نے ان کو رخصت دیدی تھی اور اب بھی فقہاء اس واقعہ کے پیشِ نظر رخصت کے حق میں ہیں اور جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مذکور نہیں ہے اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا مقصد وہاں یہ تھا کہ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل افضل اور خوب تر ہے اور دوسرے یہ کہ جماعت کی مخصوص فضیلت مسجد ہی سے وابستہ ہے اور ان فیوض و برکات سے پورے طور پر وہی متمتع ہو سکتا ہے جو عزیمت پر عمل پیرا ہو۔[2]

مگر صاحب "التحریر المختار" نے سندی کے حوالہ سے جو جواب نقل کیا ہے وہ نظمِ جماعت کے زیادہ مطابق ہے۔ فرماتے ہیں۔ عتبان بن مالکؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ اپنے گھر کی ایک جگہ میں نماز پڑھیں جس کو انھوں نے مسجد بنایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ مسجد بنانے کے بعد وہ اپنے قبیلہ کی اس میں امامت کرتے ہوں پس ان کو تارکِ جماعت نہیں کہا جائے گا اور نہ یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے مسجد کی حاضری ترک کر دی بلکہ بات یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنی معذوری کی وجہ سے البعد مسجد (دور والی مسجد) کو چھوڑ دیا اور قریب کی مسجد کو اختیار کیا اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے جس طرح محلوں میں مسجد بنالی جاتی ہے اور جامع مسجد چھوڑ دی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ انصار کے ہر قبیلہ کے لئے مسجدیں تھیں، چنانچہ جب وہ لوگ کسی وجہ سے آپ کے ساتھ نماز میں نہ حاضر ہو پاتے تو اسی میں نماز پڑھتے تھے۔[3]

خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کا واقعہ بصیرت کا مرقع ہے۔ آپؐ

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۲۳۳ [2] فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۹ [3] التحریر المختار ج ۱ ص

Marfat.com

بیماری کی شدت سے بالکل نڈھال ہو گئے ہیں، لاغری اور ضعف کا پورا اثر ہے اور غشی پر غشی طاری ہو رہی ہے مگر جب بھی معمولی افاقہ محسوس فرماتے ہیں تو رہ رہ کر یہی سوال کرتے ہیں کہ "جماعت ہو گئی"؟ کہا جاتا ہے۔ نہیں یا رسول اللہ۔ یہ سُن کر جماعت کی نماز کے لئے اُٹھنا چاہتے ہیں کہ پھر غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ یوں ہی چار مرتبہ آپ نے دریافت فرمایا "اصلے الناس" (کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟) اور ہر مرتبہ غشی کا حملہ ہوتا رہا تب جا کر آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرائی کہ آپ امامت کریں[1]۔

اسی مرض الموت میں ایسا بھی ہوا کہ صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے ہیں، آپ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا اور دو شخصوں کے سہارے اس طرح مسجد میں جماعت کے لئے تشریف لائے کہ دونوں بازوئے مبارک دو شخصوں کے کندھوں پر ہیں اور پائے مبارک اپنی نقاہت کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے ہوئے آ رہے ہیں[2]۔

یہ تھی اہمیت مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی، اس ذاتِ مقدس کی نگاہ میں جو معصوم تھی اور اللہ تعالےٰ کے بعد اسی کا درجہ ہے صرف قول ہی سے نہیں، بلکہ عمل سے اپنی اُمت کو تعلیم فرما گئے اور بتا گئے کہ ایک گھر میں ایک مقصد کے لئے سب کا مجتمع ہو کر اللہ تعالےٰ کے آگے پیشانی رگڑنا کس قدر ضروری ہے، صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم۔

عہد صحابہ میں اہتمام جماعت

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قول و فعل دونوں سے دینی شیرازہ بندی اور اجتماعی نظام کی تاکید فرما دی تو پھر آپ کے وہ چاکر جنھوں نے آپ پر اپنی جانیں نثار کیں اور اسی کو اپنی زندگی کا ماحصل اور سرمایہ جانا اور جن پر آپ کی نگاہِ لطف و کرم بھی پڑ چکی تھی کیونکر آپ کی ایک ایک ادا پر جان نہ دیتے، حق یہ ہے کہ شیفتگانِ رسولؐ نے حق ادا کر دیا، آپ جو راہِ حق بتا گئے زندگی کی اخیر سانس تک اس پر عمل پیرا رہنے کی سعی پیہم جاری رکھی اور دین کے ایک ایک مسئلہ پر عمل کر کے ثبت و دوام حاصل کر گئے۔

---

[1] مشکوٰۃ باب ما علی الامام عن البخاری والمسلم۔ [2] بخاری باب حد المریض ان یشہد الجماعۃ ۱۲

Marfat.com

مسجدوں میں جماعت کی نماز اسی اہمیت اور ہیئت کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کی، جو دین کا مطالبہ اور عاشقانِ رسول کا شیوہ تھا، اس وقت استقصاء مقصود نہیں ہے بلکہ چند صحیح واقعات ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت ام درداءؓ کہتی ہیں، ایک دن حضرت ابودرداءؓ غصہ کی حالت میں تشریف لائے۔ میں نے پوچھا کیا بات پیش آئی کہ اس قدر رنجیدہ اور غضبناک ہیں۔ فرمانے لگے خدا کی قسم میں اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بجز اس کے کچھ نہیں پاتا ہوں کہ باجماعت نمازیں پڑھی جائیں اور اب دیکھتا ہوں کہ لوگ اسے بھی ترک کرنے پر اتر آئے ہیں۔[1]

فاروق اعظمؓ جماعت کی نماز کے عاشق تھے اور آخر کار اسی عشق میں جان دی۔ آپ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نہیں پاتے تھے تو اس کے یہاں خود پہنچ کر وجہ دریافت فرماتے، اور عذر معقول نہ پاتے تو اپنی خفگی کا اظہار فرماتے، ایک دن آپ نے کچھ لوگوں کو غیر حاضر پاکر فرمایا کیا بات ہے کہ وہ لوگ جماعت کے لئے مسجد نہیں آتے ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا کرنے لگیں گے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یا تو وہ بہ پابندی مسجد آیا کریں ورنہ میں ان کی طرف ایسے اشخاص کو بھیجونگا جو ان کی گردنیں مار دینگے پھر آپ نے فرمایا جماعت کی نماز کے لئے مسجد آیا کرو۔ یہ اخیر جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔[2]

انہی حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک دن صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حتمہؓ کو نہیں پایا (یہ جماعت میں کسی وجہ سے نہیں پہنچ پائے تھے) آپ کسی کام سے بازار تشریف لے جا رہے تھے، حضرت سلیمانؓ کا گھر راستہ ہی میں پڑتا تھا، چنانچہ آپ ان کی ماں حضرت شفاءؓ کے پاس گئے اور ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ ان کی ماں نے بتایا۔ بات یہ ہوئی کہ سلیمان نے قیام لیل (تہجد) میں رات گزاری، اتفاق کی بات اخیر شب میں نیند کا غلبہ ہوگیا اور بلا قصد و ارادہ سو گئے، یہ سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ میرے نزدیک

---

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ عن البخاری [2] کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا للامام احمد ص۲۱

فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنی اس ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے کہ صبح کی جماعت چھوٹ جائے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بازار والوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی سب سامان اور کاروبار چھوڑ چھاڑ مسجد چل کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو تجارت وغیرہ جیسی پیاری چیز بھی اللہ تعالےٰ کی یاد سے نہیں روکتی)[2]

حضرت عمر بن الخطابؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جماعت کی نماز میں نہ دیکھا، اس کے یہاں تشریف لے گئے اور آواز دی آپ کی آواز سن کر وہ شخص گھر سے نکلے۔ امیر المومنین نے دریافت کیا، نماز میں غیر حاضر کیوں رہے؟ جواب میں کہا۔ حضرت میں بیمار ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہلایا امیر المومنین اگر حضرت کی آواز کان میں نہ پڑتی تو گھر سے نہیں نکلتا۔ یا یہ کہا۔ کہ مسجد تک چلنے کی طاقت نہیں ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا تم نے اس کی پکار پر لبیک نہیں کہا جو سب سے زیادہ ضروری تھی اور میری آواز پر نکل آئے، اللہ کے بندے! اللہ تعالےٰ کی طرف جو پکارنے والا پکارتا ہے اس کی پکار پر جس قدر دھیان ضروری ہے میری پکار پر نہیں[3]۔

انہی حضرت عمرؓ کا کہنا ہے کہ مسجد میں نماز کے اندر اپنے بھائیوں کی تلاش کرو کہ وہ سب جماعت میں شریک ہیں یا نہیں، اگر کسی کو نہ دیکھو، تو دریافت کرو، خدانخواستہ اگر بیماری کی وجہ سے نہ آئے ہوں تو ان کی عیادت کو جاؤ، اور اگر وہ اپنی صحت و تندرستی کے باوجود نہیں آئے ہیں تو عتاب کرو[4]۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الجماعۃ ج ۱ ص ۹۷ [2] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۵ [3] کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا للامام احمدؒ ص ۲۱

[4] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۹

امام غزالی اس واقعہ کے نیچے لکھتے ہیں، جماعت کی نماز میں تساہل مناسب نہیں۔ پہلے لوگ نماز باجماعت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، جو لوگ بغیر عذر شرعی شریک جماعت نہ ہوتے ان کا جنازہ نکالا جاتا تھا جو اشارہ تھا کہ ایسا شخص مردہ ہے اس میں دینی روح نہیں ہے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں، دس برس سے موذن نے کوئی اذان نہیں دی۔ مگر میں مسجد میں موجود رہا ہوں، کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دس برس سے میری جماعت کی نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔[1]

مطر الوراقؒ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شوقِ جماعت کا یہ حال تھا کہ وہ خرید و فروخت میں مشغول ہوتے، ترازو ہاتھ میں ہوتی مگر جونہی اذان کی آواز کان میں پڑتی نماز کو دوڑ پڑتے۔[2]

عمرو بن دینار الاعورؒ کہتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جا رہا تھا، مدینہ منورہ کے بازار میں پہنچا تو دیکھا وہ سب (تاجر) مسجد جا چکے ہیں، سبھوں کے سامان چھپے ہوئے ہیں، کوئی نگراں کی حیثیت سے بھی باقی نہیں ہے، یہ منظر دیکھ کر حضرت سالمؒ کی زبان پر یہ آیت تھی "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ" اور فرما رہے تھے، یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان ہے کہ آپ بازار میں تھے، اتنے میں نماز کے لئے اقامت کہی گئی، بس دیکھا، سبھوں نے دوکانیں بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے یہ منظر دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الخ[4]

سلف صالحین کا جماعت سے عشق

ایک دفعہ میمون بن مہران مسجد پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی یہ سن کر آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، پھر فرمایا جماعت کی نماز مجھ کو

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۹ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۵ [3] ایضاً [4] ایضاً

عراق کی گورنری سے زیادہ محبوب ہے[1]

سلف صالحین جماعت کے جس قدر دلدادہ تھے، اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے اگر کبھی ان کی تکبیر اولیٰ بھی فوت ہو جاتی تھی تو تین تین دن تک اس کا سوگ کرتے اور اگر اتفاق سے جماعت چھوٹ جاتی تب تو سات دن تک غم والم میں مبتلا رہتے[2]

موجودہ دور میں علماء کا اہتمام جماعت

یہ چند واقعات آپ کے سامنے ہیں ان کے پیش نظر بار بار غور کریں اور جماعت کی نماز کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ جی چاہتا تھا کہ ہر دور کی چند مثالیں پیش کر دی جائیں مگر تطویل کے خوف سے نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے صرف موجودہ دور کے چند باخدا بزرگوں کے صحیح واقعات عبرت و بصیرت کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور پھر کسی وجہ سے طائف تشریف لے گئے تو وہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا، کافی شورش پھیلی ہوئی تھی ہر آن گولیاں چلتی رہتی تھیں، ورنہ خطرہ تو بہرحال تھا، اس وقت بھی حضرت پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور جس طرح بن پڑتا مسجد پہنچنے کی کوشش کرتے۔ یہاں سے جب برطانیہ کے اشارہ پر شریف مکہ نے گرفتار کر لیا اور برطانیہ کی نگرانی میں مالٹا روانہ کئے گئے تو تمام راستہ حتی الوسع سنگین کے پہروں میں بھی باجماعت نماز ادا کرنے کی سعی جاری رکھی، گورے چمڑے والے فوجی چاروں طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتے اور حضرت اپنے معتقدین کے ساتھ باجماعت نماز میں مشغول ہوتے۔ مالٹا پہنچے وہاں سردی اپنے شباب پر تھی خیمہ سے سر نکالنا بھی مشکل ہوتا تھا اس زمانہ میں بھی حضرت اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خیمہ میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے[3]

مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی[4] کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جماعت کی نماز کے اس قدر عاشق تھے کہ سفر میں بھی ان کو منفرد بن کر نماز پڑھنا گوارا نہ تھا چنانچہ وہ (غالباً اپنے خرچ

ل احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۱ ۔ ۲ ایضاً ص ۱۱ ۔ ۳ سفر نامہ اسیر مالٹا ص ۱۲۷-۱۲۳ ۔ ۴ روایت مولانا مناظر احسن گیلانی

Marfat.com

سے) دو آدمیوں کو اسی غرض سے ساتھ لے کر چلتے تھے، اور وقت پر ان کے ساتھ مل کر جماعت سے نماز ادا فرماتے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے، جماعت کی نماز پر کیسے جان و دل فدا تھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان اقتباسات سے لگائیے جو مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے "مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت" نامی کتاب میں مرض الموت کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"مارچ ۴۴ء میں ضعف بہت بڑھ چکا تھا، نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے" (ص ۱۴۹)

"اخیر میں جب حالت نازک ہو گئی تو اس وقت بھی مولانا موصوف نے جماعت ترک نہ فرمائی بلکہ ہوتا یہ تھا کہ آپ کی چارپائی صف کے کنارے لگا دی جاتی تھی اور آپ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے" ص ۱۶۸

حضرت مولانا بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ گرھولوی جو ضلع مظفر پور (بہار) میں ایک بڑے باخدا بزرگ گزرے ہیں، آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[1] کہ آپ کو پاؤں کی کوئی ایسی بیماری تھی جس کی وجہ سے چلنے سے بڑی حد تک مجبور رہتے مگر مولانا علیہ الرحمۃ کی شیفتگی جماعت کا یہ حال تھا کہ آپ نے ایک گاڑی بطور رکشا بنوا رکھی تھی جس سے پنج وقتہ مسجد حاضر ہو کر باجماعت نماز پڑھتے تھے۔

مولانا منظور نعمانی اپنے پدر بزرگوار کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"نماز باجماعت کا اہتمام جیسا میں نے اپنے والد ماجد میں دیکھا، ایسا بہت ہی خاص بندگان خدا میں دیکھا گیا ہے اور یہ صرف اپنے ہی حق میں نہ تھا بلکہ ان کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ گھر کا ایک ایک آدمی بلکہ ہر صاحب شعور بچہ بھی جماعت کے وقت مسجد پہنچ

[1] روایت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ دربھنگوی - ۱۲

Marfat.com

چکا ہو نماز کا وقت شروع ہوتے ہی تقاضا فرمانا شروع کر دیتے تھے، پھر جب مسجد کو جاتے تو راستہ کے لوگوں کو یاد دلاتے جاتے، ادھر چند مہینوں سے آنکھوں میں پانی اُتر آیا تھا اور بینائی قریبًا معدوم ہو گئی تھی جس کی وجہ سے خود وقت کا اندازہ نہ فرما سکتے تھے تو ظہر اور عصر میں بہت پہلے سے دریافت فرمانا شروع کر دیتے تھے کہ بتلاؤ دروازہ کے سامنے سایہ کہاں تک گیا۔[1]

میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جب میں مفتاح العلوم میں پڑھتا تھا حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے والد مرحوم کو دیکھا کہ باوجود اپنے مختلف مشاغل اور ضعف و کبر سنی کے ہمیشہ اپنے محلہ کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ خود حضرت مولانا مدظلہ کو جب وہ مطالعہ میں مشغول رہتے کسی لڑکے سے بلواتے تھے۔ اسی طرح مولانا مدظلہ کے بچوں کو صبح تک کی نمازیں اپنے ساتھ مسجد لے جاتے۔

ضلع پورنیہ (بہار) کے مولانا ظفر صاحب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[2] کہ وہ تو خود جماعت کے عاشق تھے ہی ساتھ ہی یہ جذبہ اور جماعت کی ایسی اہمیت تھی کہ وہ عوام کو ترغیبًا یہ مسئلہ بتاتے تھے کہ منفرد کی فرض نماز نماز ہی نہیں ہوتی[3]، بغیر عذر شرعی مسجد کی غیر حاضری پر بہت خفا ہوتے، کوئی ان سے تعویذ لینے آتا تو اس سے باجماعت نماز کے متعلق دستاویز لکھوا کر دیتے تھے۔

> **نظم جماعت کی وجہ اور اس کے فضائل**

اب تک نظم جماعت کی اہمیت ثابت کی گئی، اب یہ بتانا ہے کہ آخر یہ اہتمام جماعت تھا کیوں؟ اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند حدیثیں ذکر کی جائیں گی جس سے اُمید کی جاتی ہے کہ نظم جماعت کے فضائل ذہن نشین ہو جائیں گے۔ شرعی طور پر بھی اور بڑی حد تک عقلی طور پر بھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ارشادِ نبوی ہے:۔

---

[1] الفرقان رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ [2] روایت مولانا لطیف الرحمٰن صاحب درگھنگوی۔

[3] مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ یا زیادہ سے زیادہ واجب ہے ۱۲

Marfat.com

صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف	مرد کی باجماعت نماز اس کی انفرادی نماز سے
علی صلاتہ فی بیتہ و فی سوقہ	ثواب میں پچیس گنا بڑھی ہوئی ہے جو وہ اپنے گھر
خمسا وعشرین ضعفا و ذالک انہ	یا بازار میں پڑھے مگر یہ اس وقت، کہ وہ باقاعدہ وضو
اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج	کرے پھر اخلاص سے مسجد آئے، مسجد آنے
الی المسجد لا یخرجہ الا الصلوٰۃ	میں جو قدم بھی اس کا اٹھے گا ہر قدم کے بدلہ
لم یخط خطوۃً الا رفعت لہ بھا درجۃ	ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا
وحط عنہ بھا خطیئۃ فاذا صلی لم	جب تک وہ اپنے مصلّے پر نماز وغیرہ میں مشغول
تزل الملئکۃ تصلی علیہ مادام فی	رہے گا اس کے لئے متواتر فرشتے دعائے مغفرت
مصلاہ اللھم صل علیہ اللھم ارحمہ	کریں گے کہ اے اللہ اس کو بخش دے اے اللہ
ولا یزال احدکم فی صلاۃ ما انتظر	اس پر رحم فرما اور جب تک کوئی نماز کے انتظار
الصلوٰۃ (بخاری باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ)	میں ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ منفرد کی نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے[1]۔ ان حدیثوں سے یہ بات نمایاں طور پر معلوم ہوئی کہ اکیلے اکیلے جو نماز پڑھی جائے اس میں اور جماعت کی نماز میں بلحاظ اجر و ثواب اور فضیلت بہت تفاوت ہے، پھر جماعتی کا ہر قدم ایک گناہ کو مٹاتا اور ایک درجہ بلند کرتا ہے، مزید براں جب تک وہ مسجد میں ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں۔

الفاظِ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ثواب کی زیادتی میں جگہ اور مکان کو بڑا دخل ہے جو ثواب مسجد کی جماعت کا ہے وہ گھر کی جماعت کا نہیں اور جتنا ثواب گھر کی نماز باجماعت کا ہے بازار کی باجماعت نماز کا نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ منفرد کی نماز بھی ہو جاتی ہے اور اس طرح فرضیت بھی ذمہ سے

---

[1] مسلم باب صلاۃ الجماعۃ والتشدید فی التخلف عنہا ج ۱ ص ۲۳۱

ساقط ہو جاتی ہے مگر ثواب میں ان دونوں (باجماعت اور انفرادی) نماز میں بڑا فرق ہے قلب و جگر پر اثرات کے ترتّب میں ایک کو جو درجہ حاصل ہے وہ دوسری (منفرد کی نماز) کو نہیں، اجتماع کو اس باب میں بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت جس قدر بڑی ہوتی ہے اسی اندازہ سے فضیلت بڑھتی جاتی ہے، حدیث میں ہے۔

ان صلوٰۃ الرجل مع الرجل ازکیٰ من صلوٰتہ وحدہ وصلاتہ مع الرجلین ازکیٰ من صلاتہ مع رجل وما کثر فھو احب الی اللہ

(ابوداؤد باب ماجاء فی فضل الجماعۃ)

مرد کی نماز ایک شخص کے ساتھ اس کی تنہا نماز سے پاکیزہ تر ہے اور اس کی نماز دو شخصوں کے ساتھ ایک شخص کے ساتھ والی نماز سے افضل ہے اور جماعت میں جس قدر زیادتی ہو اللہ تعالےٰ کو وہ اور بھی محبوب ہے۔

نظم جماعت میں ثواب کی زیادتی کی تفصیل

ابھی ابھی جو ایک حدیث میں پچیس اور دوسری میں ستائیس گنا کا جملہ آیا ہے یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی کرید میں لگ جائیں یہ دو کا فرق محض حسن عمل، حسن نیت، سجد کے قرب و بعد، خضوع و خشوع اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی وجہ سے ممکن ہے، یا صرف زیادتی ثواب بتانا ہے۔ عدد تعیین کے لئے نہ ہو اور بھی وجہ نکل سکتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بہت سی شکلیں لکھی ہیں مگر ان میں راجح انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس صورت کو قرار دیا ہے کہ یہ فرق سرّی اور جہری نماز کا ہے کہ سرّی میں دو کم یعنی پچیس گنا اور جہری میں دو زیادہ یعنی ستائیس گنا۔ پھر اس کی تفصیل بیان کر کے اپنے اس قول کو مدلل فرمایا ہے تفصیل اہلِ علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۱) مؤذن کی دعوت جماعت کی نماز کی نیت سے قبول کرنا۔

(۲) اذان سنتے ہی نماز کے لئے جلدی کرنا اور اول وقت میں چلنا۔

(۳) باوقار مسجد کو روانہ ہونا۔

(۴) مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعاء ماثورہ پڑھنا۔

(۵) مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنا۔

(۶) جماعت کا انتظار کرنا (جو نماز پڑھنے کے حکم میں ہے)

(۷) فرشتوں کا جماعت کی نماز پڑھنے والوں کے لئے دعاء رحمت و مغفرت کرنا۔

(۸) ان کے حق میں فرشتوں کی شہادت۔

(۹) تکبیر کے الفاظ کے جواب دینا۔

(۱۰) تکبیر کے وقت شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنا (کیونکہ وہ بھاگ جاتا ہے)

(۱۱) امام کے تحریمہ کے انتظار میں توقف کرنا یا امام کے ساتھ اس کو جس حالت میں پائے مل جانا۔

(۱۲) تکبیر تحریمہ کا پالینا۔

(۱۳) صفوں کو درست کرنا اور اس کی کشادگی کو بند کرنا۔

(۱۴) امام کے "سمع اللہ لمن حمدہ" کے جواب میں "ربنا لک الحمد" کہنا۔

(۱۵) بھول چوک سے محفوظ رہنا اور امام سے بھول ہونے لگے تو اس کو "سبحان اللہ" کہہ کر خبردار کرنا۔

(۱۶) حالت جماعت میں خشوع و خضوع کا حصول، اور غافل کرنے والی چیزوں سے عموماً سلامتی۔

(۱۷) عادۃً جماعت کے موقع پر حسن ہیئت کا خیال رکھنا۔

(۱۸) فرشتوں کا جماعت کو چھالینا۔

(۱۹) (امام کی وساطت سے) تجوید ارکانِ صلوٰۃ سے واقفیت۔

(۲۰) (قیام جماعت میں) شعار اسلام کا اظہار۔

(۲۱) اجتماعی طور پر عبادت اور تعاون علی الطاعۃ کے ذریعہ شیطان کی رسوائی اور پست

Marfat.com

وکاہل افراد میں جوش ونشاط پیدا کرنا۔

(۲۲) نفاق کی زد سے بچنا جو جماعت سے کترانے والے کی نشانی ہے اور اس الزام سے مامون رہنا کہ فلاں نے نماز ہی نہیں پڑھی۔

(۲۳) امام کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی جو دعاء ہے دعاء سے جواب دینا۔

(۲۴) یک جا بطور اجتماعی دعاء وذکر میں مشغول ہو کر برکت سے منتفع ہونا۔

(۲۵) ایک گھر میں جمع ہو کر پڑوسیوں کا رات دن ملنا اور اس نظام کے ذریعہ ہر ایک کے حالات سے باخبر ہونا۔

یہ پچیس فائدے جماعت کی نماز کے ایسے ہیں جس سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی اور ان میں ہر ایک اپنی مخصوص فضیلت کی وجہ سے مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہے ان کے پیش نظر ماننا پڑتا ہے کہ اجر کا دو چند اور زیادہ ہونا مسجد کے نظام سے جکڑا ہوا ہے۔ بہر حال یہ وہ فائدے ہیں جو ہر جماعت کی نماز میں پائے جاتے ہیں، وہ سری نماز (آہستہ قرأت والی) ہو یا جہری (کہ جس میں بلند آواز سے قرأت کی جائے) باقی دو فائدے ایسے ہیں جو جہری نماز کے ساتھ مختص ہیں، ایک امام کے پڑھتے وقت خموشی سے بغور سننا اور دوسرے امام کے آمین کہتے وقت مقتدی کا بھی آمین کہنا تاکہ فرشتوں کے آمین کہنے کی موافقت ممکن ہو سکے[1]

دلوں پر قبضہ اسلام نے جبر وتشدد کی راہ چھوڑ کر حتی الامکان دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی عبادت کرے جس میں دل کو ارتباط نہ ہو، بلکہ اس نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ کسی درجہ میں انسان کا دل گرانی محسوس کرے، چنانچہ آپ احکام اسلام میں غور وفکر سے کام لینگے تو معلوم ہوگا ہر ہر قدم پر ترغیب کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور حتی الوسع جبر واکراہ کو ترک کر کے تالیف قلوب سے کام لیا گیا ہے، ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] یہ تفصیل فتح الباری جلد ثانی صفحہ ۹۶ سے لی گئی ہے ۱۲۔

نے ارشاد فرمایا:-

اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشی والذی ینتظر الصلاۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام
(بخاری باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ)

نماز میں اس شخص کو زیادہ ثواب ملتا ہے جو جس قدر دور سے چل کر آتا ہے اور جماعت کے انتظار میں جو شخص بیٹھا رہتا ہے اور امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے وہ ثواب میں اس سے بڑھا ہوا ہے جو جماعت کا انتظار نہیں کرتا اور نماز پڑھ کر سو رہتا ہے

لب ولہجہ پر بار بار غور کیجئے کس قدر شیریں اور دلنشین ہے، کلام میں درشتی اور سختی کا کہیں پتہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی سختی سے کام نہیں لیا گیا ہے، چونکہ اسلام میں ایک مستقل گروہ منافقین کا تھا جو مسلمانوں میں اپنے طرزِ عمل سے تساہلی اور کاہلی کا پرچار کرتا تھا اس لئے موقع موقع سے ایسی صورت بھی عمل میں لانی پڑی ہے کہ ان کے کیف ونشاط میں فرق نہ آنے پائے، اور مومنِ کامل کے لئے تازیانہ کا کام دیتی رہے۔ سستی بے رغبتی جب کبھی ان میں قدم جمانے لگے تو اس طرح کی حدیثیں ان کو جھنجھوڑ دیں، چنانچہ فرمایا گیا:-

لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون ما فیھما لاتوھما ولو حبوا ولقد ھممت ان آمر المؤذن فیقیم ثم آمر رجلا یؤم الناس ثم اخذ شعلا من نار فاحرق علی من لا یخرج الی الصلاۃ بعد۔
(بخاری باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ)

فجر اور عشاء کی نماز سے بڑھ کر منافقوں پر اور کوئی نماز شاق نہیں ہے حالانکہ اگر ان کو ان نمازوں کی اہمیت کا علم ہو جائے تو بیٹھ بن پڑے دوڑے آئیں جی میں آتا ہے کہ موذن کو اقامت کا حکم کر دوں اور کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کا شعلہ لے کر نکل پڑوں اور ان کو پھونک ڈالوں جو اب تک جماعت کی نماز کے لئے نہیں نکلے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

والمراد لاتوا الی المحل الذی یصلیان	مراد یہ ہے کہ وہ اس جگہ آئیں جہاں یہ دونوں
فیہ وھو المسجد (فتح الباری ج۲ ص۹۵)	نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور وہ جگہ مسجد ہے۔

نظم وارتباط، باہمی اتحاد اور دلوں کے ملاپ کے لئے ضروری ہے کہ اجتماع کا مرکزی گھر ایسا ہو جہاں ہر خاص و عام بغیر کسی حیلہ بہانہ کے باآسانی آسکیں اور اس کے لئے مسجدوں سے بڑھ کر اور کونسی جگہ ہو سکتی ہے جو خالص خدا کی ملکیت کہی جاتی ہے۔

مخصوص وقتوں کی فضیلت اس میں شبہ نہیں کہ نسبتہً فجر، عشاء اور ظہر میں زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں۔ سردی کے موسم میں عشاء اور فجر کی نماز کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفس پر کتنا دباؤ ڈالنا پڑتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا، پانی کی بڑھتی ہوئی سردی، راستہ کی تاریکی اور نفس کی ایسے موقع پر آرام طلبی، یہ ساری باتیں مل ملا کر حوصلہ کو زیر کرنا چاہتی ہیں۔ گرمی کے موسم میں صبح کی میٹھی نیند برسات کی کالی رات اور دوسرے عوارض فجر و عشاء میں رکاوٹ بن کر سامنے آتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح کم و بیش ظہر کی نماز بہت کٹھن ہو جاتی ہے جبکہ دھوپ کی تمازت چہرہ کو جھلس رہی ہو، آسمان انگارے برسا رہا ہو اور ہوا آگ لئے بکھر رہی ہو، انسان طبعاً اس طرح کے موقع پر سست و کاہل بن جاتا ہے، خطرہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مرد مومن ان وقتوں میں مسجد جانے سے ہچکچائے اور جماعت کی نماز ترک کر بیٹھے، اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہمیت کو اور بھی عمدہ پیرایہ میں ذہن نشین فرمایا اور سمجھایا کہ میٹھی نیند، تیز دھوپ سخت تاریکی، اور گرمی و سردی تم کو دھوکہ نہ دے جائے، یہ نمازیں گو منافقین پر شاق ہیں کہ ان کو لذتِ ایمان میسر نہیں لیکن اگر ان کو ایمان کی شیرینی نصیب ہوتی اور پھر ان مشکل طلب وقتوں میں نماز باجماعت کے فضائل اور ان کے منافع کا علم و یقین ہو جاتا تو پھر ہزار مجبوری ہوتی، پر یہ گھر میں بیٹھے نہیں رہتے، بلکہ جس طرح بھی یہ مسجد پہنچ سکتے، پہنچنے کی

Marfat.com

سعی پیہم کرتے۔

عشاء فجر اور ظہر کی نمازوں کے اوقات جیسا عرض کیا گیا ذرا نفس کے لئے تکلیف دہ ہیں اس لئے شریعت نے ان کے فضائل نسبتہً بڑھا کر بیان کئے اور گرانئ طبع کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں کی نماز باجماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لو یعلم الناس ما فی النداء و	لوگوں کو اگر علم ہو جائے کہ اذان پکارنے اور صف
الصف الاوّل ثم لم یجدوا	اول کی نماز میں کیا اجر اور فضیلت ہے پھر وہ
الا ان یستہموا علیہ لاستہموا	نہ پائیں تو قرعہ اندازی پر آئیں اور اگر
علیہ ولو یعلمون ما فی التہجیر	ان کو دوپہر (ظہر) کی نماز باجماعت کا علم و یقین حاصل
لاستبقوا الیہ ولو یعلمون	ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ اس کا کیا ثواب ہے تو اس
ما فی العتمۃ والصبح لاتوہما	کے لئے دوڑ پڑیں اسی طرح صبح اور عشاء کی نماز کا جو
ولو حبوا (بخاری باب فضل التہجیر الی الظہر)	درجہ ہے وہ معلوم ہو جائے تو یہ گھسٹتے ہوئے بھی آئیں۔

فضائل واجر کی کثرت ان حدیثوں میں جس قدر ہم غور کرتے ہیں فضائل واجر کی کثرت کا اور بھی یقین ہوتا ہے۔ ستائیس گنا ثواب کی تو وضاحت ہے مگر الفاظ حدیث کے ساتھ طرز بیان پر بھی نظر کیجئے تو معلوم ہو کہ اس متعینہ ثواب سے زیادہ بھی اور کوئی چیز ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے یا وہ چیز ہماری عقل سے ماوراء ہے، مگر ہے گرانقدر چیز جس کو حدیثوں میں "لو یعلمون ما فی" جیسے جملوں سے بیان کیا گیا ہے اور ذخیرۂ احادیث کے پیش نظر تو یہ فیصلہ بڑی حد تک ناگزیر معلوم ہوتا ہے، پھر یہ حدیث "صحیح مسلم" میں موجود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان فرمایا۔

من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما	جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا وہ
قام نصف اللیل ومن صلی الصبح	آدھی رات نماز میں کھڑا رہا اور جس نے جماعت سے

Marfat.com

فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ	صبح کی نماز پڑھی تو گویا اُس نے پوری
(مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ الخ)	رات نماز میں گزاری۔

اس حدیث کا اس کے سوا اور کیا منشا ہے کہ ان دو وقتوں کی جماعت کی نماز کا اجر آدھی اور پوری رات کی عبادت اور نوافل کے برابر ہے۔ اگر ایک طرف ان نمازوں کے لئے بندوں کے دلوں پر قبضہ کرنا مقصد ہے اور ان کو ساری دشواریوں سے گزار کر کیف و انبساط کے ساتھ جماعت میں لا کھڑا کرنا ہے تو دوسری طرف یہ بھی مقصد ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنے سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے جو مخلص بندہ کو درگاہِ الٰہی سے ملتا ہے۔

سختی اور نرمی کا معیار ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھ لیا کہ اذان کے بعد وہ مسجد سے نکلا جا رہا ہے تو آپ نے کس سختی سے فرمایا "اما ھذا فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم" بلا شبہ اس نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی[1]۔

پھر اسلام کی دلدہی پر قربان جائیے اس نے اس شخص کو بھی جماعت کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جو گھر سے جماعت کی نیت سے نکلا مگر اس کو جماعت نہ ملی بلکہ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ جو شخص باضابطہ باوضو مسجد آیا اور اس کو جماعت نہ مل سکی تو بھی اس کو جماعت کا پورا پورا اجر ملے گا۔ کوئی کمی نہ کی جائے گی[2]۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ معذورین کو رخصت بھی دی گئی ہے کہ اگر کسی کو عذر شرعی پیش آجائے تو وہ جماعت سے غیر حاضر بھی ہو سکتا ہے[3] گو عزیمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود حتی الوسع مسجد کی حاضری اپنے اوپر لازم جانے۔

نظم جماعت کی حکمتیں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ شریعت نے جن باتوں کی جتنی تاکید کی ہے ان میں اسی اندازہ سے مصالح اور حکم بھی پنہاں ہوتے ہیں جہاں تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہنچتی ہے، ہاں

---

[1] مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ۔ [2] ابوداؤد باب فی من خرج یرید الصلوٰۃ فسبق بہا۔

[3] ان رسول اللہ صلعم کان یامر موذناً یقول علی اثرہ الا صلوا فی الرحال فی اللیلۃ الباردۃ المطیرۃ فی السفر۔ (بخاری باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ)

Marfat.com

کچھ علماء راسخین فی العلم ہیں جو ایک حد تک حکمتوں کو پالیتے ہیں اور پھر ان کے ذریعہ اور لوگ بھی ان مصلحتوں اور حکمتوں کو جان لیتے ہیں۔

بلاشبہ جماعت کی نماز جس کی اس قدر اہمیت ہے بلاوجہ نہیں ہے خیر و برکت اور اجر و ثواب کی زیادتی اپنی جگہ، علاوہ ازیں اس میں بیش بہا فوائد، وقیع منافع اور ان گنت حکمتوں کا خزینہ پوشیدہ ہے، یہاں ان میں سے چند کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

"نماز کی جماعت" کے نام سے جو اجتماع ہوتا ہے، وہ ایسے گھر میں ترتیب پاتا ہے جہاں ہر مسلمان کو برابر کا حق پہنچتا ہے، اصولی طور پر اس میں شرکت کی عام اجازت ہوتی ہے، دیہاتی، شہری بڑے، چھوٹے، عالم اور غیر عالم سب مساوی درجہ رکھتے ہیں، پھر یہ کہ اس اجتماع کی شرکت باعث فخر و مباہات ہوتی ہے اور اس کثرت سے یہ اجتماع ہوتا ہے کہ لوگوں میں ایک رسم عام کی حیثیت قبول کرلیتا ہے، کوئی اپنی سستی کاہلی اور بے رغبتی سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہے تو یہ کوئی آسان بات نہیں، اس لئے کہ غیر حاضری کی شکل میں تلاش اور جستجو ہوگی، وجہ دریافت کی جائے گی اور معقول عذر نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کی نگاہ میں وہ معتوب سمجھا جائے گا۔

کاہلی کا انسداد اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاہل، سست اور بے رغبت مسلمان کے اندر چستی پیدا ہوگی اور وہ بڑی حد تک اپنے کو مجبور پائے گا کہ مسجد آئے، جماعت میں شریک ہو، کیونکہ یہ امتحان گاہ ہے کہ کون لوگ ہیں جو دعوئے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں میں اسلام کی محبت و وقعت بھی رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر رضاء و رغبت بجا لاتے ہیں اور کتنے وہ ہیں جن کو صرف ادعائے اسلام ہے اور درحقیقت ان کا دل دین کی محبت سے خالی اور ویران ہے اور رب العالمین کے ساتھ ان کا تعلق بے دلی، بے رغبتی اور دوری کا ہے۔

عالمانِ دین کا امتحان اس اجتماع دینی میں چونکہ دین کے جاننے والے اور اس کے ماہر بھی ہوتے ہیں اور دین سے ناواقف اور جاہل لوگ بھی، اس لئے عالمانِ دین اور احکام دین سے واقف افراد کا امتحان بھی ہے کہ یہ اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں یا نہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ان

Marfat.com

کو کس قدر احساس ہے۔

قبولیت دعا ایک جا ایک دو نہیں، پورے محلہ کے مسلمان کم از کم جمع ہوئے ہیں اور سب مل کر ایک عظیم الشان عبادت میں مشغول ہیں اور پھر اس طرح امید و بیم کے ساتھ ایک ہی مقصد کے لئے دل کی پوری گہرائی کے ساتھ پروردگار عالم سے دعا کرتے ہیں اور نماز کے ذریعہ اپنے خدا سے بہت قریب ہو کر کرتے ہیں۔ اس لئے توقع کامل ہے کہ رب العالمین دعا کو شرفِ قبولیت بخشے گا اور ان کو اجتماعی مقاصد میں کامیاب فرمائے گا۔

اعلائے کلمۃ اللہ اللہ تعالیٰ کا امتِ محمدیہ سے جو یہ مقصد ہے کہ اس کا کلمہ بلند ہو، اسی کا بول بالا رہے اور دین اسلام ادیانِ باطلہ پر غالب ہو کر رہے تاکہ سارے انسانوں کو حقیقی امن و راحت میسر ہو تو بلاشبہ اس مقصد کی تکمیل بھی یک گونہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی دستوری عبادت ہے جس کو دین سے بڑا گہرا تعلق ہے اور اس طرح یہ عبادت علی الاعلان ادا ہوتی ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک شعبہ انجام پذیر ہوتا ہے۔

شیطان کی رسوائی شیطان جو بندۂ مومن کا کھلا ہوا دشمن ہے اور ان کے آپس میں بُعد و تفرقہ ڈال کر ان کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور ان کو ٹولیوں میں بانٹ کر اپنے قابو کا متمنی ہوتا ہے اس یکجائی عبادت سے اس کی بھی پوری رسوائی ہوتی ہے اور اس طرح اس کا داؤ پیچ بنا بنایا ختم ہو جاتا ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ اشارہ فرمایا تھا۔

ما من ثلاثة فی قریة او بدو لا تقام فیهم الصلوٰة الا قد استحوذ علیهم الشیطان۔	کوئی آبادی ہو یا جنگل جس میں تین آدمی رہتے ہوں جب اس میں نماز قائم نہیں کی جاتی ہے تو شیطان ان پر قابو پا لیتا ہے۔

ماحصل یہ تھا کہ جہاں جماعت ہو سکتی ہے وہاں جماعت ہرگز ترک نہ کی جائے کہ اس طرح شیطان کو موقع مل جائے گا اور پھر دین میں سستی کا دروازہ کھل جائے گا اور جماعت کا اہتمام جب شد و مد سے باقی رہے گا تو پھر شیطان کی رسوائی ضروری ہے۔[1]

[1] یہ تفصیل حجۃ اللہ البالغۃ باب الجماعۃ جلد ثانی سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

Marfat.com

تزکیہ اور تالیف قلوب ابن العربی مالکیؒ نے مسجد ضرار والی آیت کے ضمن میں لکھا ہے اور جماعت کے ایک پہلو تزکیہ وتصفیہ اور تالیف قلوب پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ ان کے الفاظ چونکہ جچے تلے ہیں اس لئے خود اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

يعني انهم كانوا جماعة واحدة في مسجد واحد فارادوا ان يفرقوا شملهم في الطاعة وينفردوا عنهم للكفر والمعصية وهذا يدلك على ان المقصد الاكثر والغرض الاظهر من وضع الجماعة تاليف القلوب والكلمة على الطاعة وعقد الذمام والحرمة بفعل الديانة حتى يقع الانس بالمخالطة وتصفو القلوب من وضر الاحقاد والحسادة ولهذا المعنى تفطن مالك رض حتى انه قال لا تصلى جماعتان في مسجد واحد ولا بامامين ولا بامام واحد حتى كان ذلك تشتيتا للكلمة وابطالا لهذه الحكمة وذريعة ان تقول من اراد الانفراد عن الجماعة كان له عذر فيقيم جماعته ويقدم امامه فيقع الخلاف ويبطل النظام (احكام القرآن ج ا ص [illegible])

سارے مسلمان ایک جماعت تھے اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، منافقین نے چاہا کہ طاعت میں ان کا شیرازہ منتشر کر دیں اور ان سے علیحدہ ہو کر کفر و معصیت کو فروغ دیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بڑی نظم جماعت کی غرض وغایت یہ ہے کہ دلوں میں ارتباط، طاعت میں یکرنگی اور شیرازہ بندی قائم رہے تاکہ باہم انس ومحبت پیدا ہو اور کینہ وکپٹ اور منافرت سے دل صاف اور پاک رہے اور اسی معنی کو امام مالکؒ نے خوب سمجھا تا آنکہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ایک مسجد میں دو جماعتیں نہیں پڑھ سکتی ہیں نہ دو امام کے ساتھ اور نہ ایک امام کے ساتھ کہ یہ کلمہ کے تشتت اور اس کی حکمت بالغہ کے ابطال کا سبب بن جائے اور تاکہ یہ اس بات کا ذریعہ بن جائے کہ ہم جماعت سے علیحدگی کے خواہاں کا اس کو عذر بنا لیں کہ وہ ایک اور جماعت قائم کرے اور ایک دوسرا امام بنالے اور اس طرح اختلاف کا بیج پھوٹ پڑے اور نظام وحدت درہم برہم ہو جائے۔

انتشارِ جماعت کی کراہیت

بلاشبہ اس کلام میں جس طرف اشارہ کیا گیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت کے بنیادی مقاصد سے ہے اور کہا جا سکتا ہے جماعت کی روح بڑی حد تک اسی میں پنہاں ہے، یہی وجہ ہے بعض ائمۂ دین نہایت سختی سے اس طرف گئے ہیں کہ اذان و جماعت والی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کراہیت سے کسی حال میں خالی نہیں، اور فضائل صرف جماعتِ اولیٰ ہی کو حاصل ہیں۔

ہم جب نمازِ خوف کا مسئلہ سامنے رکھتے ہیں تو اور بھی مسئلۂ جماعت کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ میدانِ کارزار میں جب دو جماعت کا حکم نہیں تو رات دن اپنی پرسکون مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت کیونکر سمجھی جا سکتی ہے، ہاں راستہ کی مسجد ہو تو البتہ اجازت سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں کوئی نظم و ضبط ممکن ہی نہیں، احادیث میں اس طرح کا واقعہ جہاں آیا ہے اس کی مراد یہی ہے کہ وہ گزرگاہ کی مسجد ہو گی نظمِ جماعت کے سلسلہ میں جو حدیث ہم نقل کر آئے ہیں ان میں بھی اس طرف کافی اشارہ موجود ہے کہ جماعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک ہی ہوتی تھی اور یہی مطلوب بھی تھا۔

دلوں کی نورانیت

جماعتِ ثانیہ کو جب جماعت کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تو پھر قدرتی طور پر جماعتِ اولیٰ میں ہر شخص حاضری کی سعی کرے گا اور وہ سستی جو جماعتِ ثانیہ کے نام پر پیدا ہو سکتی ہے راہ نہ پائے گی، اور اس صورت جماعت بڑی سے بڑی ہو گی، پھر ہر ایک قلب روشن ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و طاعت کا نور، ایک قلب مومن سے دوسرے مومن کے دل پر پرتو ڈالے گا اور اس طرح ان کی روحوں کی مثال ایسی ہو جائے گی کہ چند صاف شفاف آئینے ایک دوسرے کے آمنے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں اور ان پر سورج کی آزاد کرنیں پڑ رہی ہیں جس طرح اس وقت ان آئینوں کا حال ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو اپنے عکس سے منور کر دیتا ہے یہی حال جماعت میں شریک ہونے والی روحوں کا ہوتا ہے۔

صبح کی جماعت میں تو یہ کیفیت اور بھی پورے شباب پر ہو گی کیونکہ آرام و چین کی نیند

Marfat.com

دماغ کو سکون بخش دیتی ہے، دل اس وقت نسبتہً بہت زیادہ پرسکون اور افکار کے گرد و غبار سے پاک ہوتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی جماعت کا ثواب یہ بتایا گیا ہے کہ پوری رات کی عبادت کے برابر ہے۔

دین سے دنیا کی اصلاح

جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں غور کیجئے کہ ان کیفیتوں کے حصول کے وقت ایک کا دوسرے سے بغل گیر ہونا کس قدر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اور دینی نقطۂ نظر سے بھی، اتحاد و ارتباط جسمانی اور روحانی دونوں کائنات کے لئے مفید ثابت ہوگا اور ان کیفیات کے استحضار کے ساتھ جو بھی اجتماع ہوگا کیا ان میں یہ احساس تازہ نہ ہوگا؟ کہ جس طرح ہم ایک گھر میں، ایک ضابطہ کے تحت، صرف ایک ذات کی خوشنودی کے لئے جمع ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دنیاوی زندگی میں ہماری لائنیں مختلف ہوں اور جس طرح یہاں ہم مل کر اپنے ایک بڑے دشمن شیطان رجیم کو رسوا کر ڈالتے ہیں اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی متحد ہو کر اپنے دشمنوں پر غالب آسکتے ہیں۔

اسلامی مساوات

صرف یہی نہیں بلکہ ایک امام کی ماتحتی ان کے دلوں پر یہ نقش چھوڑے گی کہ دنیاوی زندگی میں بھی ہمارا امام ایک ہی ہونا چاہئے۔

ایک گھر میں ایک مصلے پر بلا امتیاز ہر ایک کا دوسرے کے بغل گیر ہونا اور ایک سیدھ میں کھڑا ہونا، ان میں مساوات کی وہ روح پیدا کرے گا جو لاکھوں کانفرنسوں سے ممکن نہیں، یہاں شاہ و گدا، امیر و فقیر منصب دار اور غیر منصب دار، ذات پات، نسل و نسب اور رنگ و روپ کا کوئی سوال نہیں ہوتا، کسی کی کوئی جگہ متعین نہیں، یہاں اگر کسی درجہ میں معیارِ فضیلت ہے تو زہد و تقویٰ، خدا شناسی اور خدا ترسی، علم و فضل اور اسی طرح کی کوئی اور چیز، بلکہ نظمِ جماعت میں تو ان چیزوں کو بھی دخل نہیں ہے سوائے علم و فضل کے کہ ان کا بعض امور میں لحاظ ہوتا ہے۔

بغض و حسد کی روک تھام

اور پھر اس نظمِ جماعت سے خود بخود الفت و محبت کے رشتے استوار

Marfat.com

ہوتے ہیں، نفاق و خصومت حسد و بغض، عداوت و نفرت اور اس طرح کی ساری نقصان دہ اور ضرر رساں باتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے بھی نماز کے اس وصف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (روم - ۴)

محبت و الفت رات دن کی باہم ملاقاتیں خاص کیفیت کے ساتھ ہونگی تو جہاں محبت و الفت اور مساوات کا جذبہ راسخ ہوگا وہاں دردمندی و غمخواری بھی اپنی جگہ پیدا کرلے گی، ایک دوسرے کو برے اور پھٹے حال میں جب دیکھے گا تو طبعی طور پر ہمدردی، حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا جذبہ ابھرے گا اور اجتماعی جذبہ ان کو سب کچھ کرنے پر مجبور کرے گا، یہ اور اس طرح کے بیسیوں فائدے خود بخود مترتب ہوں گے مسجد کے اس نظم جماعت کے مصالح و حکم اگر استقصاء سے قلم بند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب صرف اسی عنوان پر ترتیب دی جاسکتی ہے

رحمت عالم صلعم کی مسرت بہرحال انہی حکمتوں اور مصلحتوں کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظم جماعت بہت محبوب تھا اور اپنی اخیر ساعت عمر تک اس سے آپ نے والہانہ محبت فرمائی حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کو صدیق اکبرؓ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور لوگ صف بستہ پیچھے کھڑے تھے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں کمزوری کی وجہ سے گھر میں آرام فرماتے تھے، آپ اپنے بسترہ سے اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے اور پردہ اٹھا کر جماعت کو دیکھنے لگے جو مسجد میں مشغول نماز تھی۔ آپ یہ دیکھ خوشی سے مسکرا اٹھے[1]۔

جانتے ہیں آپ کی یہ مسرت کیوں تھی؟ محض اس وجہ سے کہ آپ نے صحابۂ کرام کو دیکھا نماز باجماعت ادا کر رہے ہیں، ہر ایک امام کی پوری پوری پیروی کرتا ہے اور اس طرح یہ اپنی شریعت پر قائم، آپس میں متحد اور ان کے دل ملے ہوئے ہیں۔

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۱۷۹

Marfat.com

جامع مسجدوں کا نظام — یہ پنج وقتہ جماعتوں کا حال ہے جو محلہ میں اشاعتِ دین، انضباط اتحاد اور بے شمار دینی وسیاسی منافع کا باعث ہوتی ہیں، باقی شہروں اور بڑی آبادی کے مختلف محلوں میں اشاعت دین وغیرہ کا مسئلہ تو اس کے لئے شریعت نے جامع مسجدوں کا نظام قائم کیا ہے اور اس کو ٹھوس بنیاد پر قائم کر دیا ہے کیونکہ ہر دن تمام محلوں کا یکجا ہونا دقت و پریشانی اور حرج سے خالی نہ تھا اور ہفتہ بھر میں ایک ہی بار اس طرح کا اجتماع اپنی مخصوص خوبیوں کی بناء پر مناسب بھی تھا۔

ہر جگہ جمعہ کی ایک ہی جماعت عہد نبوی اور عہد صحابہ میں — چونکہ جامع مسجدوں سے گرانقدر فوائد متعلق ہیں اس لئے شریعت نے اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے کہ ایک شہر یا قصبہ میں ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جانی چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین[1] کے زمانہ میں یہی رائج تھا، ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ صاحب مبسوط جو خود بھی عدم جواز تعدد جمعہ کی طرف مائل ہیں لکھتے ہیں:۔

ان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ	بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
علیہ وسلم والخلفاء بعدہ فتحت	خلفاء کے زمانہ میں بہت سے شہر فتح ہوئے مگر
الامصار ولم یتخذ احد منہم فی کل	ان میں سے کسی نے بھی ایک شہر میں ایک جامع
مصر اکثر من مسجد واحد لاقامۃ	مسجد سے زیادہ نہ بنائی، اگر اقامت جمعہ ایک
الجمعۃ ولو جاز اقامتہا فی موضعین	شہر میں دو جگہ جائز ہوتا تو دو سے زیادہ جگہوں میں
جاز فی اکثر ذلک فیودی الی القول	بھی جائز ہوگا اور بالآخر یہ بات یہاں تک پہنچے گی
بان یصلی اھل کل مسجد	کہ ہر ہر مسجد والے اپنی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں
فی مسجدھم واحد لا یقول	حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے اور ایک
بذلک وفی تجویز اقامۃ الجمعۃ	شہر میں دو مسجدوں کے اندر نماز جمعہ جائز قرار

[1] حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے دینی فتوحات کے زمانہ میں گورنروں اور فوجی افسروں کو لکھا تھا کہ جمعہ کی نماز ایک جگہ جمع ہو کر پڑھی جائے۔ (اصلاح المساجد للقاسمی ص ۵۵)

فی موضعین فی مصر واحد تقلیل الجماعۃ واقامۃ الجمعۃ من اعلام الدین فلا یجوز القول بما یودی الی تقلیلھا (مبسوط سرخسی باب الجمعۃ ج۲ ص۱۲۱)

دینا جماعت کی قلت کا باعث ہوگا۔ حالانکہ اقامت جمعہ دین کی نشانیوں سے ہے لہذا ایسی بات کا قائل ہونا جائز نہ ہوگا جو اس کی تقلیل جماعت کا باعث ہو۔

انھوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ تعددِ جمعہ کی شکل میں اقامتِ جمعہ کا مقصد اصلی فوت ہو جائے گا، کیونکہ جماعت میں انتشار پیدا ہو کر قلت پیدا ہو جائیگی، حالانکہ یہ دن شریعت نے اس لئے مخصوص کیا ہے کہ ہفتہ میں ایک بڑی جماعت، جس میں سارا شہر شریک ہو، شعائرِ دین کا عظیم الشان مظاہرہ کرے اور دینی و دنیاوی فوائد سے متمتع ہو۔

خیر القرون بلکہ قرونِ ثلثہ تک تعددِ جمعہ کا پتہ نہیں چلتا[لہ]۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو تیسری صدی ہجری کے ہیں انھوں نے اپنے زمانہ میں تعددِ جمعہ کا انکار فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ تعددِ جمعہ میں نقل کیا ہے:-

ذکر الاثرم من احمد انہ قال لا اعلم بلدا من بلاد المسلمین اقیمت فیہ الجمعتان اذا تقرر ھذا واحمد من القرن الثالث ظھر ان خیر القرون لم یقع فی زمانھم التعدد (مجموعہ فتاوی عبد الحیی جلد ثانی ص۱۱۲)

اثرم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مسلمانی شہروں میں سے کسی شہر میں بھی دو جمعے قائم کئے گئے ہوں" یہ جب ثابت ہو چکا اور یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمدؒ تیسری صدی کے ہیں پس معلوم ہوا کہ خیر القرون میں تعدد جمعہ واقع نہیں ہوا۔

ائمہ اربعہ عدم تعددِ جمعہ کے حق میں

اکثر علماء احناف اور دوسرے ائمہ کا قول بھی اسی کی تائید میں

لہ خطیب نے "تاریخ بغداد" میں لکھا ہے کہ اسلام میں تعددِ جمعہ کی بدعت کا موجد اول معتضد ہے، اسی کے زمانہ میں پہلے پہل قدیم جامع مسجد کے علاوہ ایک دوسرا جمعہ دار الخلافت میں قائم کیا گیا، مگر یہ جمعہ بغیر مسجد بنائے ادا کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۸۰ھ کا ہے۔ باضابطہ مسجد تعدد جمعہ کے لئے مکتفی کے زمانہ میں بنی۔
(اصلاح المساجد للقاسمی ص۵)

ہے کہ تعددِ جمعہ نہ ہونا چاہیئے بعض تو بالکل ناجائز کہتے ہیں اور بعض اولیٰ اور احوط کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت جواز کی اور دوسری عدم جواز کی ہے عدمِ جواز والی ہی روایت کو علمائے احناف میں امام طحاوی، تمرتاشی اور صاحب مختار نے راجح قرار دیا ہے، ائمہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عدمِ تعدد کے قائل ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ سُبکی شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کسی بھی صحابی یا تابعی سے ایک شہر میں تعددِ جمعہ ثابت نہیں[1]۔

مروجہ تعدد جمعہ | تمام روایتوں پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ایک شہر میں (اگر اس میں دریا یا بڑی نہر نہیں ہے تو) صرف ایک ہی مسجد میں جمعہ بڑی حد تک ضروری ہے اور اگر ایسا دریا شہر میں ہے جو ادھر سے اُدھر ہونے میں مانع ہے یا اتنی بڑی آبادی ہے جہاں ایک مسجد میں نہ گنجائش ہو سکتی ہے اور نہ آنا آسان ہے تو دو جگہ نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے، باقی آج کل جیسا تعدد جمعہ مروج ہے وہ کسی درجہ میں بھی اصولِ شریعت کے قریب نہیں، مروجہ تعدد جمعہ کے جواز کی بحث میں دخل انداز ہونے کی چاہے گنجائش نہ ہو مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ طریقہ اقامت جمعہ کے بنیادی منشا اور اس کی روح کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جمعہ کے دن معذورین (مسافر، مریض وغیرہ) کا مصر میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، اس کی وجہ علماء نے جو لکھی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت جمعہ میں اختلال کا اندیشہ ہے۔ مولانا بحر العلوم جو خود تعددِ جمعہ کے قائل ہیں مگر یہ بھی معذورین کی جماعت ظہر کو غیر دیہات میں مکروہ لکھتے ہیں اور وجہ کراہت جو بتاتے ہیں وہ

---

[2] النہی (سُبکی) کا بیان ہے کہ تعددِ جمعہ کی بدعت مصر و شام میں بہت بعد میں آئی ہے۔ قاہرہ میں دوسرا جمعہ ملک ظاہر کے زمانہ میں قائم ہوا ہے جس کی مخالفت اس وقت قاضی القضاۃ تاج الدین نے کی تھی اس سے پہلے ایک ہی جگہ جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور شہر دمشق میں تو فتح عمرؓ سے لے کر رمضان ۷۵۶ھ تک ایک ہی جمعہ ہوتا رہا ہے۔ (اصلاح المساجد للقاسمی ص ۹۲)

[1] فتاویٰ عبد الحئی ج ۱ ص ۱۱۲ رد المحتار جلد اول ۱۲

یہ ہے :-

لان الجمعۃ جامعۃ للجماعات فی المصر ولو صلی المعذورون بالجماعۃ عسیٰ ان یدخل غیرھم فیختل جماعۃ الجمعۃ (ارکان ص۱۱۱)

نماز جمعہ ایک شہر کی مختلف جماعتوں کو یک جا کرنے والی ہے اور معذورین باجماعت نماز پڑھیں گے تو ممکن ہے غیر معذور بھی ان کے شریک ہو جائیں پس اس طرح جماعت جمعہ میں اختلال پیدا ہو جائے گا

سوال یہ ہے کہ جب جماعت جمعہ کا اس قدر لحاظ ہے تو پھر خود جمعہ کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کیونکر قوینِ اصول ہو سکتا ہے۔

قیامت کی یاد جب اتنی بات سمجھ میں آگئی تو اب جامع مسجدوں کے نظام پر غور فرمائیں کہ کیوں کر ہفتہ میں ایک مخصوص دن، ایک وقت میں ہر ہر جگہ کے مسلمان اپنی اپنی جامع مسجد میں یکجا ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کی بندگی پورے شان و شکوہ کے ساتھ ادا کریں گے اور پھر اس اجتماع کو کیا حیثیت حاصل ہو گی۔

علامہ ابن القیمؒ اجتماعِ جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بلاشبہ جمعہ لوگوں کے جمع ہونے اور ان کو مبداء و معاد یاد دلانے کا دن ہے، اللہ تعالےٰ نے ہر امت کے لئے ہفتہ میں ایک دن بنایا ہے جس میں وہ عبادت کے لئے ہر کام سے علیحدہ ہوتے ہیں اور جمع ہو کر مبداً و معاد اور ثواب و عقاب کو یاد کرتے ہیں اور اس اجتماع سے اس بڑے اجتماع کی یاد تازہ کرتے ہیں جو پروردگار عالم کے روبرو ہو گا، اور یہ مسلّم ہے کہ اس مقصد کے لئے دنوں میں وہ دن مناسب تھا جس میں ساری مخلوق جمع کی جائیگی اور وہ جمعہ کا دن ہے لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اس دن کی فضیلت و شرافت کے پیشِ نظر اس امت کے لئے اسی دن کو یہ فخر عطا کیا اور اپنی بندگی کے لئے اس دن میں ان کا اجتماع مشروع فرمایا اور اسی کو اس کی شرافت کی وجہ سے مقدر فرمایا، پس یہ دن شرعی طور پر دنیا میں جمع ہونیکا دن ہے اور قدر و منزلت کے لحاظ سے آخرت میں۔ (زاد المعاد باب الجمعہ)

قیامت کے دن حشر میں جو اجتماع ہوگا وہ بھی جمعہ ہی کا دن ہوگا، اس لئے یقینی طور پر مردِ مومن کا ذہن جمعہ کے اجتماع سے بڑے دن کے اجتماع کی طرف جائے گا اور پھر ساتھ ہی وہ سارے حالات جو میدانِ حشر میں پیش آنے والے ہیں ایک ایک یاد آئیں گے اور اپنے اعمال و اخلاق کا نقشہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھوں میں پھر جائے گا، اور اس سے یقینی طور پر قلب مومن متاثر ہوگا۔

پند و نصیحت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم شاید اسی وجہ سے کبھی کبھی نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ تلاوت فرماتے تھے جس میں نمازِ جمعہ کے لئے تاکیدی حکم ہے، سعی الی الجمعہ کا وجوب ہے اور ان تمام امور کے ترک کا حکم ہے جو نماز جمعہ اور اجتماعِ جمعہ کی شرکت سے مانع ہو سکتے ہیں پھر ذکر اللہ کی کثرت پر بھی زور دیا گیا ہے، تاکہ یہ صلاح و فلاحِ دارین کا ذریعہ بن سکے اور کامیابی سے ہمکنار کر دے، کیونکہ اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل ہونا باعث ہلاکت ہے اور آپ دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھتے تھے جس سے غالباً آپ کا منشاء یہ تھا کہ اُمت کو نفاق سے ڈرائیں جو دینی و دنیاوی تباہی و بربادی کا سرچشمہ ہے۔ نیز اُمت کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود تھا کہ مال، اولاد، اور دنیا کا لالچ تم کو نماز جمعہ اور اللہ کی یاد سے خبردار کہیں روک نہ دے، اور آخر میں موت کی یاد تازہ کرا کے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے موانع سے ہشیار کرنا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے یہیں کر لو، وہاں اس کا موقع نہیں ہے، بعد موت ساری تمنا اور آرزو بے سود ہوگی[1]۔

آج بھی اُمت کے لئے وہی طریقہ مسنون ہے جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، چنانچہ ہفتہ میں جب یہ عظیم الشان اجتماع ہوگا، مسلمان خلوص کے ساتھ جمع ہونگے تو قیامت کی وہ سخت گھڑی یاد آئے گی جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا نفس اور اعمال کے احتساب کا موقع پیدا ہوگا اور امام جب کبھی نماز میں سورۂ جمعہ اور منافقون کی تلاوت کرے گا تو ہمارے قلوب میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

---

[1] زاد المعاد، جلد اول ص۱۱۵

Marfat.com

راشہر ایک امام کے پیچھے پھر اس ہفتہ وار اجتماع میں پنج وقتہ جماعت کے فائدوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ چند مسجدوں کی جماعتیں ایک مسجد میں سمٹ آتی ہیں اور سب کے سب صرف ایک امام کی پیروی کرتے ہیں گویا یہ امام پورے شہر کا امام ہوتا ہے اور آج اس کی ہر حرکت و سکون کی پوری پوری مطابقت کی جاتی ہے، یہ امام اس دن ایک بلیغ خطبہ دیتا ہے جس میں حمد و ثنا کے بعد قرآن و احادیث پاک کی روشنی میں فرائض اور ذمہ داریوں کی یاد دہانی کی جاتی ہے امام شہر کی سیاسی و دینی رہنمائی کرتا ہے اور ہفتہ بھر کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تذکرہ کرتا ہے اور خیر القرون کی یاد تازہ کراتا ہے اور اس طرح اس دور کے احیاء کے لئے ابھارتا ہے۔

تبلیغ و اشاعت کی اہمیت یہی وجہ ہے کہ خطبہ کا سننا واجب قرار دیا گیا ہے، امام جہاں خطبہ دینے کی نیت سے نکلا، دنیا کی ساری باتیں باعث گناہ ہو گئیں جن امور کی اجازت تھی وہ بھی شرعی طور پر اب باقی نہیں رہی، کوئی بھی کچھ بول نہیں سکتا، حتیٰ کہ نفل و سنت پڑھنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة	اگر امام کے خطبہ دیتے وقت تو نے اپنے کسی
انصت والامام يخطب فقد	بھائی سے یہ کہا کہ چپ رہو تو یہ بھی
لغوت (بخاری باب الانصات یوم الجمعۃ)	تو نے ایک لغو کام کیا۔

آداب خطابت گویا امام کے سوا کسی اور کو یہ حق نہیں کہ کچھ بولے، یا امر بالمعروف کرے، یہ ساری چیزیں صرف امام ہی کے لئے اس وقت مخصوص ہوتی ہیں۔ خطیب، قوم کا بہترین شخص ہوگا۔ اس پر اثنائے خطبہ میں ایسی کیفیت طاری ہو کہ اس کی زبان سے جو بات نکلے، اثر میں ڈوبی ہوئی ہو، تاکہ قوم کے قلب و جگر پر تیر کی طرح وہ بات لگتی چلی جائے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آداب خطابت اس دن اسی انداز کا ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے

Marfat.com

اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتیٰ کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم ویقول بعثت انا والساعۃ کھاتین ویقرن اصبعیہ السبابۃ والوسطیٰ۔

(مسلم کتاب الجمعہ ج ۱ ص ۲۸۴)

تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند، اور لہجہ میں شدت پیدا ہو جاتی، معلوم ہوتا آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ وہ لشکر اب صبح و شام میں لوٹ پڑنے والا ہے اور فرماتے کہ قیامت اور میرے درمیان بس اتنا فرق ہے جتنا شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان۔

امام کی ظاہری ہیئت اس دن امام کی ظاہری ہیئت بھی ذرا عمدہ اور نمایاں ہونی چاہئیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتب حدیث میں اس طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ حضرت عمرو بن حریثؓ کا بیان ہے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ یوم الجمعۃ (مسلم)

جمعہ کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے جس کے دونوں کنارے آپ کے شانوں کے درمیان لٹکتے ہوتے۔

سامعین کا لحاظ جمعہ کے دن جو مستحبات و مسنونات ہیں ان کو سامنے رکھ لیجئے تو اجتماع کی شان و شوکت اور بھی نمایاں معلوم ہو گی، غسل، مسواک، خوشبو حتی المقدور، اچھا لباس وغیرہ وغیرہ۔ پھر امام کو ہدایت ہے کہ خطبہ ایسا دے کہ سامعین پورے کیف و نشاط کے ساتھ سنیں، ان کے جوش و انبساط میں کوئی فرق نہ آئے، ارشادِ نبوی ہے۔

ان اطول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ منیئۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ وقصروا الخطبۃ وان من البیان سحرا

(مسلم کتاب الجمعہ ج ۱ ص ۲۸۶)

مرد مومن کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر اور بلاشبہ بعض بیان جادو ہے۔

Marfat.com

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ضرورت کے وقت بھی اختصار ہی سے کام لیا جائے جس سے ضرورت پوری نہ ہو سکے۔ بلکہ امام کو ضرورت کے وقت اس کا اختیار ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا کبھی خطبہ کو طول دیتے اور کبھی اختصار سے کام لیتے۔ جیسی ضرورت محسوس فرماتے۔ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:۔

وکان یقصر خطبتہ احیانا ویطیلها	جیسی لوگوں کی ضرورت ہوتی اسی کے
احیانا بحسب حاجۃ الناس (زاد المعاد ج۱ ص۱۱۶)	مطابق آپ خطبہ دیتے کبھی مختصر اور کبھی لمبا

امام کی توجہ خطبہ میں اس کا بھی لحاظ رہے کہ امام خطبہ دیتے ہوئے کھڑا رہے اور اس کا رُخ قوم کی طرف ہو تاکہ امام کی طرف قوم کا رحجان باقی رہے اور اُس کی باتیں قوم کو متاثر کر سکیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

وکان یخطب قائما واذا صعد المنبر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ
اقبل بوجھہ علی الناس (زاد المعاد ج۱ ص۱۱۶)	دیتے تھے اور منبر پر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے

اس طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ امام (خطیب) محض اپنے جسم ہی سے قوم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کو دلی اور روحانی توجہ بھی قوم پر رکھنی چاہیئے۔

قبولیت دعا کی گھڑی جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعائیں خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوتی ہیں، حدیث کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے اُس گھڑی میں مومن کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فیہ ساعۃ لا یوافقها عبد مسلم وھو	جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں
یصلی یسأل اللہ شیئا الا اعطاہ	مرد مسلمان نماز پڑھے اور اپنے اللہ سے کسی
اشار بیدہ یقللها۔	چیز کی درخواست کرے تو اللہ تعالےٰ وہ چیز
(مسلم کتاب الجمعۃ ص۲۸۱)	اسے عطا کرے گا، مگر وہ گھڑی مختصر ہوتی ہے

Marfat.com

یہ ساعت استجابت باقی ہے یا اُٹھالی گئی؟ ہر جمعہ میں یہ ساعت آتی ہے یا کسی خاص میں۔ اس باب میں مختلف اقوال ہیں مگر جو صحیح مذہب ہے وہ یہ ہے کہ یہ ساعتِ استجابت (قبولیت کی گھڑی) باقی ہے اور ہر جمعہ میں آتی ہے یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس باب میں بیالیس ۴۲ اقوال نقل کئے ہیں اور پھر ہر ایک قول کا ماخذ اور اس کی دلیل بھی لکھی ہے، مگر راجح یہی ہے کہ اس قبولیت کی گھڑی کو چھپا لیا گیا ہے، کوئی خاص گھڑی متعین نہیں ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اس گھڑی کی تلاش و جستجو میں ہمیشہ ہر جمعہ کو پورے دن رغبت سے عبادت میں مصروف رہے۔

نماز جمعہ کی تاکید انہی خصوصیات کی وجہ سے نماز جمعہ کی سخت تاکید ہے اور باجماعت نماز کا حکم ہے جمعہ کی انفرادی نماز سرے سے جائز ہی نہیں ہے البتہ جو لوگ معذور و مجبور رہیں وہ بجائے جمعہ ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں، قرآن میں اس نام سے ایک مستقل سورہ موجود ہے۔ اس میں یہ آیت بھی آئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ	اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب اس کی نماز
مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ	کے لئے تم کو پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی
اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ ۲)	طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

حدیث میں مختلف پیرایہ سے اس کی اہمیت ذہن نشین کی گئی ہے یہاں صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:۔

الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی	ہر مسلمان مرد پر جمعہ کی جماعت ایک
جماعۃ الا علی عبد مملوک او امرأۃ	ضروری حق ہے۔ البتہ چار پر نہیں۔
او صبی او مریض (ابو داؤد)	غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔

ترکِ جمعہ و جماعت کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پہ
یقول علی اعواد منبرہ لینتھین اقوام	فرماتے ہوئے سنا کہ یا تو لوگ جمعوں کے
عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ	ترک سے باز آئیں گے یا پھر اللہ تعالے
علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین	ان کے دلوں پر مہر لگا دیگا - پھر البتہ
(مسلم کتاب الجمعہ ج ۱ ص ۲۸۴)	وہ غافلوں میں ہو جائیں گے -

ایک دوسری حدیث میں ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ جو شخص سستی کی وجہ سے تین جمعہ ترک کر دیتا ہے اللہ تعالے اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے ۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں آیا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز میں نہیں آتے جی چاہتا ہے ان کو پھونک ڈالوں[1] ۔ علامہ ابن القیم نے انہی حدیثوں کے پیش نظر لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز فرائض اسلام میں موکد تر ہے اور اس کا اجتماع عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے ، اتنا عظیم الشان کہ عرفہ کے بعد فرض اجتماع یہ ہی ہے جو اس کی شرکت محض اپنی سستی و دنیا طلبی کی وجہ سے ترک کرے گا ، اللہ تعالے اس کے دل پر غفلت کی مہر لگا دینگے ۔ اس کا رتبہ اعلے ہے اور اتنا اعلی کہ قیامت کے دن اللہ تعالے کی قربت اور سب سے اول اس کا دیدار ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو جمعہ کے دن امام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور سویرے جامع مسجد حاضر ہوتے ہیں[2] ۔

یہ سب تاکید اسی لئے ہے کہ جامع مسجدوں کا قدرتی نظام ہمیشہ مضبوط بنیاد پر قائم رہے اور ان کے اجتماعوں سے جو بھی دینی و دنیاوی فائدے ہو سکتے ہیں فرزندان توحید اس سے پورے طور پر مستفید ہوتے رہیں اور غفلت ، کاہلی ، اور بے رغبتی وغیرہ ان میں اثر پذیر نہ ہو سکے ۔

ایک عام فائدہ شروع میں عرض کر آیا ہوں کہ جمعہ کے اجتماع میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں علماء و صوفیاء ، رؤساء ، تجار ، غرباء ، فقراء مختصر یہ کہ ہر شعبۂ زندگی کے تقریباً ماہرین

[1] مسلم باب صلوٰۃ الجماعۃ الخ ج ۱ ص ۲۳۲ [2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۲

Marfat.com

ہوتے ہیں، ہر ایک دوسرے کو عبرت و بصیرت کی نظر سے دیکھیں گے، کسی کو تعلیم اور علوم و فنون کی اشاعت کی فکر ہوگی، کسی کو تزکیۂ قلوب اور روحانی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کوئی مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کا جائزہ لے گا، کوئی پست خیال افراد کی ترقی کی اسکیم بنائے گا اور کچھ لوگوں میں کسب حلال کی اُمنگ پیدا ہوگی، گویا یہ سارے طبقے مل کر ہر ہفتہ اور کچھ نہیں تو مسلمانوں کی اصلاح کا احساس تو ضرور ہی اپنے اندر پیدا کرینگے اور ہر قلب پر ایک چوٹ سی لگے گی۔

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے نام سے

اس ہفتہ وار اجتماع کے علاوہ سال میں دو مخصوص اجتماع اور بھی ہوا کرتے ہیں ایک کو عید الفطر کہتے ہیں اور دوسرا عید اضحیٰ کے نام سے موسوم ہوتا ہے، ان کا نظام "عیدگاہ" کے نام سے قائم ہے۔ اس کو مسجدوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اور یہ مسجدوں کے نظام سے الگ نہیں کہا جا سکتا، عیدگاہ بہت سے شرعی احکام میں مسجد کے تابع ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ عموماً یہ اجتماع مسجدوں ہی میں ہوتا رہتا ہے، فرق یہ ہے کہ یہ پنج وقتہ نمازوں میں داخل نہیں بلکہ علیحدہ ہے اور سال میں یہ دو نمازیں روزانہ نمازوں سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں شریعت میں ان نمازوں کو وجوب کا درجہ حاصل ہے، اسی وجہ سے اس کے لئے نہ اذان ہوتی ہے نہ تکبیر بقیہ شرائط تقریباً وہی ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں۔

یہ اجتماع ہفتہ وار اجتماع کی نسبت سے ذرا شاندار ہوتا ہے، اس میں اہتمام کچھ زیادہ ہوتا ہے اور عموماً اس کی ادائیگی بجائے مسجد کے باہر میدان میں ہوتی ہے ایک میں صدقۂ فطر کا حکم ہے اور دوسرے میں قربانی کا جس سے غرباء و فقراء کی تھوڑی بہت امداد ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ بھی اس مسرت میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔

ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر جب غور کیجئے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس موقع سے جہاں اور بہت سے فائدے اور مصالح مقصود ہیں وہاں شکوہ اسلام اور شوکت مسلمین کا اظہار بھی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حکم ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور واپسی دوسرے راستہ سے ہو، بلکہ

ایک میں تو باواز بلند تکبیر کا بھی حکم ہے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی مندرج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر عورتوں کے اجتماع کا بھی حکم دیا ہے حتیٰ کہ ان عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم ہے جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء یہی بتاتے ہیں کہ شروع اسلام میں اس سے بڑی حد تک اظہار شان و شکوہ تھا اور اب چونکہ یہ ضرورت اس پیمانہ پر باقی نہیں رہی اس لئے عورتوں کا اجتماع ناپسند کیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ تو اب بھی اس موقع پر خروج نساء کے قائل ہیں، تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اجتماع عیدین کی اہمیت ان اجتماع عیدین سے بھی خیر القرون میں کام لیا گیا ہے اور آج بھی ان سے کام لیا جا سکتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ہم دین کی ان حکمتوں سے واقف نہیں اور یہ کہ اس اجتماع سے کام لینا چھوڑ دیا، آج بھی اگر ارباب فضل و کمال اس طرف توجہ کریں تو ان اجتماع سے ایک بڑی کانفرنس کا کام لیا جا سکتا ہے، دین کی باتوں کی اشاعت بہت ہو سکتی ہے، بہت سے ان مسلمانوں کو جو دین سے ناآشنا ہیں انہیں دین کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

بہرحال آج ہم اپنی غفلتوں کی وجہ سے جو بھی کریں مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجتماع دینی سے بڑا کام لیا تبلیغ و اشاعت میں ان سے آپ کو بڑی مدد ملی ہے، جہاد جیسا اہم کام بھی اس موقع سے آپ نے انجام دیا ہے بلکہ حدیثوں میں اس کا کچھ خصوصیت سے ذکر ملتا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج	نبی اکرم صلعم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ
یوم الفطر والاضحیٰ الی المصلی	تشریف لاتے، سب سے پہلے نماز ادا فرماتے
فاول شئ یبدأ بہ الصلوٰۃ ثم	پھر فارغ ہو کر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور
ینصرف فیقوم مقابل الناس و	لوگ اپنی جگہ بیٹھے ہوتے ان کو نصیحت فرماتے
الناس جلوس علیٰ صفوفھم	اور تاکیدی حکم دیتے اگر لشکر اسلام کی روانگی

Marfat.com

فیعظھم ویوصیھم ویامرھم وان کان یرید ان یقطع بعثا قطعہ او یامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف (بخاری باب الخروج الی المصلی)

کا ارادہ ہوتا تو اس کو روانہ فرماتے، یا کسی ضروری کام کا انجام دینا ضروری ہوتا تو اس کے متعلق حکم نافذ فرماتے، پھر واپس ہوتے۔

ملکی اور دینی کام یہ حدیث کتنی واضح ہے، الفاظ حدیث میں اس اجتماع کے مہتم بالشان ہونے پر کس قدر زور معلوم ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا عظیم الشان مصرف لیا، مجاہدین کی روانگی کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے، کاش اس سے ہم سبق حاصل کریں اور ملکی یا دینی جس طرح کا کام درپیش آئے اس سے مدد لیں، اس وجہ سے اور بھی کہ اس طرح کا اجتماع آج کل آسان کام نہیں اور غالباً اسی حکمت کے پیش نظر عید کا خطبہ نماز بعد رکھا گیا ہے کہ باطمینان تبلیغ و اشاعت دین کا کام انجام پا سکے، بخلاف جمعہ کے کہ وہ نسبتاً جلد جلد ہوتا ہے خطبہ نماز سے پہلے رکھا گیا ہے بلا شبہ یہ بھی بات ہے کہ جمعہ بعد نوافل و سنن ہیں جو عید بعد نہیں ہیں۔

عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر و عمر یصلون العیدین قبل الخطبۃ (بخاری باب الخطبۃ بعد العید)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا فرماتے۔

اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بھی نصیحت فرماتے اور انھیں بھی ان کے فرائض یاد دلاتے تھے۔ حدیث میں یہ واقعہ مصرح ہے ملاحظہ ہو۔

ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ فرأیتھن یھوین الی اذانھن وحلوقھن یدفعن الی بلال ثم ارتفع ھو و بلال الی بیتہ (مشکوٰۃ صلوٰۃ العیدین)

(مردوں سے فارغ ہو کر) آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لاتے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور صدقہ دینے کی تلقین فرماتے راوی کا بیان ہے کہیں عورتوں کو دیکھتا تھا کہ اپنے کانوں اور گردنوں کے زیورات پر جھک پڑتی تھیں اور حضرت بلالؓ کے حوالے کرتی تھیں۔ پھر آپ حضرت بلالؓ کے ساتھ اپنے گھر تشریف لاتے

مسجدِ حرام کا اجتماع عیدِ اضحیٰ کے موقع پر دنیائے اسلام کا عظیم الشان اور بے مثال اجتماع ہوتا ہے اور وہاں ہوتا ہے جو آنحضرت کا مولد ہے۔ جو مقام ابتدائے بنی آدم سے مرجع خاص و عام ہے جو عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں کا قدیم مرکز ہے اور جس کو "سرۃ الارض" (نافِ زمین) کی حیثیت حاصل ہے، یہ دنیائے اسلام کا شیرازہ ہے جس میں سارے فرزندانِ توحید بندھے ہوئے ہیں، چاہے وہ کسی گوشۂ زمین کا باشندہ ہو، اور جس نسل و خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اس نشان دہی سے بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ میری مراد مکہ معظمہ یا دوسرے لفظ میں مسجدِ حرام سے ہے جو روئے زمین کی پہلی مسجد ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔

اسلامی عالمگیر کانفرنس اسی مسجدِ حرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اوّل یوم سے یہ انسانوں کا مرجعِ عام رہی اور جب سے عالم میں اسلام کی نورانی کرنیں پھیلیں ہر سال یہاں "اسلامی عالمگیر کانفرنس" ہوتی ہے جس میں پورب سے لے کر پچھم اور اُتر سے لے کر دکھن تک کے اسلامی نمائندے شریک ہوتے ہیں اور ایک مقام اور ایک تاریخ میں جمع ہو کر اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور جمع بھی ہوتے ہیں کس شان سے؟ کہ ان سب کی سرکاری زبان ایک ہوتی ہے سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہوتی ہے، سب کی آواز اور پکار بھی تقریباً ایک ہی ہوتی ہے، یہاں ملک و قوم کا سوال مٹ جاتا ہے، نسب و نسل کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے، ایک رشتہ سارے رشتوں پر غالب ہو جاتا ہے مختصر یہ کہ سب ایک خاندان کے افراد بن کر جمع ہوتے ہیں۔

کون سا ایسا کام ہے جو اس عظیم الشان تاریخی اجتماع سے انجام نہ پا سکے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالمی مجلس سے بڑا کام لیا ہے مکی زندگی میں بھی اور مدنی دورِ حیات میں بھی، اسی اجتماع کی برکت سے اول اول اسلام مدینہ منورہ پہنچا تھا، اور وہاں پہنچ کر پورے عالم پر چھایا تھا، آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس عالمی اجتماع سے کام لیا، سیاسی بھی

Marfat.com

اور دینی بھی، اور صحابۂ کرام کے بعد بھی ہر دور میں محدثین اور علماء نے اس اجتماع سے فائدہ اُٹھایا جس کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے۔

اشاعت و تبلیغ کا موقعہ | آج بھی ہم اس اجتماع سے دینی اور دنیاوی فائدے حاصل کر سکتے ہیں یہاں اشاعت دین کا بڑا اچھا موقع ہے۔ لوگ سب سے علیحدہ ہو کر صرف دین کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور سب سے کٹ کر ایک مقصد کے لئے دور دراز سے چل کر آتے ہیں، خدا کرے مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور "نظام مساجد" کے ان اہم شعبوں پر غور و فکر کرے۔ اسی مسجد حرام کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے" وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا" (بقرہ ۱۵۰) اور اسی کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ربانی ہوا تھا" وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (حج ۳)

دعوت اجتماع

اب تک جو لکھا گیا وہ نظامِ اجتماع اور نظم جماعت یا ان کی افادیت پر۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ اس قدرتی اجتماع کے لئے دعوت کیسے دی جاتی ہے اور شریعت مطہرہ نے اس کے لئے بھی کس قدر دلنشین طریقہ مقرر کیا ہے، یہ نظامِ دعوت بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے، اور یہ اپنے بے شمار فائدے کے پیش نظر تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔

ضرورتِ اذان | نظام اجتماع میں یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جماعت کی نماز ہی کامل نماز کہی جاتی ہے اور قرآن پاک نے اسی نماز کا ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ بلاشبہ نماز کے وقت مقرر و متعین ہیں مگر وقت اتنا محدود نہیں کہ صرف اس میں وہی نماز ادا کی گئی اور وقت ختم ہو گیا، بلکہ ہر ایک نماز کا وقت کچھ نہ کچھ وسیع ہے، اس لئے اس کی ضرورت پڑی کہ کوئی ایسا ہو جو اس متعین وقت کے اس حصہ کی خبر دے جس میں جماعت ہو گی، اور اس طرح دے کہ محلہ بھر میں خبر پہنچ جائے۔

Marfat.com

اذان کی ابتداء چنانچہ اس مسئلہ پر پہلے پہل عہدِ رسالت میں مشورہ ہوا، جس مجلسِ مشاورت میں صحابۂ کرام رضؓ کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی، کسی نے کہا کہ آگ روشن کر دی جائے، کسی نے نرسنگھا پھونکنے کی تجویز پیش کی اور کسی نے ناقوس کا مشورہ دیا، آپ نے ان مشوروں میں سے کسی کو منظور نہیں فرمایا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک غیر کے طریقہ کی پیروی تھی۔ مجوس آگ جلاتے ہیں، یہود نرسنگھا پھونکتے ہیں اور عیسائی ناقوس بجاتے ہیں، گویا اس مجلس میں کوئی بات طے نہ پا سکی۔[1] لوگ منتشر ہو گئے۔

اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے بھی نقل کیا ہے جس کے راوی عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ لکھا ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا، لوگوں نے وہی تجویزیں پیش کیں جو گزریں حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ	کیوں نہیں کسی کو بھیجدیتے کہ نماز کے لئے پکار دے
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے حضرت بلال سے
یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ (مشکوٰۃ باب الاذان)	فرمایا جاؤ نماز کے لئے آواز دے دو۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے ایک خواب دیکھا، جس میں ان کو کلماتِ اذان و واقامت سکھائے گئے، انھوں نے اپنا یہ خواب آنحضرت صلعم کی خدمت میں بیان کیا، آپ نے اس خواب کی تصدیق فرمائی، خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔ ناقوس فروخت کرو گے، ناقوس والے نے مقصد دریافت کیا، انھوں نے کہا۔ نمازیوں کو بلاؤں گا، اس نے کہا تم کہو تو اس کام کے لئے اس سے اچھی شکل بتلا دوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا ہے سکھلا دو۔ اس مرد خدا نے اذان و اقامت کے کلمات مرتب طور پر بتلائے۔ یہ جب نیند سے بیدار

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الاذان۔ ج ۱ ص ۱۹۱

Marfat.com

ہوئے، آپ کی خدمت میں آئے، واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا "انھا لرؤیا حق ان شاء اللہ" خدا نے چاہا تو یہ خواب حق ہے۔ جاؤ بلال رضی اللہ عنہ کو جو تم سے بلند آواز ہیں ان کو بتلاؤ اور وہ ان کلمات کو پکاریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آواز کو جب سنا اپنی چادر کھینچتے ہوئے حاضر ہوئے اور فرمانے لگے۔

یارسول اللہ والذی بعثک بالحق لقد رایت مثل ما اُری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فللہ الحمد (مشکوٰۃ باب الاذان)	یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی وہی دیکھا جو ان کو دکھلایا گیا، یہ سن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

کلماتِ اذان کی حیثیت اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ احکامِ شرعیہ کا مدار حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے..... حکمت الٰہیہ کا تقاضہ ہوا کہ اذان صرف اعلام اور آگاہی ہی نہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعائر دین میں ایک مستقل شعار بھی ہو، اس طرح سے جو لوگ غافل ہوں یا خبردار لیکن مسجد سے دُور رہتے ہیں ان کے سروں پر پکار دی جائے، اور اس شعار دین کی عزت و توقیر کی جائے، اور جو جماعت اسے قبول کرے، اس کے متعلق یہ علامت قرار پا جائے، کہ یہ دین الٰہی کے تابع اور اس کے منقاد ہیں، اور یہی وجہ ہوئی کہ کلمات اذان ذکر اللہ اور شہادتین سے مرتب ہیں اور ان میں ایسے کلمات بھی ہیں جن میں صراحتاً نماز کی طرف دعوت پائی جاتی ہے[1]

اذان کی تاریخ اذان کی ابتداء کب ہوئی؟ اس میں محققین علماء حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ دارالہجرت مدینہ منورہ میں ہوئی[2]، جیسا کہ اس طرف اشارہ اوپر کی روایت میں گزر چکا ہے، قرآن کی جن آیتوں میں اذان کا ذکر ہے وہ بھی مدنی ہی ہیں۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (مائدہ - ۹)	اور تم جب نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ - الاذان ج ۱ ص ۱۹۱
[2] فتح الباری باب بدأ الاذان -

مفسرین نے شانِ نزول جو بیان کیا ہے اُس میں نصرانی یا یہودی کا نام لیا ہے کہ وہ تمسخر کیا کرتے تھے۔ مدینہ کا جو نصرانی "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہ" پر "قد حرق الکاذب" (جھوٹا جل جائے) کہتا تھا اس کا پورا گھر جل کر ہی مرا[1]

دوسری آیت یہ ہے اور یہ بھی مدنی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ الخ (جمعہ۔۲)

اے ایمان والو! نماز کے لئے جب اذان پکاری جائے۔

اس کے بعد شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، یہ بات البتہ تحقیق طلب ہے کہ اذان کی مشروعیت کیا صرف عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب ہی پر ہوئی؟ یا اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی بھی آئی۔ جواب یہ ہے کہ آپ کے پاس وحی بھی آئی اور وحی پیشتر آئی۔[2]

اذان کی عظمت اذان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شعار دین ہے جس کی وجہ سے دار، دار الاسلام کے حکم میں ہو جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں اذان سُن لیا کرتے، رک جاتے، حملہ نہیں کرتے، دوسرے یہ کہ یہ اذان شعبہائے نبوت سے ایک شعبہ ہے، اس لئے کہ اس میں ایک عظیم الشان عبادت اور ایک مہتم بالشان رکن کی طرف ترغیب پائی جاتی ہے، خیر متعدی اور اعلاء کلمۂ حق میں اللہ تعالے کی جو خوشنودی ہے کسی اور چیز میں نہیں، اس میں شیطان کی سوزش بھی خوب ہے، اسی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ "ایک فقیہ شیطان کے حق میں ہزار عبادت گزار سے سخت ہوتا ہے۔" اور جب نماز کے لئے اذان پکاری جاتی ہے تو شیطان بے تحاشا بھاگتا ہے۔[3]

اذان کو مسجد کے اجتماع میں بڑا دخل ہے اسی وجہ سے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعار دین میں داخل فرمایا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

---

[1] بیان القرآن۔ ج ۳ ص۱۲ بحوالہ ابن جریر وغیرہ [2] فتح الباری باب بدأ الاذان۔ [3] حجۃ اللہ البالغہ ۱ ص۱۹۱

كان النبي صلى الله عليه وسلم يغير اذا طلع الفجر وكان يستمع الاذان فان سمع اذانا امسك والا اغار رواه المسلم (مشکوٰۃ باب فضل الاذان)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہوتی تو چھاپہ مارتے اور کان لگا کر اذان سنتے، اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔

انہی حضرت انس رضؓ کا ایک اور بیان ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم اذا غزا بنا قوما لم يكن يغز وبنا حتى يصبح وينظر اليهم فان سمع اذانا كف عنهم وان لم يسمع اذانا اغار عليهم (مشکوٰۃ باب الکتاب الی الکفار)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو لے کر غزوہ کے لئے نکلتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی اور ان کو دیکھ نہ لیتے حملہ نہ کرتے، اذان سنتے تو رک جاتے اور نہیں سنتے تو حملہ آور ہوتے۔

اذان شیطان کے لئے اذان چونکہ نمازیوں کے لئے مسجد آنے کی دعوت ہے اور شیطان اس کار خیر کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس بندگی کو کوئی ادا نہ کرے اور وہ ہمیشہ وسوسہ کی فکر میں رہتا ہے، اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس اذان میں ایسی تاثیر رکھی ہے جس سے شیطان پناہ مانگتا ہے، یہ اس پر بجلی کا اثر رکھتی ہے حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں:۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الشيطان اذا سمع النداء بالصلوٰة ذهب حتى يكون مكان الروحاء (مشکوٰۃ فضل الاذان)	میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا۔ نماز کی اذان جب شیطان سنتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے تا آنکہ مکان روحاء پر رکتا ہے۔

راوی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مقام روحاء۔ مدینہ سے چھتیس میل کی دوری پر واقع ہے، ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اذان سنتے ہی وہ پریشان اور گھبرا کر چلا بنتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اذان نہ سن سکے، اذان جب ختم ہوتی ہے تو پھر پلٹ کر آتا ہے، تکبیر کے وقت پھر چلا بنتا ہے، اس کے بعد آکر وسوسہ پیدا کرتا ہے اور بھولی ہوئی بات

یاد کراتا ہے تا آنکہ تعداد رکعت میں نمازی احتمال میں پڑ جاتا ہے کہ کتنی رکعت ہوئیں [1]

علمی بحث اور اس کا جواب اس حدیث کو نقل کرکے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے ایک اعتراض کیا ہے اور خود ہی جواب دیا ہے۔ اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان اذان سے تو بھاگتا ہے مگر کیا وجہ ہے تلاوت قرآن اور نماز سے نہیں بھاگتا۔ حالانکہ ان دونوں کا درجہ نسبتاً بڑھا ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کلمات اذان میں ایک ایسی عظمت اور ہیبت رکھی ہے جو اس کو خوف زدہ اور مرعوب کردیتی ہے، پھر اذان نماز سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ نماز کا مقدمہ ہے، ہاں اتنی بات البتہ ہے کہ اس میں عُجب وریا نہیں بخلاف نماز و تلاوت قرآن کے کہ یہ دونوں اپنی غایت فضیلت کی وجہ سے آدمی کو عُجب وریا میں ڈال دیتی ہیں جس سے شیطان کو وسوسہ کا راستہ مل جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اذان میں خاصیت رکھی گئی ہے [2]

حافظ ابن حجر رح نے بھی اس سلسلہ میں مختلف جواب نقل کئے ہیں، چنانچہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیطان اس لئے اذان سے بھاگتا ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی نہ دینی پڑے، کیونکہ جو بھی موذن کی آواز سنتا ہے جن ہو یا آدمی مگر اس کو گواہی دینی پڑتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اذان سے متنفر ہو کر بھاگتا ہے [3]

مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مجرم جتنا تھانیدار اور سپاہیوں سے ڈرتا ہے منصف اور جج سے نہیں ڈرتا۔ جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چور یا جو بھی مجرم ہوتا ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہاں ذرا بات بگڑی پٹائی شروع ہو جائے گی، مگر کمرۂ عدالت میں یہ بات نہیں ہے وہ قانون کے تحت ہی فیصلہ لکھے گا اور پھر اس پر عمل ہوگا، حالانکہ سب کو معلوم ہے اپنے عہدہ میں منصف اور جج تھانیدار اور سپاہی سے بہت اونچے عہدہ کا مالک ہے۔

اذان شعار دین ہے اذان اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے دین کا شعار قرار پائی اور ایسا شعار دین کہ

[1] مشکوٰۃ باب الاذان۔ [2] اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۱۷۱۔ [3] فتح الباری ج ۲ ص ۵۵

Marfat.com

اگر کوئی آبادی اسے ترک کردے تو اُس سے قتال اور جہاد کا شریعت حکم دیتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

ان الاذان شعار الاسلام وانہ	بلاشبہ اذان شعار اسلام ہے اور
لایجوز ترکہ وان اھل البلد اجتمعوا	اس کا ترک جائز نہیں ہے اور اگر اہل
علیٰ ترکہ کان للسلطان قتالھم	شہر اس کے ترک پر اجماع کرلیں، تو
علیہ (فتح الباری ج ۲ صـ۶۱)	سلطان ان سے لازمی طور پر قتال کریگا۔

ترکِ اذان پر قتال کا حکم بے وجہ نہیں ہے۔ ابن الہمامؒ تحریر فرماتے ہیں۔

لما یلزم الاجتماع علیٰ ترکہ من	ترک اذان پر اتفاق چونکہ ان کی طرف سے
استخفافھم بالدین بخفض اعلامہ	دین کا استخفاف ہے اور دین کے علم کو گرانا ہے
لان الاذان من اعلام الدین۔ (فتح القدیر)	اس لئے کہ اذان دین کی نشانیوں میں ہے۔

ترکِ اذان باعث قتال ہے اور کھلی بات ہے جو دین کی نشانی کو مٹائے اور دین کی خفت پر اُتر آئے اس کو دین سے تعلق اب باقی نہ رہا، لہٰذا وہ اسی قابل ہے کہ اُس پر اسلامی فوج ٹوٹ پڑے بعض علماء نے لکھا ہے اذان چھوڑنے کی صورت میں پہلے اہل شہر کو زدوکوب کیا جائے گا اور قید۔ اور ابھی جو نقل کیا گیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس پر اسلامی فوج بھیجی جائیگی مطلب یہ ہے اگر وہ قبضہ میں ہوں اور دباؤ قبول کریں تو پہلے ضرب وحبس کو عمل میں لایا جائیگا اور خدا نخواستہ اس پر بھی سرکشی پر قائم رہیں اور اذان کے حکم کو قبول نہ کریں تو پھر جہاد کرکے اس کو قبضہ میں لانے کی سعی کی جائے گی اور سزا دی جائے گی۔

فان المقاتلۃ انما تکون عند الامتناع	مقاتلہ اس وقت ہے جب وہ حکم نہ قبول کریں
وعدم القھر والضرب والحبس انما	دباؤ سے باہر ہوں اور دباؤ میں جب ہوں
یکون عند قھرھم فجاز ان یقاتلوا	تو مار پیٹ اور قید کرنا ہے اور جب باز نہ آئے
اذا امتنعوا عن قبول الامر بالاذان و	ماننے اور اذان کے دینے سے انکار کریں اور مانعی قبول

Marfat.com

لم یسلموا انفسھم فاذا قوتلوا فظھر	نہ کریں تو قتال جائز ہے، قتال کے بعد جب
علیھم ضربوا وحبسوا -	غلبہ حاصل ہوگا تو ان کو پیٹا جائے گا
(فتح القدیر ج ۱ ص ۹۳)	اور قید کیا جائے گا۔

معلوم ہوا، اس شعارِ دین کو جو اگرچہ سنت موکدہ ہے، قائم و دائم رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس کا ترک اجتماعی طور پر کسی وقت بھی جائز نہیں ہے۔

موذن کی حیثیت جس شعارِ اسلام کی اہمیت کا یہ عالم ہے بلاشبہ جو ان کلمات کو رات دن ادا کرے گا اُس کا رتبہ بھی بلند ہوگا۔ بلال حبشیؓ کو تاریخ اسلام میں جو مرتبہ حاصل ہے اُس سے کون واقف نہیں مگر معلوم ہے یہ کون تھے؟ مسجد نبوی کے خاص موذن تھے، یہ جب کلماتِ اذان پکارتے تو آواز میں غضب کی تاثیر ہوتی، جو دلوں پر بجلی کا کام کرتی تھی، صحابۂ کرامؓ کی جماعت میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، مؤذن کی حیثیت ان حدیثوں میں ملاحظہ کیجئے۔

المؤذن اطول الناس اعناقا	موذن قیامت کے دن لوگوں
یوم القیامۃ - رواہ مسلم (مشکوٰۃ)	میں بلند گردن ہوگا۔
لا یسمع مدی صوت المؤذن	جو بھی جہاں اذان کی آواز سنتا ہے
جن ولا انس ولا شئ الا شھد لہ	جن ہو یا انسان یا کچھ اور مگر وہ قیامت
یوم القیامۃ (بخاری)	کے دن موذن کے لئے گواہی دے گا۔
المؤذن یغفر لہ مدی صوتہ و	جہاں تک آواز جاتی ہے موذن کے لئے وہ
یشھد لہ کل رطب ویابس ولہ	مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ہر تر، خشک
اجر مثل من صلّی -	اس کی گواہی دیں گے اور اس کو نمازی کے برابر
(مشکوٰۃ)	اجر ملے گا۔ (جو اس کی آواز پر آتے ہیں)

مؤذن جس طرح اذان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت

Marfat.com

کا ترانہ گاتا ہے، اسی طرح کا اس کو اجر بھی رب العزت مرحمت فرمائیں گے کہ قیامت کے دن یہ تمام پر بلند ہوگا، اس کو امتیازی شان حاصل ہوگی اور وہ ساری کائنات جس نے اس کی آواز سُن لی ہے اس کے حق میں گواہی دے گی، یہ وہ اجر ہے جو حدیثوں میں مذکور ہے اور شاید اللہ تعالےٰ ان کے علاوہ بھی عظیم الشّان بدلہ عطا کرے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لو یعلم الناس ما فی النداء والصف	صف اول اور اذان دینے کی فضیلت
الاوّل ثم لم یجدوا الّا ان یستھموا علیہ	لوگوں کو معلوم ہو جائے تو قرعہ کی نوبت
لاستھموا۔ رواہ البخاری والمسلم (مشکوٰۃ)	آئے تو بھی حاصل کریں۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر موذن نے حسبۃً للہ خوشنودیِ الٰہی کی خاطر کچھ دنوں مسلسل اذان دی تو اس کو دوزخ کی آگ سے خلاصی مل جائے گی۔

من اذن سبع سنین محتسبا کتب	حسبۃً للہ جو شخص سات سال اذان دے گا
لہ براءۃ من النار (مشکوٰۃ)	اس کے لئے دوزخ سے برأت لکھ دی جائے گی۔

اذان پر اُجرت | اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اذان پر اُجرت قبول نہ کرنی چاہیئے، حدیث میں صراحۃً بھی آیا ہے کہ موذن اس کو رکھو جو اذان پر اُجرت نہ لے[1]

یہیں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اذان کی اجرت کے متعلق فقہاء اور علماء کا کیا فیصلہ ہے اور اسی کے ضمن میں امام کے مشاہرہ کے متعلق بھی بات طے ہو جائے۔

موذن کے متعلق ابھی گزرا کہ ایسا ہو جو اپنا بدلہ خدا سے چاہتا ہو، آدمی سے نہ وصول کرے اور اسی پر آگ سے برأت کی خوشخبری ہے۔

متقدمین نے عبادات پر اُجرت کی اجازت نہیں دی ہے، اور متاخرین نے حالات کے پیش نظر اجازت دی ہے، دونوں جماعتیں اپنے زمانہ کے حالات و واقعات سے متاثر ہیں، کوئی

[1] ابوداؤد باب اخذ الاجر علی التاذین ۱۲

Marfat.com

شبہ نہیں کہ متقدمین کا فیصلہ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں زیادہ انسب ہے مگر دین سے جب بے رغبتی بڑھ گئی اور علماء نے دیکھا کہ اُجرت کی اجازت نہیں دی جاتی تو رہا سہا دین بھی جاتا رہے گا دوسرے معاوضہ کی شکل بڑی حد تک جواز کے حدود میں آتی ہے، تو اجازت دے دی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح نے اس پر ایک جامع تحریر لکھی ہے، فرماتے ہیں :۔

"امامت، اذان اور خطبہ دینے پر اُجرت قبول کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے یہ سب امور عبادات میں داخل ہیں اور عبادات پر معاوضہ ثواب کے لئے مُبطِل (ضائع کر دینے والا ہے) لہٰذا جائز نہیں ہو سکتا، دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ان خاص عبادات (نفس عبادت) پر اُجرت نہیں لی جاتی ہے بلکہ یہ اُجرت تو اس لئے ہے کہ ان کو مخصوص مقام اور متعین وقت میں یہ پابندی ادا کرایا جاتا ہے، اور یہ مسلم بات ہے کہ جگہ اور وقت کی خصوصیت عبادت نہیں ہے، اور نہ یہ شرط عبادت میں داخل بلکہ یہ بالکل خارج چیز ہے۔ لہٰذا اجرت اس پابندی پر جائز ہو گی۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سابق زمانہ میں ائمہ، موذنین، اور خطیب ان کاموں کو حسبتہً للہ انجام دیتے تھے، چنانچہ یہ کام قاضی، مفتی، محتسب اور عامل بھی کرتے تھے اور لوجہ اللہ کرتے تھے۔ خلفاء راشدین اور منصف سلاطین نے دیکھا کہ ایک جماعت نے اپنی خدمت ان عبادات کے لئے وقف کر رکھی ہے تو ان کے لئے بقدر معاش بیت المال سے وظیفہ جاری کر دیا، جو بطور امداد و اعانت جاری ہوا، معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہ ہوا تھا، لیکن بتدریج یہ شعبہ بھی شعبۂ معاش بن گیا، اور امداد و اعانت معاوضہ اور اجرت میں تبدیل ہو گئی، اسی وجہ سے یہ ذریعۂ معاش اس موجودہ دور میں مشکوک بلکہ قریب بہ حرمت ہے، حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے"[1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات لکھی ہے اس کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے

[1] تفسیر عزیزی (فتح العزیز) پارہ اول ص ۱۲۵

Marfat.com

کہ اگر اب بھی معاوضہ اور اجرت کے نقطۂ نظر سے نہ دے بلکہ امداد و اعانت کے طور پر دیا جائے تو جائز ہے مگر حالات کے پیش نظر احتراز اولیٰ ہے۔

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں لکھتے ہیں:۔

"اگر اذان و امامت وغیرہ کی وجہ سے امام و موذن وغیرہ دوسرے ذریعہ معاش سے محروم ہے تب تو اس کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اور اگر یہ ذمہ داریاں دوسرے ذریعہ معاش میں حارج نہیں ہیں تو مشاہرہ قبول نہ کرنا چاہیئے"[1]

موجودہ دور میں اذان

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ موذن کو حتی الوسع اجرت سے بچنا چاہیئے، مگر کیا کیا جائے ہمارے زمانہ میں اذان دینا کسر شان ہے، بڑے لوگ اذان دینے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو مشاہرہ موذن کی نوبت ہی نہ آتی، خوش حال لوگوں نے دین غریبوں کو بخش دیا ہے اور خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں، جس اذان اور اذان دینے والے کی اتنی عظمت ہو، دین کے ماننے والے اس کو عار سمجھیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حالانکہ یہ وہ مرتبہ ہے جو پہلے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور ذی ثروت اصحاب نے بخوشی قبول کیا ہے اور اسی میں اپنی پوری زندگی گذار دی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بحث ہے کہ اذان دی یا نہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ نے خود بھی اذان دی ہے، اور ترمذی کی روایت اس کی شہادت میں پیش کرتے ہیں، اس جماعت میں نووی اور سہیلی جیسے بزرگ ہیں۔ اگرچہ صحیح یہی ہے کہ آپ نے بذات خود اذان نہیں دی ہے۔ ترمذی کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے حکم سے بلال رض نے اذان دی۔ مسند احمد میں یہ واقعہ مصرح ہے[2]۔ پھر بھی یہ بات تو نہیں ہے کہ آپ نے موذن کے لئے فضائل نہ بیان کئے ہوں بلکہ دعاء فرمائی ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ — اے اللہ امام کو رشد و ہدایت عطا فرما اور

[1] ردالمحتار ج ۵ ۔ [2] شرح سفر السعادت ص۲۴ و اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص۲۷۲

للموذنین (ابوداؤد باب یجیب علی المؤذن) مؤذنوں کو بخش دے۔

اور مؤذن کے رتبہ کا بیان خود آپ کی زبان مبارک سے پہلے گذر چکا۔

اذان کا جواب اس مرتبہ کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام نے یہ پسند نہ کیا کہ کوئی اس سے محروم رہے بلکہ سب اس کا ثواب حاصل کرلیں اور اپنی زبان سے دہرا کر ہدایتِ الٰہی کے قبول کرنے کا اقرار کرلیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات کو دہرانے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو دل سے ان کلمات کو دہرائے گا جنت میں داخل ہوگا۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے، حضرت بلالؓ نے کھڑے ہوکر اذان پکاری، جب اذان ہوچکی تو آپ نے فرمایا۔

من قال مثل هذا یقینًا دخل الجنة (مشکوٰۃ باب الاذان) جو یقین کے ساتھ اسی طرح کہے جنت میں داخل ہوگا۔

اذان کے بعد دعاء اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو اذان سن کر دہرائے پھر اس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھے اس کے لئے بڑا درجہ ہے اور امید ہے کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔[2]

اذان کے تمام کلمات تو ہو بہو وہی کہے جائیں گے، صرف حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے گا اور صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دوسرا مرتبہ "الصلاۃ خیر من النوم" کہا جاتا ہے، اس کے جواب میں سننے والا "صدقت وبررت وبالحق نطقت" کہے گا۔

یہ جواب ہر وہ شخص دے گا جس کے لئے کوئی مانع شرعی نہ ہو جیسے پائخانہ میں نہ ہو، جماع کرتا نہ ہو، پیشاب کرتا نہ ہو، اور اسی طرح نماز میں نہ ہو وغیرہ وغیرہ، جب اس سے فارغ ہوکر پاک ہولے تو کہہ سکتا ہے۔ معذورین میں خطبہ سننے والا تعلیم وتعلم میں مشغول، کھانا کھانے والا، حیض ونفاس میں مبتلا عورت بھی داخل ہے، ان پر جواب واجب نہیں۔

---

[1] مسلم وابوداؤد باب مایقول اذا سمع المؤذن۔ [2] مسلم شریف۔

Marfat.com

کلماتِ اذان کی طرح اقامت (تکبیر) کے کلمات بھی دہرائے جائیں گے، وہاں "قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب میں کہا جائے گا۔ "اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا"[1]

آپ نے دیکھا کلماتِ اذان و اقامت کی کتنی فضیلت ہے، اور ان کلمات پر غور کیجئے تو ان کی عظمت کا اور بھی یقین راسخ ہوتا چلا جائے۔

آدابِ اذان اس دعوتِ اجتماع میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ غور سے پڑھنے کے لائق ہے اب کچھ آداب بھی لکھے جاتے ہیں، جن سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑے گی۔

(۱) کلمات اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے جائیں گے اور کلماتِ اقامت جلد جلد، مگر جملوں کی ادائیگی میں ایسی جلدی نہ ہو کہ تلفظ بگڑ جائے (۲) موذن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کے مستحب اوقات اور سمتِ قبلہ سے واقف ہو۔ (۳) اذان پکارنے میں اتنا نہ چیخے کہ حلق کو نقصان پہنچے۔ (۴) اگر کوئی اس کی عدم موجودگی میں اذان پکار دے تو غصہ نہ ہو (۵) اذان خوش آوازی سے پکارے مگر لحن کی حد کو نہ پہنچے (۶) اذان حسبۃً للّٰہ دے، کسی پر احسان نہ جتلائے نہ معاوضہ لے۔ (۷) نیکی اور بھلی بات کا حکم دے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے اور کلمہ حق کے کہنے میں امیر و غریب کی امتیاز نہ کرے (۸) امام کا اس قدر انتظار کرے جو قوم کے لئے گراں نہ ہو (یعنی وقت مقررہ کے بعد) (۹) مسجد میں کوئی اس کی جگہ پر بیٹھ جائے تو غصہ نہ ہو (۱۰) اذان و تکبیر کے درمیان اتنی لمبی نماز نہ پڑھے کہ نمازی گھبرا جائیں (۱۱) مسجد کی ہر طرح حفاظت کرے۔ (۱۲) موذن مرد ہو، عاقل ہو اور مسائل ضروریہ سے واقف ہو۔ (۱۳) متقی اور دیندار ہو۔ (۱۴) لوگوں کے حالات سے واقف ہو اور جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کو تنبیہ کر سکے مگر اس وقت جبکہ اذیت کا خوف نہ ہو۔ (۱۵) بلند آواز ہو۔ (۱۶) اذان پابندی سے دے (۱۷) اذان اونچی جگہ سے پکاری جائے تاکہ آواز دور تک جا سکے (۱۸) مسجد میں اذان نہ دی جائے ماذن نہ ہو تو اس پر چڑھ کر، ورنہ خارج مسجد سے (۱۹) اذان الفاظ ماثورہ کے ساتھ عربی زبان میں

---

[1] ابوداؤد باب مایقول اذا سمع الاقامۃ ۱۲

دی جائے۔ کوئی لفظ بڑھنے نہ پائے۔ (۲۰) غیر عربی میں اذان نہیں دیجا سکتی (۲۱) اذان اور تکبیر میں منہ قبلہ کی جانب ہو، ترکِ قبلہ مکروہ ہے (۲۲) حی علی الصلاۃ پر دائیں اور حی علی الفلاح پر بائیں طرف چہرہ پھیرے مگر اس طرح کہ قدم اپنی جگہ جمے رہیں (۲۳) دونوں کانوں میں دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ڈالے (۲۴) اذان اور تکبیر میں فصل نہ کرنا مکروہ ہے (۲۵) ان دونوں کے درمیان کم از کم دو رکعت یا چار رکعت کی مقدار فصل کرنا چاہیئے۔ اور ہر رکعت کی مقدار اتنی ہو کہ دس آیتیں پڑھی جاسکیں (۲۶) اذان میں بات چیت نہ کرے ورنہ پھر سرے سے کہنی ہوگی (۲۷) اذان نماز کے اوّل وقت میں پکاری جائے تاکہ نمازی آسانی سے مسجد آسکیں (۲۸) اذان کے بعد نمازیوں کا انتظار کیا جائے گا مگر محلہ کے باثروت اور رئیسوں کا انتظار نہ کیا جائے گا (۲۹) اذان پنج وقتہ فرائض اور جمعہ کی نماز کے لئے دی جائے گی۔ نوافل، سنن، واجبات اور دوسری نمازوں کے لئے اذان نہیں ہے (۳۰) کھڑے ہو کر اذان پکاری جائے، بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے۔ (۳۱) سوار کی اذان مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ مسافر ہو (۳۲) ایک موذن ایک ہی مسجد میں اذان دے ایک کا متعدد مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے (۳۳) مغرب کی اذان کے بعد تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت کے مقدار ٹھہرا جائے (۳۴) اذان کے کلمات میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو ترتیب ٹھیک کر لی جائے گی[1] (۳۵) مشہور ہے کہ اذان نماز کے لئے مسجد میں بائیں جانب سے ہو اور اقامت (تکبیر) داہنی طرف سے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں (۳۶) بعض لوگ اذان کے سامنے سے یا دعاء کے سامنے سے نکلنا ناجائز سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں (۳۷) شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالنے کی جگہ صرف کان کے اوپر رکھ لینا کافی نہیں[2]

---

[1] تنبیہ الغافلین لفقیہہ ابی اللیث و عالمگیری باب الاذان و فتح القدیر لابن الہمام باب الاذان سے ماخوذ ۱۲

[2] اغلاط العوام مصنفہ مولانا تھانوی رح کے الفاظ ہیں ۱۲

Marfat.com

قدرتی نظام وحدت

نظم جماعت کا نفع تشنہ تکمیل رہ جاتا اگر اس کی شیرازہ بندی عمل میں نہ آتی مگر حضرت حق جل مجدہٗ کی حکمت بالغہ ایسا کیونکر کر سکتی تھی چنانچہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل جیسی چاہئے تھی رب العزت نے فرمادی، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کے ایک ایک شعبہ کو اجاگر اور مستحکم فرمادیا اور اس طرح امامت صغریٰ کے سلک گہر میں نظم جماعت کو منظم و منضبط کر کے امامت کبریٰ کی شاہراہ قائم فرما گئے تاکہ دینی نظام سے دن رات دنیاوی نظام حیات کا سبق تازہ ہوتا رہے، اور منتشر اور پراگندہ افراد کو اجتماعی زندگی کی پوری مشق ہو جائے۔

نظام وحدت اور یکجہتی کی جو مثال مسجدوں کے اس دینی نظام میں ملحوظ رکھی گئی ہے کہیں اور نہیں مل سکتی۔ توحید کا نظارہ اور اس کی نورانی شعاعیں جو یہاں پائی جاتی ہیں وہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہو سکیں گی۔

امامت و اجتماعیت

مسجدوں کے اس قدرتی نظام میں جو مضبوطی اور استحکام ہے اور انفرادی زندگی کو جس طرح عمل سے روکا گیا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، کوئی ایسا سوراخ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے جہاں سے متفردانہ زندگی کا چشمہ پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نافذ فرمادیا ہے کہ کہیں تین یا دو شخص بھی ہوں تو بھی ان میں سے ایک کو اپنا امام منتخب کر لیا جائے۔

اذا کانوا ثلثۃ فلیؤمھم احدھم و احقھم بالامامۃ اقرأھم (مسلم باب من احق بالامامۃ ج ۱ ص ۲۳۶)	تین ہوں تو بھی ان میں کے ایک کو امامت کرنی چاہئے اور حق امامت بڑے عالم کو ہے۔

Marfat.com

تین کی قید اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہوں تو لوگوں کو چاہیئے کہ ایک کو پیشوا منتخب کرلیں اور اس کو منتخب کریں جو قرآن اور دین کا زیادہ علم رکھتا ہو، حضرت مالک بن الحویرثؓ ایک مرتبہ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے سفر کے تذکرہ پر آپ نے ان کو حکم فرمایا۔

اذا سافرتما فاذنا واقیما ولیؤمکما	تم دونوں جب سفر کرو تو سفر میں نماز کے لئے
اکبرکما (بخاری)	اذان پکارو، اقامت کہو اور جو بڑا ہو امامت کرے

نظامِ وحدت کا استحکام پیشوا بنایا جائے تو اس طرح کہ اس کی ہر حرکت و سکون کی پیروی کی جائے وہ جب مالک حقیقی کے روبرو مناجات کرے تو سب کے سب خاموشی سے ہمہ تن گوش ہو کر سنیں، اور باادب سیدھے کھڑے رہیں، وہ جب اس کی یا عظمت ربوبیت کے آگے جھکے تو بے چون و چرا سب جھک جائیں اور اس کی عظمت و ربوبیت کا بار بار اقرار کریں اور وہ جب پھر سر اٹھا کر سجدے میں گر جائے، تو بلا پس و پیش ایک ایک فرد اپنی اپنی اونچی پیشانی اس کے آگے ڈال دے اور اپنی عاجزی اور اس کی صفتِ علو کا عملی طور پر اعلان کرے۔ مختصر یہ کہ باضابطہ اس کی پیروی کی جائے کیونکہ ارشادِ نبوی ہے۔

انما جعل الامام لیوتم بہ	امام تو بس اسی لئے بنایا گیا ہے
(بخاری باب انما جعل للامام الخ)	کہ اس کی پیروی کی جائے۔

پیروی اور اقتدا نام ہی اس کا ہے کہ امام جو بھی کرے، ہو بہو اس کی پیروی میں وہی مقتدی اور پیروکار بھی کرے اپنے امام سے پہلے کوئی بھی مقتدی جنبش نہیں کرسکتا، اور نہ کسی حرکت و سکون میں اس کی مخالفت کی اس کو گنجائش ہے۔

لاتبادروا الامام اذا کبر فکبروا اذا	امام پر سبقت نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر
قال ولا الضالین فقولوا آمین و	کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو آمین کہو،
اذا رکع فارکعوا اذا قال سمع اللہ	اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، اور جب

لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد — سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

(مسلم باب ائتمام الماموم بالامام ج ۱ ص۱۷۷)

نظامِ وحدت کی مخالفت خدانخواستہ کسی نے اگر امام کی کسی حرکت و جنبش میں مخالفت کی، یا اس پر کسی رکن وغیرہ کی ادائیگی میں سبقت کی تو پھر وہ اصولاً متبعین اور مقتدیین کی جماعت سے کٹ گیا، اور اپنی اس بیباکانہ روش سے خطرے میں گھر گیا، اور عذابِ الٰہی کو اس نے اپنی طرف متوجہ کرلیا، کسی اور کا نہیں بلکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول راس حمار — جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیوں وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا سر گدھے کے سر میں تبدیل کر دیا جائے۔

(مسلم باب تحریم سبق الامام الخ ج ۱ ص۱۸۱)

جرم بظاہر اتنا معمولی مگر سزا اتنی بڑی؟ بلاشبہ اس نے احترامِ قانون پس پشت ڈال دیا، اور یکجہتی اور نظامِ وحدت میں خلل انداز ہو گیا جو اپنی نوعیت میں معمولی ہونے کے باوجود بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنی پیشانی رب العزت کے قانون سے نکال کر شیطان کے ہاتھوں میں دے دی۔

الذی یرفع راسہ او یخفضہ قبل الامام فانما ناصیتہ بید الشیطان رواہ مالک (مشکوٰۃ) — جو مقتدی اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا یا جھکاتا ہے تو بلاشبہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

اس عنوانِ قباحت سے بڑھ کر اور کیا روک تھام کی کوشش ہو سکتی ہے، اس قباحت و شناعت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نظامِ وحدت کی اہمیت کا احساس خوب ذہن نشین ہو جائے اور اس احساس کی تازگی کے ساتھ استحکامِ نماز کی پوری جدوجہد جاری رکھی جائے، تاکہ اس کا فائدہ ظاہراً باطناً ہر طرح نمایاں ہو سکے کیونکہ بہت سے فوائد کا دارومدار محض اس یکجہتی اور امام کی کامل اقتداء میں مضمر ہے۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں اس کی پوری نگرانی فرمائی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ایک دن ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز جب ختم ہو چکی تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! رکوع، سجدہ، قیام اور انصراف میں سبقت (پہل) نہ کرو، میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے[1]

اس تاکید کی انتہا ہے کہ حالت نماز میں بھی مقتدیوں کی چوک سے غافل نہیں رہتے اور پھر ان پر اس راز کو منکشف فرما کر حقوقِ نماز اور فرائض اقتدا کی تاکید فرماتے ہیں۔ کیوں بغیر کسی شرعی رمز کے یہ سب کچھ تاکیدیں ہو رہی ہیں، نبی کی نگاہ سے بڑھ کر دوربین انسانوں میں اور کس کی نگاہ ہو سکتی ہے، اور بالخصوص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی، بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس شرعی اقتداء میں بے انتہا دینی اور دنیوی فائدے ہیں۔

امام پر سبقت اور اس کی ممانعت

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ان ارشادات اور ان کی حکمتوں کو خوب سمجھا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ جب "سمع اللہ لمن حمدہ" رکوع سے اٹھتے ہوئے فرماتے، تو ہم سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک اپنی پیٹھ سجدہ کے لئے نہیں جھکاتے جب تک آپ اپنی پیشانی زمین پر رکھ نہ لیتے[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے امام پر پہل کی، یہ دیکھ کر اس سے فرمایا تو نے نہ تنہا نماز پڑھی نہ امام کے ساتھ، پھر آپ نے اس کو سزا دی اور فرمایا نماز لوٹا لو[3]

---

[1] مسلم باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود ونحوہما ج ۱ ص ۱۸۱ [2] مشکوٰۃ عن البخاری و مسلم [3] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد ص ۳

Marfat.com

رحمت عالم صلعم کی پیشینگوئی

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ نماز پڑھیں گے مگر ان کی نماز نماز نہ ہوگی" اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں :-

"مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ زمانہ میرا یہی زمانہ نہ ہو، میں نے سیکڑوں مسجدوں میں نماز پڑھی ہوگی مگر کہیں بھی نہیں دیکھا، کہ اہل مسجد نماز اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں یا نماز میں وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی سے ثابت ہیں، پس اے نمازیو! اللہ تعالٰی سے ڈرو، اور اپنی نماز خوب سنبھل کر پڑھو اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کی نماز کا خیال رکھو کہ ان کی نماز مع حقوق ادا ہو سکے سن لو! اگر کوئی خود خوب اچھی نماز پڑھتا ہے اور اس کے سارے حقوق کا لحاظ بھی رکھتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرا شخص اپنی نماز پورے حقوق کے ساتھ نہیں ادا کرتا، وہ اپنے امام پر حرکت وسکون میں پہل کرتا ہے پھر بھی وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے، اس کو اس کی غلط روی پر ٹوکتا ہے نہ اس کی غلط روی کی قباحت بیان کرتا ہے اور نہ وہ اس کی اصلاح کی سعی کرتا ہے تو وہ بھی بلاشبہ اس کے اس گناہ میں شریک سمجھا جائے گا، اور اپنی نماز حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود دوسرے کی نماز میں قصوروار ہوگا۔"[1]

امام صاحب رح کے اس بیان کے لب ولہجہ پر بار بار غور کیا جائے اور جس شدومد سے اس کی اہمیت ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اصلاح امت

بلاشبہ ہر مسلمان پر اپنی ذمہ داری کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس امت مرحومہ کا طغرائے امتیاز ہی یہ بیان کیا ہے کہ ہر بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور ہر ناپسندیدہ کام سے باز رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا

[1] کتاب الصلوٰۃ وما یلزم فیہا للامام احمد ص۲

Marfat.com

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۲)

کئے گئے ہو، کہ تم نیک کاموں کا حکم کرو اور بُرے کاموں سے روکو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس کا زندہ ثبوت ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب واقف کار کسی غلط روی اور ناجائز امور پر چشم پوشی کرتا ہے تو وہ غلط روی اور ناجائز امور وبا کی طرح پھیل پڑتے ہیں اور اس کا ضرر عام ہو جاتا ہے، جس میں بکثرت لوگ مبتلا ہونے لگتے ہیں۔

پھر یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس کا مواخذہ ہر ایک باخبر سے ہوگا، اس نے دیکھ کر بھی اصلاح کی کوشش کیوں نہیں کی، خاموشی کو کیوں راہ دی، یہ ذمہ داری صرف اصطلاحی عالم پر ہی نہیں عائد ہوتی ہے بلکہ جو مسلمان جتنا بھی جانتا ہے اس پر اسی قدر ذمہ داری آتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں دین کی تبلیغ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی جذبہ کے احساس کے ساتھ کی۔ ضرورت ہے کہ یہ سنت پھر زندہ کی جائے اور وہ بے روئے کاہ لائی جائے، عوام کی نماز میں جو خامی چلی آرہی ہے اُسے اُن پر ظاہر کیا جائے اور اس کی شرعی اصلاح کی جائے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر قدرے بسط و تفصیل سے (احیاء العلوم میں) بحث کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی کتاب الصلوٰۃ میں اس مسئلہ کو کھول کر لکھا ہے۔

جماعت کی ظاہری ہیئت مختصر یہ کہ امام کی اقتدا ہر نوع کامل ہونی چاہیئے۔ اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ ہر مقتدی پر امام کی متابعت اس حد تک ضروری ہے کہ وہ اس سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ مقتدی جب دو یا اس سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھا دیں اور خود پیچھے ایک سیدھ میں کھڑے ہو جائیں اور اس طرح کہ شانہ سے شانہ ملا ہوا ہو۔ نگاہیں سجدہ گاہ پر جمی ہوئی ہوں سب کے سب ایک طرح ہاتھ باندھے ہوں، سب کا رخ قبلہ کی جانب ہو، صفیں سیدھی اور ہموار

ہوں کہ اگر کوئی صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک خط مستقیم کھینچنا چاہے تو اس میں ذرا بھی کجی نہ آنے پائے۔

اس ظاہری ہیئت کے ساتھ باطنی ہیئت بھی اچھی سے اچھی ہو، دل پر خشیت و محبت کا پرتو نمایاں ہو اور یہ محسوس کر رہا ہو کہ گو ہم اپنے آقا کو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

عہد نبوی میں صفوں کی درستی کا اہتمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید برابر رکھی اور کبھی بھی صف کی ناہمواری برداشت نہیں فرمائی، بلکہ بذاتِ خود آپ نے صفوں کی درستی کا کام انجام دیا ہے۔ آپ کا دستور تھا کہ پہلے صفوں کی ہمواری ملاحظہ فرمالیتے پھر نماز شروع فرماتے جس کو صف میں ناہمواری کرتے دیکھ لیتے اس پر خفگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نماز کے لئے آئے اور مصلے پر کھڑے بھی ہو گئے، تکبیر تحریمہ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک شخص پر نظر پڑ گئی جس کا سینہ صف سے نکلا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:-

عباد اللہ لتسون صفوفکم او	اے بندگان خدا! یا تو تم اپنی صفوں کو
لیخالفن اللہ بین وجوھکم	برابر کرو یا پھر اللہ تعالےٰ تمہارے
(مسلم ج ۱ ص ۱۸۲)	اندر مخالفت ڈال دیں گے۔

جس ظاہری اختلاف سے روکا گیا ہے اگر اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو وہی اختلاف اور بعض کا بعض پر تاخر و تقدم، باطنی اور واقعی تنافرِ قلوب، حدوثِ کینہ اور وحشت و عداوت کا موجب بن جاتا ہے جس کا اثر بڑھ کر شوکتِ اسلام اور نظامِ حیات پر پڑتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک قانون شرعی کی نافرمانی ہوتی ہے تو وہ دلوں کی تاریکی و کدورت کا باعث بن جاتی ہے۔

صفوں کی درستی کے فائدے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی صفوں کی درستی کو نظر انداز

نہیں فرمایا، آپ کا ارشاد تھا کہ تسویۂ صف نماز کے کمال سے ہے، صفیں جس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی ہیں اور نمازی جتنا مل کر کھڑے ہوتے ہیں، اسی قدر نماز میں کیف ونشاط پیدا ہوتا ہے، اور دلوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے ۔

سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف	صفیں درست اور برابر کرو
من تمام الصلوٰۃ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۲)	کہ یہ چیز کمال نماز سے ہے ۔

ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی کہ آپ اپنے چہرۂ انور سے صفوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :-

اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی	تم اپنی صفیں ان کے حقوق کے ساتھ کھڑی کرو
اراکم من وراء ظھری (بخاری)	کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں

اس قدرتی نظام میں اس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ مقتدی ایک منظم فوج کی طرح اپنے امام کی ماتحتی میں کھڑے ہوں، جو امام کے ایک ایک اشارہ کی پابندی کریں، ساتھ ہی اس دینی فوج میں جو احکم الحاکمین کی اطاعت میں صف بستہ ہے کوئی انتشار، پراگندگی شور و ہنگامہ اور نظم و ضبط کے خلاف معمولی بات بھی پائی نہ جائے تاکہ شیطان کو خوشی اور حملہ کا کوئی رخنہ نظر نہ آئے ۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو
فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ	اس کے راستہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں
مَّرْصُوْصٌ (صف - ۱)	کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئیں دیوار ہیں ۔

کہیں سے کبھی یہ نظر نہ آئے کہ اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں کوئی نقص ہے اور ان کا کوئی فرد اپنے امیر اور کمانڈر کے حکم کے ذرہ برابر خلاف ہے تاکہ اس طرح باطن اور بھی گتھ جائے اور امیر کو ہرگز ہرگز یہ کہنے پر مجبور نہ کیا جائے ۔

مالی اراکم عزین (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)	کیا بات ہے کہ تم کو بٹا ہوا دیکھتا ہوں ۔

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات کھول کر بیان کر دی ہے، اور عملی تعلیم دے کر امت کے لئے شاہراہ قائم فرما گئے ہیں، ارشاد فرمایا:۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف — برابر کھڑے ہو، اختلاف نہ ہو، کہ اس کا
قلوبکم (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱) — اثر تمہارے دلوں پر پڑے گا۔
ایاکم وھیشات الاسواق (۱) — صف بندی میں بازار کے سے شور و ہنگامہ سے بچو!
رصوا صفوفکم وقاربوا وحاذوا — تم اپنی صفوں کو خوب درست کرو، مل مل کر
بالاعناق فوالذی نفسی بیدہ لا — کھڑے ہو، اور شانہ سے شانہ ملا رکھو، بخدا
انی اری الشیطان یدخل من — میں شیطان کو صفوں کے شگاف میں
خلل الصف (ابو داؤد ما جاء فی تسویۃ الصفوف) — گھستے دیکھتا ہوں۔

ان سارے مسائل پر غور و فکر کی نظر دوڑا جائیں، اور ان کی دینی اور دنیاوی حکمتوں کو تلاش کر جائیں تو پتہ چلے کہ ان شرعی قوانین میں کتنے بے شمار فوائد مضمر ہیں۔

امام کی قربت صفوں میں شریعت نے ترتیب کا لحاظ رکھا ہے کہ امام سے جو جس قدر قریب ہوگا وہ اسی اعتبار سے فضائل کا مستحق قرار پائے گا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نزولِ رحمت کی ابتداء امام سے ہوتی ہے اور وہ بڑھ کر ساری صفوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

اذا انزلت الرحمۃ علی اھل المسجد — اہل مسجد پر نزول رحمت کی ابتداء امام
بدأت بالامام ثم اخذت یمینا ثم — سے ہوتی ہے، پھر وہ دائیں اور پھر تمام
عطفت علی الصفوف (کنز العمال ج ۴ ص ۱۲۱) — صفوں پر متوجہ ہوتی ہے۔

معلوم ہوا صف اول کو جو امام کے قریب ہوتی ہے دوسری صفوں پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صف اول کو کیا مرتبہ حاصل ہے تو پھر وہ جس طرح بھی ہو سکے صف اول ہی میں جگہ کے حصول کی کوشش کریں۔

Marfat.com

لویعلم الناس ما فی النداء والصف الاوّل ثم لم یجدوا الا ان یستهموا علیه لاستهموا (مسلم باب تسویۃ الصفوف ۱۸۲ ص ۱۷۰)	لوگوں کو اذان اور صف اول کی حیثیت کا علم یقین ہو جائے تو وہ اس کے حصول کی جدوجہد کریں، چاہے قرعہ اندازی ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو

امام کے قریب کون لوگ ہوں

امام سے قریب ان لوگوں کو کھڑے ہونے کو کہا گیا ہے جن لوگوں میں نیابت کی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت امام کی جگہ اس کے فرائض وہ انجام دے سکیں، حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، ارشادِ نبوی ہے:-

لیلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثلاثا (مسلم ۱۸۱ ص ۱۲۷)	میرے قریب تم میں کے ذی ہوش اور صاحب علم و فضل کو رہنا چاہئے اور پھر جو ان کے قریب ہوں

شاید یہ بھی مقصد ہو، کہ ایسا شخص امام سے (جو سب میں زیادہ ذی علم ہوتا ہے) طریقۂ نماز اور دوسرے مسائل بآسانی اخذ کر سکے گا، یا اور اس طرح کے دوسرے فوائد بھی ہوں مگر اتنی بات تو عیاں ہو گئی کہ جب امام کی قربت باعثِ فضائل ہے تو صف اول کو اور صفوف پر یقیناً فضیلت حاصل ہو گی کہ وہ امام سے قریب تر ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

اِنّ اللہ وملائکتہ یصلون علی میامن الصفوف (ابوداؤد باب ان یلی الامام فی الصف)	بیشک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے دائیں سے دعائے رحمت شروع کرتے ہیں

جذبۂ ارتقاء یہ ترغیب اس لئے بھی ہے کہ نمازی پہلے پہنچ کر صفِ اول میں جگہ حاصل کرنے کی سعی کریں اور اس طرح فضائل اور دوسرے ذرائع سے اجر اور ثواب کے زیادہ سے زیادہ مستحق قرار پا سکیں، ان ساری حدیثوں کے پیشِ نظر یہ فیصلہ سہل ہو جاتا ہے کہ مسجدوں کے اس نظام و حدت میں ارتقاء کا جذبہ اُبھارا گیا ہے، جہاد کے ایک شعبہ کی مشق کرائی گئی ہے اور امام کی عزت افزائی کی گئی ہے جو سرداری کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اور اس طرح لوگوں کو اس کے ساتھ محبت و عقیدت کی تعلیم دی گئی ہے۔

Marfat.com

اجتماعیت اور اخوت و مساوات

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ صفوں کی مشروعیت میں انفرادی زندگی کا خاتمہ ہے اور اجتماعی زندگی کی دعوت، عدل و مساوات کی تعلیم ہے اور اخوت و محبت کا سبق، جن کو اشاعتِ اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اسلام منفردانہ زندگی کی مذمت کرتا ہے قانونی طور پر بھی اور عملی نقطۂ نظر سے بھی، انتشار، تشتت اور اختلاف و مخاصمت کو وہ ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتا اور ہر شعبۂ زندگی میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ اس کی سرشت میں داخل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دیکھ لیتے ہیں، کہ وہ جماعت میں شریک نہیں، یا صف سے علیحدہ تن تنہا کھڑا ہے تو حیرت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ صف کے پیچھے یکہ و تنہا نماز پڑھ رہا ہے، تو آپ نے زجر فرمایا اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔[1]

امام کا انتخاب

اب غور کرنا ہے کہ مقتدی کو جس امام کی پیروی کی اتنی سخت تاکید ہے اور شریعت نے جس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے، کیا وہ جگہ ہر شخص کو علم و فضل کا لحاظ کئے بغیر مل سکتی ہے ہر ذی عقل یہی کہے گا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے یقیناً اس منصبِ جلیل کے لئے اس جماعت میں سے اس فرد کو منتخب کیا جائے گا جو ان میں بہترین اخلاق و اطوار کا ہو، زہد و اتقاء کا مالک ہو اور علم و فضل میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

امام کس حیثیت کا ہونا چاہیئے

بلاشبہ وہ جب ایک ایسی مرکزی دینی عبادت کا پیشوا ہے جو افضل العبادات ہے اور ایک ایسے رکن کا ضامن بن رہا ہے، جو ارکانِ خمسہ میں دوسرا درجہ رکھتا ہے تو بلا شبہ ایسے شخص کو رذائلِ اخلاق، سوقیانہ اطوار، مذموم عادات اور ہر ایسی خصلتِ بد سے منزہ اور پاک ہونا چاہیئے جو شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ ساتھ ہی مکارمِ اخلاق، صفات محمودہ، خصائلِ پسندیدہ اور خدا شناسی و خدا ترسی کے اوصاف سے متصف بھی ہونا چاہیئے

[1] ابوداؤد باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف ۱۲۔

جس کو ہم خدا کے سامنے اپنا نمائندہ بنا رہے ہیں، حتی الوسع اس کے انتخاب میں ہمیں عقل و خرد سے کام لینا چاہیئے، کہیں ایسا نہ ہو اس میں بھی ہمارے سامنے وراثت و خاندان اور حسب و نسب کا غلط مسئلہ آجائے۔ امیر و فقیر کی بات دھوکہ دے جائے، جس کی پروردگار عالم نے مذمت فرمائی ہے[1]۔ بلکہ ان سب سے بالاتر ہو کر ہماری نگاہ اللہ تعالےٰ کے فرمان اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ پر ہو، یہ وہ عہدۂ جلیلہ ہے جسے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے زینت بخشی ہے، اور اس وقت تک جب تک ہوش و حواس نے ساتھ دیا خود ہی زینت بخشتے رہے مرض الوفات والی حدیث کے ضمن میں طبری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

انما فعل ذالك لئلا يعذر احد	یہ تو آپ نے اس لئے کیا تاکہ آئندہ
من الائمة بعده نفسه بادنیٰ عذر	کوئی امام ادنےٰ عذر کو حیلہ بنا کر
فيتخلف عن الامامة (فتح الباری ص ۱۰۸ ج ۲)	امامت سے کترا نہ جائے۔

آنحضرت صلعم کی امامت کے لئے ایک جامع شخصیت کی نامزدگی

آپ جب مرض سے نڈھال ہو گئے اور بار بار سعی کے باوجود غشی پر غشی آتی رہی تو آپ نے اس جگہ کے لئے اپنا قائم مقام اور خلیفہ اس فرد کو بنایا جو عالم انسانی میں انبیاء و رسل کے بعد افضل ترین تھا یعنی کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں "اعلم" ہونے کا درجہ حاصل تھا یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے اپنی یہ جگہ عطا فرمائی، آپ کی بعض ازواج مطہرات رضؓ نے فاروق اعظم رضؓ کے نام کی سفارش کی اور باصرار تکرار کی، مگر آپ نے اس مشورہ کو رد فرما دیا اور اس سلسلہ میں ایک جملہ فرما کر اس جرأت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ صدیق اکبر رضؓ نے امامت فرمائی۔

اسی مرض الوفات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی

---

[1] احکام القرآن للجصاص۔ ج ۱ ص ۵۴۶۔

Marfat.com

ہیں کہ تین دفعہ آپ نے پانی رکھنے کا حکم فرمایا، مگر ہر بار غشی کا دورہ پڑتا رہا۔ مسجد کی حاضری سے جب مایوسی ہوگئی، تو آپ نے صدیق اکبرؓ کو امامت کے لئے کہلا بھیجا، قاصد جب یہ پیام لے کر پہنچا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "یا عمر صل بالناس" (لوگوں کو نماز پڑھائیے) یہ سن کر فاروق اعظمؓ نے آپ سے فرمایا "انت احق بذالک" (آپ ہی اس کام کے زیادہ لائق اور مناسب ہیں) چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے امامت کی[1]

امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت

یہ واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار نے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کر دیا کہ امامت قوم کے بہترین فرد کا حصہ ہے اور یہ عظیم الشان ذمہ داری اس شخص پر ڈالی جائے جو ہر طرح اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق ہو، نیز وہ علم و فضل اور جلالت شان میں اپنا نمایاں درجہ رکھتا ہو، غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے مستحقین امامت میں اعلم الناس کو اول درجہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں :-

فقد یعرض فی الصلاۃ امر لا یقدر	نماز میں کبھی ایسی بات پیش آجاتی ہے جس کی رعایت
علی مراعاۃ الصلاۃ فیہ الا کامل	سوائے کامل الفقہ کے اور کسی کے بس کی بات
الفقہ ولھذا قدم النبی صلی اللہ	نہیں، اور یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلعم نے ابوبکرؓ
علیہ وسلم ابا بکر فی الصلاۃ	کو بقیہ لوگوں پر نماز کے باب میں ترجیح دی
علی الباقیین مع ان النبی صلی اللہ	باوجود اس بات کے کہ آپ نے ان کے غیر کے
علیہ وسلم نص علی ان غیرہ اقرأ کانہ	متعلق اقراء ہونے کی تصریح فرمائی ہے
عنی حدیث اقرأکم اُبیّ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۹)	یعنی اُبیّ کو تلاوت قرآن کا ماہر فرمایا ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ امام کو مسائل نماز سے پوری واقفیت ہونی چاہیئے تاکہ وہ نماز کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کر سکے، موجودہ اصطلاحی حفاظ و قراء

[1] مسلم باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر - ج ۱ ص ۱۷۸ -

Marfat.com

جو صرف قرآن پاک زبانی یاد کئے ہوتے ہیں اور عموماً ضروری مسائل سے واقفیت جیسی چاہئے نہیں رکھتے ان کو عالم پر کسی طرح امامت میں فضیلت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ عوام کبھی کبھی "یؤم القوم اقرأهم بکتاب الله" والی حدیث سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

عہد صحابہ میں شعبۂ امامت کی اہمیت

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات تو خوب دل نشین ہو گئی ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ حیات میں اس شعبہ کو کیا حیثیت دی۔ اس کے بعد عہدِ صحابہ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ ان عاشقانِ رسول نے اس مسئلہ میں بھی آپ کی ہدایت و راہ نمائی پر پورا پورا عمل کیا، فاروق اعظمؓ خلافت کے فرائض کے ساتھ امامت کے منصب پر بھی زندگی بھر فائز رہے اور جو والی اور امام منتخب کیا وہ ہر اعتبار سے لائق، اور اپنا حال تو یہ ہوا کہ آخر کار امامت کرتے ہوئے ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کا بھی اس باب میں یہی طرزِ عمل رہا یہی نہیں بلکہ خلافتِ راشدہ کے دور میں جتنے بھی والی اور گورنر منتخب کر کے دوسرے مقامات میں بھیجے گئے سبھوں نے اس منصب کو بھی سنبھالا، گویا ان کے فرائض میں نماز کی امامت بھی داخل تھی جس سے وہ کنارہ کشی نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور کے بعد بھی امامت گورنروں کے فرائض میں داخل رہی، ایک انگریز مسٹر ٹامس آرنلڈ خلافت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"خلیفہ کے سیاسی فرمانروا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی دو قسم کے اختیارات کا حامل ہے، مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفظ تھا۔ حامی دین کی حیثیت سے وہ جنگ کرتا تھا، مذہب کو صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا، نماز میں امامت، جمعہ کا خطبہ دینا بھی اس کا ایک منصبی فرض تھا۔"[1]

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص۲۰۶

غور کیجئے یہی وہ شعبہ ہے جس کے متعلق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الامام ضامن والمؤذن مؤتمن	امام ضامن اور مؤذن امین ہے، اے اللہ!
اللّٰھم ارشد الائمۃ واغفر للمؤذنین	اماموں کو ہدایت فرما، اور موذنوں کی مغفرت فرما۔

امام احمد اور انتخاب امام

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جس شعبہ کا کفیل اور ضامن قرار دیا گیا ہے، وہ آپ کی نظر میں بہت اہم ہے اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ نے اس کے لئے رشد و ہدایت کی دعا فرمائی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ باب امامت کی احادیث کے مدنظر فیصلہ فرماتے ہیں۔

ومن الحق الواجب علی المسلمین ان	مسلمانوں پر واجب ہے کہ امام ان کو بنائیں
یقدموا اخیارھم واھل الدین	جو ان کے سب سے بہتر اور دیندار ہوں اور
الافضل منھم اھل العلم باللہ	افضل ترین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ کا
تعالیٰ الذین یخافون اللہ۔	علم و یقین رکھتے ہیں اور اس کی خشیت
(کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا)	سے ان کا سینہ معمور رہتا ہے۔

جلیل القدر محدث اور ایک امام کے الفاظ بار بار پڑھئے، ان سے کتنی اہمیت ٹپکتی ہے۔ امامتِ نماز کی اہمیت اور اس کی حیثیت کا کتنے بلند پیرایہ میں تذکرہ فرماتے ہیں، اور قوم پر قدر اس کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں، کوئی بات تو ہے جو اس شدت پر اتار رہی ہے۔

پھر اس کے بعد فوراً فرماتے ہیں:۔

جاء الحدیث اذا امّ بالقوم رجل	حدیث میں ہے کہ جب قوم کی امامت ایک ایسا
وخلفہ من ھو افضل منہ لم	شخص کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس سے افضل
یزالوا فی سفال (کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا)	موجود ہوتا ہے تو ایسی قوم ہمیشہ پستی میں رہتی ہے۔

خود امام پر ذمہ داری

یہی نہیں کہ ایسی قوم جو اپنے افضل کو چھوڑ کر دانی کو اپنا امام اور پیشوا بناتی ہمیشہ پستی میں رہتی ہے بلکہ پھر ذلت و خواری بھی اس کے لئے لازمی ہے، خود امام پر یہ ذمہ ہے کہ قوم اسے کسی شرعی امر مذموم کی وجہ سے امامت کے لئے قبول نہیں کرتی تو ا

Marfat.com

امامت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسے شخص کی نماز کی قبولیت میں شبہ ہے بلکہ حدیث کا فیصلہ ہے :۔

ثلثۃ لا تقبل منھم صلوٰتھم من	تین شخص کی نماز اللہ تعالےٰ قبول نہیں فرماتا
تقدم قوما وھم لہ کارھون و	ایک وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔
من اتی الصلوٰۃ دبارًا والدبار ان	دوسرا جو اخیر میں نماز کے لئے آتا ہے کہ اس
یاتیھا بعد ان تفوتہ و رجل	کی نماز چھوٹ جاتی ہے۔ اور تیسرا وہ
اعتبد محررۃ (ابوداؤد)	شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے۔

ان ساری حدیثوں پر بامعانِ نظر غور کیجئے اور امام کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے آج کل ہمارے اس زمانہ میں جو سلوک اس شعبہ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے اس کو بھی سامنے رکھئے۔

موجودہ دور اور شعبۂ امامت

ضرورت ہے اس دور میں بھی اس سنت کو زندہ کیا جائے اور ہر مسجد کا امام اس حیثیت کا مقرر کیا جائے جو اس اصول پر پورا اترے ساتھ ہی وہ تبلیغِ دین اور اشاعتِ علوم کے فرائض انجام دے سکے، اس میں ہر حیثیت سے اتنی صلاحیت ہو کہ قوم اس کو اپنا پیشوا بنا سکے اور وہ حدیث کے معیار پر بھی پورا اترے۔

ایک عرصہ پہلے اس کا احساس حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تھا اور آپ نے اس سنت طریقے کو زندہ فرمانے کی سعی فرمائی تھی، چنانچہ آپ کا یہ دستور تھا کہ اپنے زمانہ میں امام معیاری مقرر فرماتے تھے اور ان کو اس حلقہ کا ذمہ دار بنا دیا جاتا تھا جس حلقہ کی وہ امامت کرتا تھا، اور کئی مسجدوں کو ملا کر ایک مناسب مسجد کو جامع مسجد کی حیثیت دے کر اس کے امام کو سشن جج قرار دے دیا جاتا تھا۔ "تذکرۂ صادقہ" میں مذکور ہے

"لوگوں کے اصلاح حال اور فیصلۂ طاغوتی سے بچنے کے لئے ضرورت تھی کہ جہاں لوگوں کو فساد و فتن سے روکا جائے وہاں ان میں عدل و تصفح کی روح بھی پھونکی جائے اور ان کے

ناگزیر تنازع اور پیچیدہ مسائل کے محاکمہ اور فیصل کے لئے کوئی صورت قائم کردی جائے اور ساتھ ہی ساتھ "شاورھم فی الامر" کی سنت بھی ادا ہوسکے۔

چنانچہ جناب ہر ایک بستی میں جہاں مسجد موجود ہوتی، وہاں امام مقرر کرتے، اور جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں بھی تعمیر کرا دیتے اور فصل خصومات کا بار اسی کے شانہ پر رکھتے، چار پانچ کوس کے حلقے میں کسی مسجد کو جامع مسجد قرار دے کر ایک تعلیم یافتہ، متدین امام کے سپرد کر دیتے اور امام بمنزلہ سشن جج متصور ہوتا مگر اس پر لوگوں کی تسکین خاطر نہ ہوتی تو متخاصمین کی اپیل پر بذات خود ان مقامات پر پہنچ کر فصل تنازعہ فرماتے اور ملفوظات کیمیا اثر سے تالیف قلوب فرماتے۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مسجدوں کے قدرتی نظام کو خوب سمجھا تھا اور اس نظام کی روح کو جو عرصہ سے مردہ ہو گئی تھی دوبارہ زندگی بخشنا چاہتے تھے، اے کاش مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور اس قدرتی نظام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو بروئے کار لانے کی عملی جد و جہد شروع کر دے۔

امام اور اس کے فرائض ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ایسے فرد کو بنایا جائے جو عالم باعمل اور خدا ترس ہو اور اس کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو کیونکہ اس کے فرائض بڑے اہم اور نہایت نازک ہیں، ذرا سی غلطی سے پونجی کے لٹ جانے کا خطرہ ہے، یقینی طور پر وہ اس دینی عبادت میں تمام اہل مسجد کا امیر ہوتا ہے اور سب کی طرف سے نمائندہ بن کر وہی رب العزت سے مناجات کرتا ہے، اس نے اگر اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ فرائض کی ادائگی میں سعی پیہم کی اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اسے بجا لایا، تو وہ عند اللہ اجر جزیل کا مستحق ہوگا اور انجام کار کامیاب و بامراد اور اگر خدانخواستہ اس نے کوتاہی کو راہ دی، اخلاص کی روح کو زخمی کیا اور حق پیشوائی کی بجا آوری میں جد و جہد سے کام نہ لیا تو پھر اس کے لئے خسران و ناکامی کی ذلت ہے۔

---

[1] ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۵۹-۲۰۰

صفوں کی نگرانی مصلّے پر پہنچتے ہی اس کو دیکھنا ہوگا صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں، وہ شریعت کے قوانین پر پوری اُترتی ہیں یا نہیں، یوں تو مقتدی کا فریضہ ہے ہی کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہو مگر امام اس کی مزید نگرانی کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود صفوں کو درست اور برابر فرماتے، اور ادھر سے مطمئن ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ نعمان بن بشیرؓ کا بیان ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبر (ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو برابر فرماتے تھے، جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور جب ہم برابر ہو لیتے تو آپؐ تکبیر کہتے تھے۔

دائیں اور بائیں صفوں کو دیکھ کر فرماتے "سیدھے کھڑے ہو اور اپنی صفوں کو شرعی حیثیت کے مطابق درست کر لو" حضرت انسؓ کا بیان ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عن یمینہ اعتدلوا و سووا صفوفکم وعن یسارہ اعتدلوا وسووا صفوفکم (ابوداؤد)	رسول اللہ صلعم دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو درست کر لو اور بائیں جانب متوجہ ہو کر فرماتے درست ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو ٹھیک کر لو۔

اس قدر تو خود کرتے۔ مزید برآں حضرت بلالؓ جو مؤذن تھے ان کی ڈیوٹی مقرر فرما دی تھی کہ وہ صفوں کو درست کرائیں اور وہ بھی یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔

ان بلالا کان یسوی الصفوف ویضرب عواقیبھم بالدرۃ حتی یستووا۔ (کتاب الصلوٰۃ وما یلزمہا للامام احمد ؒ)	حضرت بلالؓ صفوں کو درست فرماتے اور درہ مار کر ان کی ایڑیوں کو سیدھی کرتے تھے تا آنکہ وہ برابر ہو جاتے۔

فاروق اعظم کا اہتمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے زمانہ میں اس اہتمام کو باقی رکھا، چنانچہ

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ کا دستور تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی دیکھ بھال کر لیتے، اور صفوں کی درستی کے بعد نماز شروع کرتے، بلکہ آپ نے بھی ایک مستقل آدمی اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا جو صف میں گھوم کر دیکھتا اور آکر درستی کی خبر دیتا، حضرت احمد بن حنبلؒ جیسے جلیل القدر محدث کا بیان ہے :-

جاء عن عمرؓ انہ کان یقوم مقام الامام لا یکبر حتی یاتیہ رجل قد وکلہ باقامۃ الصفوف فیخبرہ انہم قد استووا فکبر وجاء عن عمر بن عبد العزیزؒ ھکذا (کتاب الصلوٰۃ ومایلزمہا)

حضرت عمرؓ کے متعلق آیا ہے کہ وہ مصلّے پر آکر کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک ایک آدمی جو اس کام پر مقرر تھا آکر خبر نہ کرتا کہ صف درست اور لوگ برابر ہو گئے جب یہ اطلاع مل جاتی تو تکبیر کہتے، عمر بن عبد العزیزؒ کا بھی یہی دستور بیان کیا گیا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ صفوں کی درستی کے باب میں بہت سخت تھے، صف میں جو بھی ناہمواری پیدا کرتا اس کو سزا فرماتے۔ اس باب میں کسی کی رو رعایت ملحوظ خاطر نہ تھی — حضرت میمونؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کو جس دن نماز میں نیزہ مارا گیا میں موجود تھا مگر صف اول میں اس لئے نہیں کھڑا ہوا تھا کہ آپ سے ڈرتا تھا، کیونکہ آپ کا دستور تھا کہ اگلی صف کو جب تک خود نہیں دیکھ لیتے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے، اور جب کبھی کو صف میں بے قاعدہ آگے پیچھے کھڑا دیکھتے اس کے دُرّہ لگاتے[1]

ان واقعات سے یہ بات محقق طور پر معلوم ہوئی کہ امام مسجد پر صفوں کی درستی کی بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے فرائض میں ان کی دیکھ بھال بھی داخل ہے۔

مقتدیوں کا لحاظ بہر حال جب صفیں خوب درست ہو جائیں تو اب امام نماز شروع کرے گا

[1] الامامۃ والسیاستہ لابن قتیبہ صـ۲۱ ج ۱ - اس کتاب کے متعلق اپنے شک میں نے مخدوم و محترم علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کو لکھے تو جواب میں تحریر فرمایا "الامامۃ والسیاستہ" ابن قتیبہ کی تصنیف ہرگز نہیں یہ یا تو کسی شیعی کی تصنیف ہے یا اس میں کسی شیعی نے تحریف کر دی ہے، یہ ہرگز اعتماد کے قابل نہیں" (مکتوب ۵۲)

Marfat.com

اور اپنی ذمہ داری کے ساتھ پڑھائے گا جس میں مقتدیوں کا خیال رکھنا ازبس ضروری ہوگا اس لئے کہ جماعت میں ہر طرح کے نمازی ہوتے ہیں کتنے ضعیف اور بوڑھے ہوتے ہیں اور کتنے بیمار اور کمزور، ان میں سے ہر ایک کے حال کا لحاظ رکھنا امام کے فریضہ میں داخل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ لحاظ اسی حد تک جائز ہے جو طریقۂ سنت کے حدود میں ہو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اذا صلی احدکم للناس فلیخفف	تم میں سے کوئی جب لوگوں کی امامت کرے تو
فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر	اسے چاہیئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں
واذا صلّی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء	بیمار کمزور، اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں البتہ جب
متفق علیہ (مشکوٰۃ باب علی الامام)	اکیلا پڑھے تو پھر جتنی لمبی نماز چاہے پڑھے۔

سرکار دو عالم کی تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان کا لحاظ فرماتے تھے، کسی بچہ کے رونے کی آواز جب پہنچتی تو نماز مختصر فرما دیتے[1]۔ مگر یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی، یوں بھی آپ ایسی ہی نماز پڑھاتے جس سے مقتدی اکتا نہ جائیں اور اس طرح ان کے خشوع و خضوع میں فرق نہ پڑنے پائے، حضرت انسؓ جن کو آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل تھا فرماتے ہیں۔

ما صلیت وراء امام قط اخف صلوٰۃ	میں نے نبی کریم صلعم کے پیچھے جتنی
ولا اتم صلوٰۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ہلکی اور کامل نماز پڑھی کسی اور کے
(مشکوٰۃ عن البخاری و المسلم باب ما علی الامام)	پیچھے کبھی بھی نہیں پڑھی۔

امام کو ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں سے یہ شکایت پہنچتی کہ کوئی امام قرأۃ زیادہ لمبی کرتا ہے جس سے مقتدی اکتا جاتے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں تامل کرتے ہیں تو آپ بہت خفا ہوتے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں یہ شکایت پہنچائی کہ

[1] مشکوٰۃ عن البخاری و المسلم باب ما علی الامام ۱۲

ہیں فلاں امام کی طویل قرأۃ کی وجہ سے صبح کی جماعت میں شرکت کرنے سے معذور رہتا ہوں۔ صحابۂ کرامؓ کا بیان ہے کہ آپ یہ سُن کر اس قدر خفا ہوئے کہ اس سے پہلے نصیحت کے باب میں ہم لوگوں نے اس طرح کی خفگی کا اظہار دیکھا ہی نہیں تھا، اسی موقع سے آپ نے فرمایا:۔

ان منکم منفرین فایکم ما صلی	تم میں سے کچھ لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں
بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف	تم میں جو بھی امامت کرے وہ مختصر اور ہلکی نماز
والکبیر وذا الحاجۃ متفق علیہ	پڑھائے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے
(مشکوٰۃ باب ما علی الامام)	اور ضرورتمند بھی ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت معاذؓ کے متعلق حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وہ نماز بہت لمبی پڑھاتے تھے جو جائز ہی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے ذوق کے بھی مناسب تھی۔ مگر کسی ایک فرد پر یہ نماز گراں گزری، جو محنت اور مزدوری کے کام کرتے تھے، یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا "افتان انت یا معاذ[1]" (کیوں جی معاذ تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟)

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ آخری عہد جو مجھ سے لیا گیا وہ یہ تھا کہ جب امامت کروں تو حدودِ سنت کے اندر رہ کر ہلکی نماز پڑھاؤں[2]۔

تخفیف کا مطلب جو کچھ عرض کیا گیا، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرأۃ اور تسبیحاتِ مسنونہ چھوڑ دی جائیں، سُنن و آداب نماز کی رعایت ترک کر دی جائے اور واجبات و فرائض میں کسی طرح کی کوتاہی برتی جائے، بلکہ ماحصل یہ تھا کہ ادائیگی نماز کا جو سنت طریقہ ہے اس کے اندر رہ کر سب کچھ کیا جائے، تاکہ نماز پڑھنے والا "یُسر" کو "عُسر" محسوس کرنے نہ پائے۔

اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیجئے کہ تخفیف صلوٰۃ (ہلکی نماز) کا مطلب شرعاً کیا ہے۔ آج کل دین سے جو بے رغبتی ہے اور عبادات میں جیسی سُستی پیدا ہوتی جا رہی ہے اس کی وجہ سے عموماً لوگ

---

[1] مشکوٰۃ عن البخاری و المسلم باب ما علی الامام۔ [2] مشکوٰۃ ایضاً۔

Marfat.com

دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور تخفیف کے جو معنی ہیں اسے صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔

یہ مسئلہ ایسا ہرگز نہیں ہے جو شریعت میں مصرح نہیں کہ جس کی مجبوری کی وجہ سے قیاس سے کام لینا پڑے یا کسی شخص یا شہر یا جماعت کی عادت پر محمول کیا جائے یا محض امام اور مقتدی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پوری ہیئت کے ساتھ مذکور ہے، اور ایک ایک بات کی تفصیل موجود ہے، ابھی حضرت انس رض کی حدیث گذر چکی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پیچھے جو نمازیں نے پڑھی وہ ایک طرف اگر ہلکی تھی تو دوسری طرف کامل و تام بھی تھی جس سے واضح ہے کہ تخفیف کے ساتھ اتمام و کمالِ نماز بھی مطلوب ہے اور کھلی بات ہے کہ کمال میں تعدیلِ ارکان سنن و آداب کی رعایت اور نماز کے دوسرے حقوق بھی داخل ہیں۔ پنج وقتہ نماز کی قرأۃ حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

قرأت آنحضرت صلعم کا معمول صبح کی نماز میں مقدار قرأۃ کیا تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا تھا اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں، حضرت جابر بن سمرۃ رض کا بیان ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ	رسول اللہ صلعم فجر کی نماز میں
فی الفجر بق والقرآن المجید ونحوھا و	سورۂ ق والقرآن المجید اور
کانت صلوتہ بعد تخفیفا۔	اسی طرح کی سورتیں پڑھتے
(مسلم باب القرأۃ فی الصبح ص۱۸۶ ج۱)	تھے، اب تک آپ کی نماز ہلکی تھی۔

حضرت عمرو بن حریث رض کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" پڑھتے ہوئے سنا گیا[1]۔

حضرت عبداللہ بن السائب رض کا بیان ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی جس میں سورۂ "مومنون" کی تلاوت شروع کی جب

---

[1] مسلم باب القرأۃ فی الصبح ج ۱ ص۱۸۶

Marfat.com

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ تک پہنچے، تو آپ کو کھانسی شروع ہوگئی چنانچہ وہیں رکوع میں جھک گئے[1]۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر	جمعہ کے دن فجر میں نبی صلعم
یوم الجمعۃ بآلم تنزیل فی الرکعۃ الاولیٰ	"الم تنزیل" پڑھتے تھے اور
وفی الثانیۃ ھل اتیٰ علی الانسان ۔	دوسری رکعت میں
متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصبح)	ھل اتیٰ علی الانسان۔

یہ سب صحیحین کی حدیثیں ہیں جن سے فجر کی مقدار قرأۃ خوب اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے اور جو کچھ عرض کیا گیا وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہے۔

ظہر و عصر کی قرأت ظہر اور عصر کی نمازوں میں آپ کی قرأت کی جو مقدار تھی وہ بھی حدیث میں مذکور ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ اپنا اندازہ بیان کرتے ہیں، جو انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔

کنا نحرز قیام رسول اللہ صلی اللہ	ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہ صلعم
علیہ وسلم فی الظھر والعصر فحرزنا	کے قیام کا اندازہ ہم لوگ لگاتے تھے ہمارا
قیامہ فی الرکعتین الاولیین من	اندازہ ہے کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ
الظھر قدر الم تنزیل السجدۃ و	"الم تنزیل سجدہ" کی قرأت کے مقدار قیام
فی روایۃ فی کل رکعۃ قدر ثلثین آیۃ	فرماتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ہر
(مسلم باب القرأۃ فی الظھر والعصر ج ۱ ص ۱۸۵)	رکعت میں تیس آیت کی مقدار پڑھتے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم ظہر میں "واللیل اذا یغشیٰ" پڑھتے تھے اور دوسری روایتوں میں ہے کہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" تلاوت فرماتے اور عصر میں اسی کے

[1] مسلم باب القرأۃ فی الصبح ص ۱۸۶ ج ۱۔

Marfat.com

لگ بھگ اور فجر میں اس سے بہت زیادہ لمبی سورۃ پڑھتے تھے[1]

مغرب نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھنا ثابت ہے، سورۂ مرسلات بھی آپ نے پڑھی ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضؓ فرماتے ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
وسلم یقرأ فی المغرب بالطور متفق علیہ	مغرب میں سورۂ طور پڑھتے
(مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)	ہوئے سنا ہے۔

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضؓ کہتی ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
یقرأ فی المغرب بالمرسلات عرفا	سنا ہے کہ آپ مغرب میں
متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ	سورۂ مرسلات پڑھتے تھے۔

عشاء میں حضرت کا معمول عشاء کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ ان کی لمبی قرأۃ کی شکایت دربارِ رسالت میں پہنچی تھی تو آپ بہت خفا ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ "افتان انت" (کیا تم فتنہ انگیز ہو) اسی حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:۔

اقرأ والشمس وضحٰھا، والضحیٰ واللیل اذا	تم (عشاء میں) والشمس وضحٰھا
یغشیٰ وسبح اسم ربك الاعلیٰ	والضحیٰ، واللیل اذا یغشیٰ اور
(مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب القرأۃ)	سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔

حضرت براء رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں سورۃ "والتین والزیتون" پڑھتے ہوئے سنا ہے، میں نے آپ سے بڑھ کر اور کسی کو خوش آواز نہیں دیکھا[2]۔

یہ ساری تفصیل آپ کے سامنے ہے، اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ تخفیفِ صلوٰۃ کا

---

[1] مسلم باب القرأۃ فی الصبح ج ۱ ص ۱۸۴ [2] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب القرأۃ ۱۲

جو مطلب آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں وہ کس قدر غلط ہے، ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہلکی نماز کا کیا مطلب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آپ ہم کو ہلکی نماز کا حکم فرماتے تھے، اور جب انھوں نے عملی مثال بیان کی تو یہ کہ آپ سورۂ صافات کے ساتھ امامت فرماتے تھے۔[1]

قرأت ترتیل یہ تو ہر نماز میں آیتوں کی تعداد کے اندازہ لگانے کے لئے نقل کیا گیا ہے، علاوہ ازیں پڑھنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کا کیا طریقہ اختیار فرما رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہیئے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (مزمل-۱)

جس کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا جس کی آپ پوری پیروی فرماتے تھے، تیز پڑھنے کا کبھی بھی آپ کا معمول معلوم نہیں ہوتا ہے جس سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات سمجھ نہ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ یقطع قرأتہ آیۃ آیۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ الحمد للہ رب العلمین ہ الرحمٰن الرحیم ہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت فرماتے تھے تو ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ کرکے پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پھر الحمد للہ رب العالمین، پھر الرحمٰن الرحیم۔ (ایک آیت کو دوسری میں نہیں ملاتے تھے)

(قیام اللیل محمد بن نصر المروزی باب الترتیل فی القراۃ ص۵۲)

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، تو دیکھا آپ کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رک رک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ فرماتے تھے۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ عن النسائی باب ما علی الامام [2] قیام اللیل محمد بن نصر المروزی ص۵۲ باب الترتیل فی القرأۃ ۱۲

ام المومنین حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأۃ کے متعلق فرماتی ہیں کہ کوئی سورۃ جب آپ پڑھتے تو ترتیل کے ساتھ پڑھتے جس سے سورۃ لمبی سے لمبی معلوم ہوتی حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت میں ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کرکے پڑھتے[1]

صحابۂ کرامؓ کا معمول

ان حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کے پڑھنے کا کیا دستور تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی مقدارِ قرأۃ اور ترتیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جیسا رہا اس لئے کہ یہ حضرات سراپا سوز وعشق تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دفعہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھ گئے، آپ سے جب کہا گیا کہ آفتاب تو اب نکلنا ہی چاہتا تھا (مطلب تاخیر اور لمبی سورۃ کا ذکر تھا) تو آپ نے فرمایا آفتاب سے غافل نہ تھا۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کا خیال واندازہ بھی تھا[2]
حضرت عمر فاروقؓ کا بھی کچھ یہی معمول تھا کیونکہ آپ کے متعلق آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں سورۂ نحل، یوسف، ہود، یونس، بنی اسرائیل اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے[3]
حضرت علقمہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، آپ قرأۃ میں ترتیل فرماتے اور صاف صاف تلاوت کرتے، اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ہے کہ وہ آخری رات کی نماز میں جب قرأۃ کرتے تو ایک ایک حرف علیحدہ کرکے پڑھتے
حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں قرآن تیز تیز نہ پڑھو جیسا شعر پڑھا جاتا ہے[4] حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" کی تفسیر فرماتے ہیں "بَيِّنْهُ تَبْيِينًا" خوب صاف صاف پڑھو[5]

موقع کا لحاظ

اس تفصیل کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ لمبی قرأۃ کی جائے ضرورت اور مجبوری ہو تو اسے پس پشت ڈال دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان کے وقت یہی سنت طریقہ معمول ہونا چاہئے۔ یوں ضرورت ومجبوری یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے قرأۃ میں

---

[1] ہر دو روایت قیام اللیل [2] ایضاً باب الترتیل فی القرأۃ ص۵۲ [3] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم ص۱۲۱

[4] ایضاً [5] ان سب روایتوں کے لئے دیکھئے قیام اللیل باب الترتیل فی القرأۃ ص۵۲

Marfat.com

کمی کی جا سکتی ہے، خود ذاتِ بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوّذتین تک پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں میں آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھا کہ آپ نے معوّذتین کی رغبت دلائی اور اہمیت بتائی اور پھر انھیں تعلیم فرمایا، پھر مجھے خوش کرنے کے لئے ان ہی سورتوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا:۔

یا عقبہ کیف رأیت (مشکوٰۃ باب القرأۃ) اے عقبہ تو نے کیسا پایا۔

تعدیلِ ارکان ان چیزوں کے ساتھ تعدیلِ ارکان بھی ضروری ہے، یعنی رکوع، سجود اور قیام و قعود باطمینان ادا کئے جائیں، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس قدر اطمینان سے کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ آپ بھول گئے اور پھر آپ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ کو وہم تو نہیں ہو گیا[1]۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے اٹھنا یہ سب تقریباً برابر ہوتا، سوائے قیام کے[2]۔

حضرت انسؓ کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ حضرت عمر بن العزیزؒ کی نماز دیکھی گئی اور ان کی تسبیحات رکوع و سجود کا اندازہ دس دس ہیں[3]۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر لوگوں کو بتائی جس کو حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ ویسی نماز تم کو پڑھتے نہیں دیکھتا ہوں۔ وہ (انسؓ) رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ کہنے والا کہہ اٹھتا کہ وہ بھول گئے اور پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے اور بیٹھتے تو کہنے والا کہہ اٹھتا کہ یقیناً وہ آگے بھول گئے ہیں[4]۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الرکوع [2] ایضاً [3] مشکوٰۃ عن ابی داؤد باب الرکوع [4] کتاب الصلوٰۃ لابن القیم ۱۲

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اسوأ الناس سرقۃ الذی یسرق	لوگوں میں بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی
من صلوٰتہ قالوا یا رسول اللہ و	نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا،
کیف یسرق من صلوتہ قال لا	نماز کی چوری کیسی؟ آپ نے فرمایا نماز کی
یتم رکوعھا ولا سجودھا رواہ احمد	چوری اس کا رکوع اور اس کے سجدے
(مشکوٰۃ باب الرکوع)	پورے طور پر ادا نہ کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض امام تعدیلِ ارکان کو فرض تک کہتے ہیں، اور وجوب کا درجہ دینا تو لازمی معلوم ہوتا ہے لہذا یہ تمام حدیثیں سامنے رکھی جائیں اور تخفیف صلوٰۃ (ہلکی نماز) کا مطلب سمجھیں، مقتدی کے ساتھ ارکان نماز اور حقیقِ نماز کا لحاظ بھی ضروری ہے اسی لئے کہا گیا کہ امام کی ذمہ داری بہت اہم اور نازک ہے اور امام کو جو ضامن کہا گیا ہے اس سے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پورا اُتر سکے۔

باطنی اصلاح

جس عظیم الشان عبادت کے ظاہری احکام کی بجاآوری کی تاکید کا یہ عالم ہے بلاشبہ اس کے باطنی احکام کی اہمیت تو اور بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اگر ظاہر کو اعضاء و جوارح کی حیثیت حاصل ہے تو باطن کو قلب کی، پھر اگر قلب ہی میں فساد پیدا ہو جائے تو اعضاءؑ و جوارح کب تک کارآمد رہ سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:۔

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت	سنو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے جس کی اصلاح
صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد	سارے جسم کو صالح رکھتی ہے اور اس کا فساد
الجسد کلہ الا وھی القلب (بخاری)	کل جسم کو بگاڑ دیتا ہے اور سنو وہ "دل" ہے

اس دل پر احسان کی پوری کیفیت طاری ہونی چاہیئے جو جسم کا سلطان ہے، نماز کی حالت

Marfat.com

میں مسجد کی جماعت یہ محسوس کرے کہ ہم رب العزت کے دربار میں اس کے روبرو کھڑے ہیں، اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اعمال و افعال کو بھی اور دل کی ہر ایک کھٹک کو بھی،

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان	اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس احساس کے ساتھ
لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری)	کہ اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ وہ بہرحال دیکھ رہا ہے

نمازی کے دل میں جب یہ یقین جاگزیں ہو جائے گا تو وہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنے کو قہار و جبار، اور غفور و رحیم مالک کے روبرو پائے گا، اور اس کی عظمت و جلال اور اس کی رحیمی و کریمی کا پرتو اپنی طرف بڑھتے دیکھے گا جس سے نمازی کا ظاہر و باطن اطاعت کا مجسمہ بن جائے گا۔ اور دل نورانی کرنوں سے چمک اٹھے گا۔

خضوع و خشوع اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں "خشوع و خضوع" ہے جو عبادت کی جان اور بندگی کی روح ہے، ارشاد ربانی ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ	ان مسلمانوں نے یقیناً فلاح پائی، جو اپنی
فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (مومنون-۱)	نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ خشوع گو صحت نماز کی شرط نہیں مگر قبولیت کی شرط تو بہرحال ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے اس کو لکھا ہے[1]

خشوع کی حقیقت کیا ہے؟ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

اصل الخشوع هو لین القلب و	خشوع کی اصلیت دل کا نرم ہونا اور اس کا
رقته وسکونه وخضوعه وحرقته	پسیجنا ہے، نیز اس کے اطمینان اور جھکاؤ اور
فاذا خشع القلب تبعه جمیع الجوارح	سوزش کا نام ہے، قلب جب جھک پڑتا ہے
والاعضاء لانها تابعة له۔	تو سارے اعضاء و جوارح اس کی پیروی میں
(الخشوع فی الصلوٰة ص۲)	جھک پڑتے ہیں کیونکہ یہ سب اس کے تابع ہیں۔

[1] بیان القرآن جلد ۷ ص۵۵

Marfat.com

یہ بالکل صحیح ہے کہ اعضاء وجوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں، گویا اس جسم کی دنیا میں دل کو سردار کی حیثیت حاصل ہے جس کے صلاح وفساد کا اثر بقیہ حصوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے اور جس کی ہر حرکت وسکون کا سایہ ایک ایک عضو پر پڑنا ازبس ضروری جیسا کہ ابھی اوپر حدیث نبوی گذری، یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خشوع کا پہلا پرتو قلب پر پڑتا ہے جس کی طرف حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔

الخشوع خشوع القلب - (ابن کثیر ج ۳ ص۲۳۵) خشوع دل کا جھک پڑنا ہے

پھر یہ اثر دل سے اعضاء وجوارح پر پھیل پڑتا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں پست ہو جاتی ہیں اور دل جھکاؤ کو قبول کرتا ہے[1]۔ اسی علت کے پیش نظر بعض سلف صالحین فرماتے ہیں جس نمازی کو دیکھو کہ وہ اپنے جسم اور کپڑوں سے کھیل رہا ہے سمجھ لو اس کا دل خشوع کے اثر سے بیگانہ ہے[2]۔

خشوع کا حصول نماز میں خشوع کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ یہ سوال گو اس زمانہ میں اہم ہے مگر جن لوگوں کو ایمان کی حلاوت نصیب تھی ان کے لئے یہ سوال کوئی خاص سوال نہ تھا، ایمان کے ضعف واضمحلال اور اخلاص وللّٰہیت کے فقدان نے ہمارے لئے دشواری پیدا کردی ہے ورنہ ہم جس ظاہری اہتمام کے ساتھ مسجد تک پہنچتے ہیں اتنا بھی اہتمام باطن کا ہوتا، تو بھی بسا غنیمت تھا۔ ایمان کی تازگی اور اس احساس کے ساتھ حاضری ہو، کہ دربار الٰہی میں جہاں رب العلمین جلوہ افروز ہے کھڑے ہیں، یہ دست بستگی اسی کے سامنے ہے، ہم اس کے جاہ وجلال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے قیام وقرأۃ کو ملاحظہ کر رہا ہے، ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی اور اللہ اکبر کہہ کر ہم نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے رشتوں کی رگ کاٹ ڈالی ہے اور اپنا رشتہ مالک حقیقی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس کی عظمت اور کبریائی سامنے ہے اور ہم اس میں گم ہیں۔

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص۲۳۵ [2] الخشوع فی الصلوٰۃ ۱۲۔

یہ یقین دل کی بھٹی کو تیز کردے گا، آلائشوں، زنگوں اور میلوں کو خاکستر بنا کر کندن بنادے گا۔ اور "ربّ العالمین، الرحمٰن الرحیم، مالک یوم الدین" کے جملوں کے ساتھ دل اتھاہ سمندر میں ڈوب جائے گا اور "اِہدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ" پر پہنچ کر دل اور اس کا پورا حلقہ امید و بیم اور خشیت و محبت سے مجبور ہو جائے گا اور ان کلمات کے ساتھ دل کے ساز کا تار تار خنبش میں آجائے گا اور نماز سے جب فارغ ہو چکے گا تو اس کی زبان پر وہی کلمات ہونگے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"

اس کے لئے جو مانع نظر آئے اسے دفع کرنے کی کوشش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اس باب میں کسی چیز کو برداشت نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ کے سوال پر فرمایا تھا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا۔

ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلوٰۃ العبد (بخاری)	وہ اُچک ہے جو شیطان بندہ کی نماز سے اُچک لیتا ہے۔

آپ نے ایسی چیزوں سے بھی اجتناب فرمایا ہے جن سے کسی درجہ میں خلل کا اندیشہ ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضؓ نے دروازہ پر ایک خوبصورت باریک پردہ لٹکا رکھا تھا، آپ نے نماز شروع کرنا چاہی تو فرمایا میرے سامنے سے اپنا یہ منقش پردہ ہٹالو[1]۔ اسی طرح ایک دفعہ لوئیدار چادر میں آپ نے نماز ادا کی مگر نماز بعد اسے فوراً بھجوا دیا اور اس کی جگہ سادہ منگوالی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس چادر نے میری توجہ بٹا دی[2]۔ یہ تو آپ کا اپنا حال تھا، اُمت کو بھی اس ہدایت سے نوازا، اور ساتھ ہی ہر ایسی چیز سے اور ہر ایسے فعل سے منع فرمایا جس کو خشوع کے خلاف محسوس فرمایا مثلاً یہ کہ بھوک میں کھانا سامنے آجائے اور طبیعت کا رجحان کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانا کھا لیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، آسمان کی طرف دیکھا نہ جائے

[1] بخاری و مسلم کتاب اللباس ۱۲ [2] مسلم باب کراہیۃ الصلوٰۃ فی ثوب لہ اعلام ج ۱ ص ۲۰۸

Marfat.com

اِدھر اُدھر تاکا نہ جائے، جمائی نہ لی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پاخانہ، پیشاب کی خلش کے وقت فراغت سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے[1]

استقبال قبلہ اور اس کا اثر نماز میں استقبالِ قبلہ کا حکم اگر ایک طرف نظامِ وحدت کی ایک کڑی ہے تو دوسری طرف اس میں خشوع وخضوع کا شرعی اہتمام ہے تاکہ دلجمعی پیدا ہو سکے اور ساری جماعت میں یکجہتی ہو، مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ نماز میں دخول ظاہری طور پر افعال بالجوارح اور خلافِ ادب کلام باللسان کو حرام کر دیتا ہے اور نماز کی نیت جو باطنی ہے وہ باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرے افکار کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر اللہ سے متعلق ہوں یہ وہ امور ہیں جن کا اہتمام علمائے سلف رحمہم اللہ تعالےٰ اور صحابۂ کرام نے اپنے اپنے دَور میں خوب ہی فرمایا اور پچھلوں کے لئے نشانِ راہ چھوڑ گئے۔

پہلوں کا خشوع ابوداؤد شریف "باب الوضوء بالدم" میں ایک صحابی کا ذکر آیا ہے کہ حالتِ نماز میں ان کو دشمن کے تیر آ آ کر لگتے رہے، خون بھی نکلا مگر انھوں نے نیت نہ توڑی اور برابر نماز میں اسی طرح مصروف رہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ عمر فاروقؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ امامت کرتے ہوئے آپ کو زخم لگایا گیا، آپ کی جگہ دوسرے نے امامت کی مگر نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔

عبداللہ بن الزبیرؓ کا نماز میں یہ حال ہوتا کہ بے حس وحرکت سے معلوم ہوتے دیکھنے والا کہتا یہ بے جان درخت کی لکڑی ہے جس کو ہوا ہلا رہی ہے۔ ایسی محویت ان کو نماز میں ہوتی تھی[2]

ابن سیرینؒ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو اللہ تعالےٰ کے خوف اور اس کی خشیت سے ان کے چہرہ کا خون خشک پڑ جاتا تھا[3]

---

[1] یہ سب حدیثیں بلوغ المرام باب الخشوع میں دیکھی جائیں۔ [2] احکام القرآن لابن العربی سورۂ مومنون ۱۲

[3] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد ۱۲

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ جب نماز میں داخل ہوتے تو محویت وخشیت الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی بھی آہٹ آپ کو سننے میں نہیں آتی۔[1]

حضرت عامر بن عبد قیس رض کے متعلق بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نماز پڑھتے ہوئے مری گردن پر خنجر چل جائے تو یہ برداشت، مگر یہ برداشت نہیں ہے کہ نماز میں دنیا کے معاملہ میں فکر کروں۔[2]

حضرت سعید بن معاذ رض فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں دنیا کی فکر میرے دل میں پیدا ہوئی ہو۔[3]

خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس اہتمام سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شعبہ میں پیروی کرتے ہیں کہ آپ کا نماز میں یہی عالم ہوتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں اور آپ کا سینہ ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے اور آہ و بکا کا ایک شور سا بپا ہے، اس کی آواز عرش معلّٰی تک اپنا اثر قائم کر رہی ہے یہ اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے اور یہ سب کیوں نہ ہو جب کہ ساری عبادت و اطاعت کی جان یہی اخلاص ہے " اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (اعراف ۲۰)

اس اثر کے رسوخ کے لئے ریاکاری، دکھاوا، شہرت اور عزت کے سارے بت پاش پاش کر دیئے جائیں جو راستہ کا پہاڑ ہیں اور گمراہی کا سرچشمہ، قرآن نے پکار کر کہا:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ	اُن نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی
صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ	نمازوں سے بے خبر ہیں اور جو اپنی نمازوں میں
یُرَآءُوْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۔	ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی
(ماعون)	چیزوں کو روکتے ہیں ۔

---

[1] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد ۔ [2] ص ۳۲ ایضاً ۔

Marfat.com

دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں

مساجد کے اجتماعی نظام کی مختصر تفصیل گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائی جس سے ان گھروں کی دینی اور دنیوی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان کا وجود ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور قدرت نے اس سلسلہ کو قائم و دائم فرما کر ہم پر کتنا احسان کیا۔

اب بتانا ہے کہ اسلام نے ان مقدس درباروں کو کیسے سراہا ہے اور ان کی قدر و منزلت کس پیرایہ میں بیان کی ہے، یکسر ان کو مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں دیکھئے اور کتاب الٰہی میں تلاش کیجئے۔

قرآن میں تذکرہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں کتاب الٰہی کی چند آیتیں درج کی جاتی ہیں جن میں صاف لفظوں میں ان کی شرافت و قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے، اور ان کی ظاہری و باطنی وقعت کی طرف اشارہ ہے۔

مساجد خدا کی ہیں دنیا اور دنیا کی ساری مخلوقات اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور سب کی سب اسی کی قدرت سے خلعتِ وجود سے ممتاز ہیں، دنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کو کہا جائے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا عطا کردہ نہیں، لیکن جس کو اللہ تعالےٰ خود کہدے "یہ میرا ہے" اس کی قسمت کا کیا کہنا، اس کی عزت و قبولیت اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے جو دوسرے کے حصہ میں نہیں ہے۔ انہی میں یہ مقدس دربار بھی ہیں جن کو ہم "مسجد" کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی نسبت رب العزت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور ان کو اپنے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا ہے، جس میں کسی اور کی شرکت منظور نہیں۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ — مسجدیں اللہ ہی کی ہیں پس اللہ کے ساتھ

Marfat.com

اللّٰہِ اَحَدًا (جن-۲۰) کسی کو مت پکارو۔

بلاشبہ یہ نسبت ساری دوسری نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس نسبت سے جو شرافت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے وہ اور شرافتوں سے بالاتر، پھر تخصیص کی مزید عزت، اس کی وقعت و اہمیت کا زبردست مظاہرہ ہے۔

مساجد کی خدمت کسی کو جب اپنا بنا لیا جاتا ہے تو پھر یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے حوالہ کر دیا جائے، جو اس کا مخالف ہو، کیونکہ جب اس کو مالک سے عقیدت نہیں، دل میں اس کی خشیت و محبت نہیں اور وہ اس کے احکام پر اطاعت کا سر رکھنے والا نہیں ہے تو یقینی طور پر وہ اپنی مفوضہ خدمت کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے گا، پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مشرکوں اور نافرمانوں کو جب مسجد اور اس کے مالک سے قلبی لگاؤ نہیں تو اس مسجد کی خدمت رب العزت ان کے ہاتھ میں کیونکر چھوڑے گا، ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ۔ (توبہ-۳)

مشرکوں کی لیاقت نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جس حالت میں کہ وہ اپنے اوپر کفر و انکار کا اقرار کر رہے ہیں۔

یہ دربارِ الٰہی کے احترام کا اظہار ہے تاکہ ان گھروں کی قدر و منزلت دلوں پر نقش ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ان کی وہی خدمت کریں جو خدا کے دوست ہوں جن کے دل میں اس کی خشیت و محبت گھر کر چکی ہو تاکہ وہ ان کے بنانے میں عقیدت و محبت کی پونجی صرف کر سکیں اور یہ سمجھ کر خدمت کے لئے کمر باندھیں کہ یہ دنیا کے پروردگار کا گھر ہے اور اس کے جاہ و جلال اور عرض و نیاز کا دربار۔

حق خدمت مومن کامل کو یہی وجہ ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام نے جن کو حقِ تعمیر بخشا ہے ان کے لئے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی پابندی رکھی ہے، یعنی ان کا دل اور باطن مومن ہو اور ظاہر اور جسم بھی، قلب ایمان کی دولت سے معمور ہو تو جسم عمل کی دولت سے مالا مال

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ	اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ	ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور
فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ	زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں
الْمُهْتَدِيْنَ ۔ (توبہ-۳)	پس انہی سے توقع ہے کہ مقصود کو پہنچ جائیں۔

"ایمان باللہ" لاکر بتایا گیا کہ اللہ تعالےٰ سے اس کو سچی عقیدت ہو، اور اپنے کو صحیح معنی میں احکامِ الٰہی کے تابع قرار دے لے اور "آخرت پر ایمان" سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ اس کو اپنے سارے کاموں کے حساب و کتاب کی ذمہ داری کا پورا احساس بھی ہو اور پھر اس میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب و عقاب کا یقین بھی، یہ دل اور نیت کی اصلاح کی شرط ہے، باقی ظاہری طور پر بھی وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو، بدنی اعتبار سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی، جس کو "اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کاموں میں شہرت و عزت اور ریا و سُمعہ کا فریب آجاتا ہے اس لئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ یہ سب کسی اور کے خوف سے نہ ہو بلکہ جو کچھ رب العزت کی خشیت سے ہی ہو جس کو "وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ" کے مختصر جملہ میں بیان فرمایا ہے، ماحصل یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت چاہے وہ ذہنی ہو چاہے خارجی اللہ تعالےٰ کی خشیت غالب رہے۔

کوئی جب ان ساری خصوصیتوں سے سرفراز ہو کر دربارِ الٰہی کی خدمت انجام دے گا تب کہیں جا کر وہ اس کام میں حق راستہ کو پائے گا اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان میں سے شاید کوئی خصوصیت بھی مشرک میں نہیں پائی جاتی، بخلاف مومن کے، کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ان کا حامل ہوتا ہے۔

بار بار غور کیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے مسجد کی خدمت کے لئے ان قیود کو کیوں بیان فرمایا، کیا ان سے مسجدوں کی عظمت و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

Marfat.com

یعمر کے معنی | یعمر کا لفظ بہت سے معنوں کو شامل ہے۔ کرخیؒ فرماتے ہیں۔

انما یعمر مساجد اللہ ای بنحو البناء	انما یعمر مساجد اللہ کے معنی ہیں جیسے بنانا
والتزین بالفرش والسراج وبالعبادۃ	فرش اور روشنی سے زینت دینا، عبادت
وترک حدیث الدنیا (جمل ج ۲ ص ۲۷)	کرنا اور دنیا کی باتیں مسجد میں نہ کرنا۔

مسجد کی تعظیم و تکریم اور اس میں عبادت | اوپر کی آیتوں میں مسجدوں کی بنیادی حیثیت ظاہر کی گئی ہے اب ان کے عملی پہلو پر نظر کیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے ان سے کیا مقصد رکھا ہے اور وہ ان گھروں میں کیا چاہتا ہے کیونکہ کسی چیز کی تعمیر خود مقصود بالذات نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے مصالح و حِکَم مطلوب ہوتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ	ان گھروں میں حکم دیا اللہ نے کہ ان کی تعظیم
یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ بِالْغُدُوِّ	کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے
وَالْاٰصَالِ (نور-۵)	اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کریں۔

اس آیت میں "بیوت" سے مراد مسجدیں ہیں اور اللہ تعالےٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی تعمیر کے بعد یہ فریضہ ہے کہ ان کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ تعالےٰ کی یاد ہوتی رہے اور دن رات اس کی تقدیس بیان کی جائے اور ہمہ دم اسے تسبیح و تہلیل سے آباد رکھا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر مسجد کا حق پورا پورا ادا نہ ہوا اور یہ سب اس طرح سے ہو کہ دل و دماغ پر یہ امر مستحضر رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، تاکہ دربارِ الٰہی کے آداب میں فرق نہ آنے پائے، بلکہ آداب کا خیال اس کی لذت کو دوچند کردے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو یقین کرلینا چاہیئے کہ تعظیم و تکریم کے لوازمات اس کو میسر نہیں ہیں۔

بہرحال یہ بات تو روشن ہوگئی کہ مسجدوں کا وجود اس لئے عمل میں آیا کہ ان میں ذکر اللہ کی گونج ہو اور ان میں پہنچ کر رب العزت کا دھیان تازہ ہو جائے، اور جس جگہ اتنا اہم کام ہو بلکہ اسی لئے اس کا وجود عمل میں آیا ہو اس کی اہمیت کتنی ہوگی، یہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے

Marfat.com

اخلاص و للّٰہیت پھر اللہ کی یاد ہو تو کس طرح؟ کہ ظاہر سے زیادہ باطن پر اثر انداز ہو، یادِ الٰہی میں یہاں کسی کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہونے پائے، اور دل اخلاص کے اتھاہ سمندر میں ڈوبا ہو، یا وہاں بھی ہو خالص ہی ہو لیکن خصوصیت سے اس جگہ اور بھی خلوص و للّٰہیت کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیئے کہ یہ دربارِ الٰہی ہے اور محبوب حقیقی کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہے

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ — اور تم اپنا چہرہ ہر مسجد کے پاس سیدھا رکھا کرو۔

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف ۳۰) — اور اللہ تعالےٰ کی عبادت مخلص بن کر کیا کرو۔

مسجدوں کی بڑائی کے ذکر کا یہ بھی ایک پیرایہ ہے کہ وہاں پہنچ کر دل میل کچیل سے پاک کر لو اور نیت کے گل پرزے اخلاص کے آبِ زمزم سے دھو ڈالو تاکہ کہیں سے شرک کی بو نہ آنے پائے کیونکہ یہ وہ دربار ہے جہاں خدا سے سرگوشی ہوتی ہے اور یہی وہ گھر ہے جس کو دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہیں۔

طہارت و نفاست باطن میں جس عقیدہ نے جڑ پکڑ لی، ظاہر میں اس کے برگ و بار پیدا ہونے ضروری ہیں جس کی عزت ہم دل میں کرینگے یقینی طور پر عمل سے اس کو ظاہر بھی کرنے کی کوشش کرینگے، یہی وجہ ہے کہ درجۂ کمال میں ایمان و اسلام ایک ہو جاتے ہیں، ایک طرف تصدیق بالجنان کا حکم ہے تو دوسری طرف عمل بالجوارح کا بھی مطالبہ موجود ہے، تو جب قرآن نے مساجد کے باطنی احترام کا حکم فرمایا لہٰذا ساتھ ہی ظاہری اہتمام کو بھی نہ چھوڑا، ارشاد فرمایا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳۰) — اے آدم کے بیٹو! مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔

یعنی جب عرض و نیاز کے لئے مناجات و سرگوشی کے لئے دربارِ الٰہی میں آؤ تو صاف ستھرا لباس زیب تن کر لیا کرو جو پاک و صاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو، تم احکم الحاکمین کے سامنے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہو تو ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو، تاکہ ظاہری طور پر بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہو سکے، بیدرست ہے کہ وہ پہلے دل کی

Marfat.com

گہرائی کو دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا اثر جسم پر ہونا بھی ضروری ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی ویرانی کے ساتھ جو زیب و زینت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں لیکن موجودہ دور میں دین کی رسمی محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پروائی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس آیت سے مسجد کے لئے حسن ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے جو مسجد کی بزرگی و احترام کا ایک دلنشین طریقہ ہے، تفسیر ابن کثیر میں ہے، اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہئے۔[1]

صاحب تفسیراتِ احمدی لکھتے ہیں :-

ومن السنة ان یاخذ الرجل	سنت ہے کہ نماز کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت
احسن هیئة للصلوٰة وفیه دلیل علی	اختیار کرے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے
وجوب ستر العورة فی الصلوٰة (ص ۳۳۱)	کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

بہرحال قرآن پاک نے مسجدوں کی تعظیم و تکریم کے دونوں پہلو بیان کئے ہیں اور ان کی قدر و منزلت کو ہر طرح ذہن نشین کرنا چاہا ہے۔

مسجد کا مخالف سب سے بڑا ظالم ہے

مسجدوں کی عظمتِ شان کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جو ان کی مخالفت کرے وہ عند اللہ معتوب قرار پائے اور واقعہ ہے کہ جس کو خدا ظالم کہے اس سے بڑھ کر معتوب اور کون ہو سکتا ہے چنانچہ ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ جو دربارِ الٰہی کی مخالفت کسی طرح بھی کرتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، کیونکہ ان کی عظمت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان میں داخلہ ہو تو خشیتِ الٰہی اس پر چھائی ہوئی ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ	اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ
اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ	کی مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کرا دے اور اس کی ویرانی
اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَا	کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے باک ہو کر

[1] ابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۱

اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (بقرہ - ۱۴)

ان میں قدم بھی رکھنا نہ چاہئے، ان کی دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی ان کی سزا سخت ترین ہوگی ۔

شانِ نزول میں اگرچہ آیت خاص ہے مگر اپنے حکم میں عام ہے اور تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے، جو بھی مقاصدِ مساجد کی تکمیل میں مانع بنے گا اور اس میں اللہ تعالےٰ کی یاد کو قصداً روکے گا۔ موردِ عذاب ہوگا اور عنداللہ وہ بڑا ظالم قرار پائے گا، اس میں شبہ نہیں ہے کہ اپنے حال کے اعتبار سے کفر و شرک ہی ظلم عظیم ہے مگر اس لحاظ سے کہ تخریب مساجد کے خواہاں دوسروں کو ہدایت سے روکتے ہیں اور اسلام کے ایک بڑے شعار کو مٹاتے ہیں وہ اپنے اس فعل میں کفر و شرک سے بھی بڑھ کر بُرے کام کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دربارِ الٰہی روئے زمین پر اسلام کا ایک بڑا شعار ہے ۔

اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں مساجد کی اہمیت کا ایک اور طرز بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ رب العزت ان مقدس گھروں کی حفاظت و نگرانی فرماتا ہے کوئی قوم جب حد سے تجاوز کرتی ہے اور معابد کے مٹانے کے درپے ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے اور اس طرح اپنے معبدوں کی نگرانی کر کے اُسے بچا لیتا ہے ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔ (حج - ۶)

اگر ہمیشہ سے اللہ تعالےٰ لوگوں میں ایک دوسرے کا زور نہ گھٹاتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نصاریٰ کے عبادت اور خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالےٰ کا نام لیا جاتا ہے منہدم ہو گئی ہوتیں ۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں اس وقت کی شریعت کے مطابق جو گھر بھی بنائے گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو دشمنوں کے دست برد سے بچایا اور

ہمارا یہ دَور جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا دَور ہے اور یہ آخری شریعت ہے اس کے مطابق جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے گھر ہیں ان کی منجانب اللہ حفاظت ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، بعض حفاظت ایسی ہوتی ہے جس کو ہم محسوس نہیں کر پاتے ہیں اور بعض کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

تاریخ میں مسجدِ حرام پر ابرہہ بادشاہ کے حملہ کی داستان تازہ ہے اور اس کا جو حشر ہوا وہ قرآن پاک جیسی اَن مِٹ کتاب میں مندرج ارشادِ ربّانی ہے۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۔ (الم ترکیف)

یہ کس قدر کھلی حفاظت تھی جو تاریخ میں اب تک تازہ ہے۔

مسجد سے متعلق قرآن پاک کی یہ چند آیتیں جو مصرّح ہیں پیش کر دی گئیں، ضمناً جو تذکرہ آیا ہے اُسے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے، ان میں بار بار غور کیجئے اور ہر پہلو سے ان میں فکر و نظر سے کام لیجئے۔

احادیث میں فضائل اب آیئے رحمتِ عالم ؐ کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ ان درباروں کی وقعت و حرمت کھل کر سامنے آجائے اور جو پہلو اجاگر نہ ہو سکا ہے اس پر ایک ہلکی روشنی پڑ جائے، کیا عجب ان سے وہ گرہیں کھل جائیں، جو اب تک نہ کھل سکی تھیں۔

مسجد اللہ کو پیاری ہے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب العزت کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار[1]

مسجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح و شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے جو جنت میں صبح و شام مہمانی پیش کی جائیگی[2] مسجدیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتی ہیں اور

[1] مسلم باب فضل المساجد صفحہ ۲۳۶ ج ۱۔ [2] مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ عن البخاری و المسلم ۲

مسلّم ہے کہ عموماً میزبان مہمان کی دعوت کرتا ہے، تو بات سمجھنے کی ہے کہ نمازی حکماً اللہ تعالٰے کے مہمان ہوئے، لہٰذا اللہ تعالٰے یہاں کے بدلہ وہاں جنت میں مہمانی پیش کرے گا۔

نورِ کامل کی بشارت — ایک بار آپ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں مسجد حاضر ہوتے ہیں نورِ کامل کی بشارت سنائی۔

بشر المشائین فی الظلم الی المساجد	تاریکی میں مسجد جانے والوں کو نورِ
بالنور التام یوم القیامۃ۔ رواہ	کامل کی بشارت دو جو قیامت
الترمذی (مشکوٰۃ باب المساجد)	کے دن حاصل ہوگا۔

مسجد کی حاضری رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے — ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالٰے اپنے سایہ میں اس دن پناہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا ان سات میں ایک وہ شخص ہوگا کہ وہ جب مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دھیان اسی طرف لگا رہتا ہے[۲]۔ ایک حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوا، وہ اللہ تعالٰے کی پناہ میں ہے۔ رب العزت اسے نقصان خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے، اس کے مومن ہونے کی شہادت دو[۳]۔ حدیث میں "تعاھد" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت و خبرگیری کرنا، اس کی محافظت و مرمت کرنا، جھاڑو دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذکر کرنا، علوم دینی کا درس دینا ہے[۴]۔

مجاہد فی سبیل اللہ — ایک دفعہ آپ نے مسجد جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمتِ الٰہی میں غوطہ لگانے والے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں[۵]۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں — مسجدوں کی عظمت کو مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے

---

[۱] مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ عن البخاری۔ [۲] ایضاً عن ابی داؤد۔ [۳] ایضاً عن ابن ماجہ وغیرہ

[۴] مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ج ۳ صـ۱ [۵] کنز العمال ج ۳ صـ۱۱۹

Marfat.com

چنانچہ ایک حدیث میں ان کو اللہ تعالےٰ کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

المساجد بیوت اللہ و قد ضمن اللہ لمن کانت المساجد بیتہ بالروح و الراحۃ والجواز علی الصراط الی الجنۃ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۲۴)

مسجدیں خانۂ خدا ہیں، اور یہ جس کا گھر ہے اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے مہربانی، آرام اور پل صراط سے گزار کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت لی ہے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ گھر اور چہار دیواری میں سکونت کا محتاج ہے، ان تمام چیزوں سے اللہ تعالےٰ پاک ہے، مطلب یہ ہے کہ ان گھروں پر اس کا خاص فیضانِ رحمت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مسجدوں کو آخرت کا بازار کہا گیا ہے۔

مساجد جنت کے باغ ہیں

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلنشین طریقہ سے فرمایا۔ تم جب جنت کے باغوں سے گزرو تو آسودہ ہو کر کھاپی لو، صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ جنت باغات کون؟ ارشاد ہوا "مساجد" پھر پوچھا گیا آسودہ ہو کر وہاں کھانا کیونکر؟ ارشاد فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد۔[1]

مساجد دنیا کی بہترین جگہ

دربارِ رسالت میں ایک یہودی پہنچا اور اس نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ رحمت عالم صلعم نے یہ سن کر سکوت فرمالیا اور کہا میرا یہ سکوت روح الامین کی آمد تک ہے، آپ ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبریل امینؑ تشریف لے آئے، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے وہ سوال ان پر پیش کر دیا، جبریل امینؑ فرمانے لگے، میرا علم اس سلسلہ میں آپ سے زیادہ نہیں ہے، ہاں پروردگار عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں حضرت جبریلؑ آکر کہنے لگے اے اللہ کے پیارے رسولؐ! دربارِ ایزدی میں حاضر ہوا، اور اس قدر قریب ہوا، جتنی قربت کبھی نہیں ہوئی تھی آپ نے پوچھا وہ نزدیکی کیسی تھی، روح الامین نے جواب دیا میرے اور رب العزت

[1] مشکوۃ باب المساجد عن الترمذی ۱۲

کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ "مساجد"[1]

مسجد کی برکت حضرت معاذ بن جبلؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک دن خلافِ معمول صبح کی نماز میں تاخیر ہوگئی معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نکل آئے گا، اتنے میں آنحضرت صلعم تشریف لائے، اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی، سلام پھیرتے ہی آواز دی۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت صلعم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہوں، بات یہ ہوئی کہ میں رات میں نیند سے بیدار ہوا، جو کچھ نماز میرے لئے مقدر تھی وضو کرکے ادا کی، پھر حالت نماز ہی میں غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بوجھل سا ہوگیا کہ معاً اپنے کو پروردگار عالم کے پاس پایا جو اپنی احسن صفت کے ساتھ جلوہ گر تھے۔ ارشاد باری ہوا۔ "اے محمد!" میں نے کہا۔ "لبیک ربِّ" حکم ہوا، بتاؤ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس باب میں جھگڑتے ہیں" اس سوال کو تین بار فرمایا، میں نے ہر بار یہی کہا۔ "لا ادری" (میں نہیں جانتا) آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا دست قدرت مجھ پر ڈالا تا آنکہ اس کا نمایاں اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی، اور میں نے ان کو خوب اچھی طرح جان لیا، پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "اے محمد! آپ کہتے ہیں کہ میں نے لبیک کہا۔ حکم ہوا ملاءِ اعلیٰ کس بات میں الجھ رہے ہیں۔ اب میں نے کہا۔ "کفارات میں" یعنی گناہوں کا کفارہ کون عمل بنتا ہے) ارشاد باری ہوا، وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب میں کہا۔

(۱) کھانا کھلانا (مسکینوں محتاجوں کو)

(۲) نرمی سے بات چیت کرنا (زیردستوں اور ٹوٹے ہوئے دل والوں سے)

(۳) اور نماز پڑھنا رات میں، جب لوگ خواب استراحت کے مزے لوٹ رہے ہوں پھر آپ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا مانگو جو چاہتے ہو، آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے اس وقت

[1] مشکوٰۃ باب المساجد عن ابن حبان ۱۲

Marfat.com

یہ دعا مانگی:-

"اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَۃً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ"

اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ سب حق ہے پس اسے یاد کرلو اور پڑھو۔[1]

مساجد شعارِ اسلام مسجد شعارِ اسلام سے ہے، حدیث میں ہے کہ تم جب کوئی مسجد دیکھ لو یا اذان سن لو تو پھر قتال نہ کرو، دوسرے یہ کہ مسجد محلِ صلوٰۃ اور مرکزِ عبادت ہے جہاں رحمتِ الٰہی کا ہمیشہ ترشح ہوتا رہتا ہے اور یہ مسجد اسی وجہ سے کعبہ کے مشابہ ہو جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو پاک وصاف ہو کر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے۔[2]

نیت کی پاکی حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رحمتِ عالم صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو میری اس مسجد میں پاک اور اچھی نیت سے آتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند ہے، اور جو کسی اور نیت سے آتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہو۔[3] ایک دفعہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جس ارادہ سے آتا ہے وہی اس کے حصہ میں آتا ہے۔[4]

صاحب اشعۃ اللمعات نے "اِنَّمَا الاعمال بالنیات" والی پہلی حدیث کے ضمن میں مثال دے کر بتایا ہے کہ مسجد میں کتنی مختلف نیتوں سے آدمی آسکتا ہے اور پھر ہر ایک کا اجر بتایا ہے، اور تمام نیتوں کا اجر حدیث ہی سے ثابت کیا ہے تفصیل دیکھنا ہو تو وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن اور احادیث میں مسجدوں کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُمید ہے اس کا خلاصہ اس

---

[1] مشکوٰۃ باب المساجد عن الترمذی واحمد [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صـ۱۹۲ [3] مشکوٰۃ باب المساجد

[4] ابوداؤد باب فضل القعود فی المسجد ۱۲

مختصر مضمون میں آگیا ہے، دانا و بینا اور عقل والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے۔
یہ جو کچھ لکھا گیا وہ یکسر مساجد کے متعلق ہے، مگر مسجد کی عظمت ایک اور طریقہ سے بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیے کہ یہ عظیم الشان دربار، دینی اور دنیوی اعتبار سے کتنا بلند ہے۔

مسجد کی قربت اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا فیض و کرم پڑوس کو بھی نہیں محروم کرتا، رحمت کی چھینٹیں اُڑ کر ان پر بھی پڑتی رہتی ہیں، جس سے ان کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، ارشادِ نبوی ہے:-

فضل الدار القریبۃ من المسجد	مسجد سے جو گھر قریب ہیں اس کی فضیلت
علی الشاسعۃ کفضل الغازی	دُور والے گھر پر ایسی ہے جیسی غازی کو
علی القاعد (کنز العمال ج ۴ ص ۱۳۸)	گھر بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے

دیکھا آپ نے کہ پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اونچا ہوگیا، یہ قریب اور آس پاس کے مکانات اپنے دوسرے مکانات سے سبقت لے گئے، اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، جو جلوہ گاہِ خدا ہے اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے۔ یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے کچھ نہ کچھ نفع اندوز ہوگا ہی۔

تسکین خاطر مگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو دُور رہتے ہیں ان کو بھی محروم نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی کسی نہ کسی طرح یہ حصہ عطا کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ان اعظم الناس اجرًا فی الصلوٰۃ ابعدھم الیھا	زیادہ اجر ان کے لئے ہے جو دور دور سے
ممشی فابعدھم والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی	چل کر آتے ہیں اور جو مسجد آکر جماعت
یصلیھا مع الامام اعظم اجرًا من الذی یصلیھا ثم ینام (مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد و فضل المشی الیھا)	نماز پڑھتے ہیں وہ تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں۔

اس حدیث میں ان کے لئے تسلی و تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے جو مسجد سے دور بستے ہیں

Marfat.com

اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثوابِ عظیم سے کیا گیا ہے جو دُور سے چل کر آنے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مسجد میں آمد کا ثواب حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا، ایک موقع سے میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجدِ نبوی کے پڑوس میں (جس حد تک ممکن ہو) بسوں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا۔

انّ لکم بکل خطوۃ درجۃ	بے شک تمہارے لئے ہر قدم پر
(مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد ج ۱ ص ۲۳۵)	ایک درجہ ہے۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ مسجد نبوی کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی، قبیلہ بنو سلمہ جو مسجد سے دوری پر آباد تھا اُس کا ارادہ ہوا کہ پڑوس میں آکر آباد ہو اور پہلی جگہ چھوڑ دے، یہ خبر جب آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے جب ان کا یہ ارادہ دیکھا تو ان سے کہا۔

یا بنی سلمۃ دیارکم تکتب آثارکم	اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو
(مسلم باب کثرۃ الخطا الی المساجد و فضل المشی الیہا ج ۱ ص ۲۳۵)	لازم پکڑو، تمہارے نشان قدم لکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں رہیں، دُوری سے نہ گھبرائیں، یہ دوری بھی باعثِ ثواب بنتی ہے یعنی وہاں سے چل کر جب مسجد آنا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک پُر لطف بات ہے کہ آدمی جب گھر سے باوضو مسجد کے لئے نکلتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:۔

الابعد فالابعد من المسجد اعظم	مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا ہے اور وہ آتا ہے اس کو

Marfat.com

اجرًا (ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ) اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔

حضرت اُبی بن کعبؓ ایک انصاری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صاحب میرے علم میں مسجد سے (نمازیوں میں) سب سے دور رہتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت بہ پابندی مسجد حاضر ہوتے تھے کبھی بھی ان کی جماعت نہیں چھوٹتی تھی، ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ کاش آپ سواری کے لئے ایک گدھا خرید لیتے تاکہ آپ کو رات کی تاریکی اور تپتے دن میں مسجد آنے میں آرام رہتا، انھوں نے یہ سُن کر فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں مسجد کی بغل میں ہوتا اور چلنے کی مشقت سے بچتا، بلکہ میری تو خواہش یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم اٹھیں ان تمام کے نشانِ قدم میرے نامۂ اعمال میں لکھ دیئے جائیں، آنے کے بھی اور واپسی کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا، آمد و رفت دونوں کے ثواب اللہ تعالےٰ نے تم کو عطا کئے۔[1]

ایک دفعہ رسول الثقلین صلعم نے ارشاد فرمایا جب کوئی پاک و صاف ہو کر باوضو کسی مسجد کے لئے چلتا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا درجہ کی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے۔[2]

سفر کی واپسی میں مسجد کی حاضری

مساجد کی ایک عظمتِ شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے، وہاں لوگوں سے مل جل کر گھر تشریف لے جاتے۔ آپ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا واپسی سفر پر یہی دستور ہو گیا تھا کہ مسجد میں اُترتے نماز ادا کرتے پھر منزلِ مقصود کی طرف چلتے اب بھی مسلمانوں کے لئے یہی طریقہ مسنون ہے۔[3]

اعتکاف جو ایک سنت طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لئے بھی مسجد شرط ہے۔

---

[1] مسلم باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ فی جماعۃ الخ ۱ ص ۲۳۵ [2] ایضاً [3] مسلم باب استحباب رکعتین فی المسجد لمن قدم سفرہ ج ۱ ص ۲۴۸

Marfat.com

اجتماع کے مرکزی گھر اور اس کی تعمیر

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ قدرتی اجتماعی نظام کے لئے مرکزی گھروں کا ہونا ضروری ہے جس کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہی ہو چکی تھی، اور وہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر پھیل گیا اور ہر پہلو سے مکمل ہو گیا۔

مرکزی گھروں کی تعمیر اب یہاں اس بات کی تفصیل کرنی ہے کہ اس گھر کی تعمیر میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے زمانہ میں ان مرکزی مکانوں کا اہتمام ایک مستقل نظام بن گیا، آپ نے ان کے بنانے کا عام حکم دیا، اس طرح کہ کوئی آبادی جہاں آپ کے ماننے والے ہوں ان گھروں کے وجود سے خالی نہ ہو، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناءً المسجد فی الدور (ابوداؤد باب اتخاذ المساجد فی الدور)	رسول اللہ صلعم نے حکم دیا کہ تمام محلوں میں مسجد بنائی جائے۔

چنانچہ آپ نے بھی ان گھروں کو ہر مسلم آبادی میں قائم کیا، اور آپ کے جان نثار صحابۂ کرامؓ نے بھی، گزر چکا ہے کہ مسجد قبا اور مسجد نبوی تو خود آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی اور دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے گاؤں میں مسجدیں بنائی ہونگی اور آپ کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ حکم ہر جگہ بجا لایا گیا، کوئی ایسی جگہ تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزری جسے مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں فتح کیا ہو اور اس میں مسجد نہ بنی ہو۔ فتوح البلدان اٹھا کر دیکھئے ہر آبادی میں آپ کو مسجد نظر آئے گی، حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان اب بھی کتابوں میں موجود ہے۔

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمرؓ	حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

امر المسلمین ان یبنوا المساجد۔ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شہروں کو فتح کیا تو آپ
(کشاف ج ا صفحہ و تفسیرات احمدی صفحہ ۲۸۳) نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب مسجدیں بنائیں

یہ حکم صرف حکم ہی نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوا اور ہر گوشۂ ملک میں مسجدوں کی تعمیر عمل میں آئی، جو اجتماع کے مرکزی گھر کہے جاتے ہیں، انہی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنھوں نے یہ حکم دیا تھا بہت سی مسجدیں بنائی گئیں۔ مورخین نے ان کی تعداد چھ ہزار کے قریب لکھی ہے یہ وہ تعداد ہے جو ان کو فراہم ہو سکی ہے ورنہ اُمید یہی ہے کہ اس سے زیادہ مسجدیں بنی ہونگی اس تعداد میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ان میں سے دو ہزار کے قریب جامع مسجد تھیں[۱]۔

بہرحال یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے ہمیں صرف اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اجتماع کے یہ مرکزی گھر (مسجد) بکثرت بنائے گئے۔

تعمیر مسجد کی ضرورت کوئی شبہ نہیں کہ نماز ہر پاک جگہ پڑھنے کی اجازت ہے، اور اُمت مرحومہ کے لئے تمام زمین مسجد ہے، شریعت محمدی میں وہ تنگی نہیں ہے جو پہلی شریعتوں میں پائی جاتی تھی بلکہ یہاں حکم ہے۔

جعلت الارض کلھا مسجدا وطھورا و ایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل (بخاری باب قول النبی صلعم جعلت الارض الخ)

تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے، میری امت کے جس فرد کو جہاں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے۔

بندوں کے لئے کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی بندگی اور عبادت سے غافل رہیں، وقت آئے اور گذر جائے مگر بندہ یہ بہانہ کر کے کہ "مسجد نہ تھی" اپنی پیشانی خدا کے آگے نہ رکھے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وقت آجائے وہیں وضو کر کے یا شرعی مجبوری میں تیمم کر کے نماز ادا کرے مسجد وہاں ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ تمام زمین پاک ہے۔

مگر اسلام کا قانونِ عام مقتضی تھا کہ نظم و ضبط اور مسلمانوں کی قوتِ اجتماعی برقرار رکھنے

---

[۱] جامع التواریخ صفحہ ۱۳۳

Marfat.com

کے لئے کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جو بکھری ہوئی بھیڑ اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کر دے اور انتشار و تشتت کی راہ پر آہنی پھاٹک لگا دے تا کہ نفرت و عداوت اور پھوٹ کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے جو کسی قوم کی مٹی پلید کرنے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ شریعتِ مطہرہ نے مسجدوں کے نام سے اس اجتماعی اور دینی نظام کو قائم کیا اور اس کے قائم کرنے کا ہر ایک مسلمان کو حکم دیا، اور دن رات کے پانچ وقتوں میں ان میں حاضری ضروری قرار دی اور ان گھروں کی حیثیت ایسی رکھی کہ کسی کو آنے میں عار نہ ہو اور نہ بندگی کی ادائیگی میں شرم، اور نہ کسی کے لئے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ وہ کسی کو اس گھر کی حاضری سے روک سکے۔

ان گھروں کا زیادہ تعلق عبادات سے رکھا گیا ہے، لغویات کی یہاں مطلق گنجائش نہیں ہے، چنانچہ مسجد کی تعریف ہی یہ کی گئی کہ مسجد اس گھر کو کہتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہو[1] اور فقہاء نے تو اس کو نماز کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے[2]۔

کوئی شبہ نہیں کہ بقول فقہاء مسجد کا بڑا کام نماز کی ادائیگی ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دین کے دوسرے کام اس میں جائز نہیں ہیں ہم شروع میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا بہت سارا کام اسی مسجد سے لیا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ مسلمانوں کے لئے فوز و فلاح کا ذریعہ بنایا گیا ہے جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

مرد مومن کو حق تعمیر یہاں عرض کرنا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ کا فائدہ مسلمانوں سے وابستہ ہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کا گھر کہا جاتا ہے اس لئے ان گھروں کی تعمیر کا حق بھی مخصوص طور پر ان کو ہی دیا گیا ہے جو اللہ تعالےٰ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی بھیجی ہوئی شریعت کو یقین کے ساتھ مانتے اور قبول کرتے ہیں، اسی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ کفر و

---

[1] جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۴۲۱ [2] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۱۸۱

شرک کا برملا اقرار کرتے ہیں ان کو مسجدوں کی تعمیر کا حق نہیں ہے، اور اگر یہ کریں بھی تو مقبول نہ ہونگی، بلکہ ان کی تعمیر اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی کا حق اُن کو ہے جو دل اور جوارح ظاہر و باطن ہر طرح سے اللہ تعالےٰ کو مانتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے سوا امر دین میں کسی اور سے نہیں ڈرتے ہیں پھر یہ کہ وہ احکام الٰہی کو کسی کے خوف سے ترک بھی نہیں کرتے، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان ہے[1]۔ یوں تو ہر مسلمان کو تعمیر مسجد کا حق ہے کہ وہ عقیدہ کے اعتبار سے پکا مسلمان ہے مگر ان میں جو صالح ہیں ان کو زیادہ حق پہنچتا ہے، باقی کافر و مشرک کو مسجد بنانے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب کی روسے اس کو کار خیر اور ثواب کا کام سمجھے تو اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں، لیکن جس شکل میں ان کو مسجد بنانے کی اجازت دی گئی ہے اگر مسلمان کسی مصلحت اسلامی کے خلاف سمجھیں تو پھر ان کو بھی اجازت نہ ہوگی[2] ابوبکر حنفی لکھتے ہیں۔
قرآن کا لفظ تو یہی بتاتا ہے کہ کافروں کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی اور نہ اُن کو مسجد کا ذمہ دار بنایا جائے گا[3]۔

تعمیر مسجد کا اجر اس تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تعمیر مسجد کی عزت اسلام کی نظر میں کتنی بلند ہے، اور بنانے والا اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں کتنا ممتاز ہے، یہی نہیں حدیثوں میں صراحت ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کا گھر بناتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو اس کا بدلہ مرنے کے بعد جنت میں عطا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من بنی مسجداً اللہ تعالیٰ بنی اللہ لہ مثلہ بیتا فی الجنۃ (بخاری)	جو اللہ تعالےٰ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں اسی طرح کا گھر بنائے گا۔

اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسول اپنی زبان وحی ترجمان

---

[1] دیکھئے سورۂ توبہ، رکوع ۳ انما یعمر مساجد اللہ الخ [2] بیان القرآن للتھانوی جلد ۴ ص۱۰
[3] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص۱۰

سے جنت کی بشارت سنائیں اور اللہ تعالےٰ اس کے بدلہ میں جنت میں گھر عطا کریں، جو دلیل ہے اس کی رضا اور خوشنودی کی، مردِ مومن کو اس کی خوشنودی کے علاوہ چاہیئے ہی کیا۔

مثلہ (اسی طرح) کا یہ مطلب تو کسی درجہ میں ممکن ہی نہیں ہے کہ جنت کا گھر دنیاوی گھر کی طرح کا ہوگا، جو اینٹ چونا وغیرہ سے بنایا گیا ہوگا، اس طرح کا دل میں خطرہ گزرنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ انسان کی بنائی ہوئی مسجد اور اللہ تعالےٰ کے جنتی گھر میں بحیثیت صنعت اور خوبصورتی وہی فرق عظیم ہوگا جو انسان اور اللہ تعالےٰ کی صنعت میں ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک مسجد بنانے کا بدلہ ایک ہی گھر سے ملے گا بلکہ متعدد گھر بھی ایک کے معاوضہ میں مل سکتے ہیں جیسا کہ قرآنِ پاک نے ہر نیکی کا بدلہ "بعشر امثالھا" (دس گنا) سے بیان کیا ہے جو محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اور ایک ہی ہوگا تو ایسا کہ اس پر ہزاروں دنیاوی گھر نچھاور کئے جا سکتے ہیں، پھر یہ بھی نہیں ہے کہ گھر کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا بلکہ اس کی رحمت سے بڑی اُمیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں۔ واضح رہنا چاہیئے کہ جنت کی بالشت بھر زمین ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

بعض روایتوں میں مثلہ کی جگہ "افضل منہ" اوسع منہ" بھی آیا ہے جو مماثلت کی نفی کرتا ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں آدمی جیسی نیکی کرتا ہے ویسا ہی بدلہ ملتا ہے پھر یہ بھی تو ہے کہ مسجد بنانے والوں کو جنت میں جو گھر ملے گا اس گھر کو جنت کے دوسرے گھروں پر وہی بڑائی حاصل ہوگی جو مسجد کو دنیا کے دوسرے گھروں پر حاصل ہوتی ہے[1]۔

مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بدلہ جنس بناء سے بھی ملے گا، مع دوسرے الطاف و اکرام کے، باقی کتنے کمرے ہوں گے، کیسے کمرے ہونگے اس کی صحیح حقیقت اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اجر کے متعلق یہ سمجھ کر رائے قائم کرنی چاہیئے کہ دینے والا رحمٰن، رحیم اور قدیر ہے۔

---

[1] یہ تفصیل فتح الباری جلد اول ص۳۶۵ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

تعمیر میں بقدر وسعت حصہ مسجد بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی شخص پوری مسجد بنوائے تب تو مستحق اجر ہے ورنہ نہیں، بلکہ معمولی مدد بھی قابلِ اجر ہے جس سے جو ہو سکے مدد کرنی چاہیئے جس طرح روپئے دینے والے کو اجر ملتا ہے اسی طرح اس کو بھی ثواب ملتا ہے جو جسم سے مدد کرے۔ بلکہ جسمانی مدد تو سنت ہے، نبیوںؑ اور صحابۂ کرامؓ دونوں نے بدستِ خود تعمیر مسجد میں حصہ لیا ہے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے واقعہ کو قرآن نے بیان کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا واقعہ مسجد قبا اور مسجد نبوی کے ضمن میں آپ ابھی پڑھ چکے۔

مسجد نبوی کی ہی تعمیر کا واقعہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور بڑی تندہی سے کام کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس محنت سے کام کرتے دیکھا تو شفقت و محبت سے ان کے سر کی مٹی جھاڑنے لگے۔[1]

آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت عہدِ نبوی میں برگِ کھجور کی تھی۔ ایک رات بارش ہوئی، مسجد نبوی میں اس قدر پانی ٹپکا کہ فرش کیچڑ بن گیا، صحابۂ کرامؓ نے یہ حال دیکھا تو اٹھے اور اپنے کپڑوں میں کنکری لا لا کر بچھانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور ان کے اس کام کی تحسین فرمائی۔[2]

مسجد کے لئے جو زمین دیگا وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہوگا، اور جو بنا بنایا مکان مسجد بنا دے وہ بھی اسی زمرہ میں ہے یعنی وہ بھی مسجد بنانے کا مخصوص اجر پائے گا۔[3]

البتہ جو اپنی پوری اجرت لے کر کام کرے گا اس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ لازماً یہ اخلاص کا فقدان ہے، ہاں اگر اس نے واقعی کچھ رعایت کی ہو، یا نیت صالح ہو تو توقع کی جاتی ہے فی الجملہ کچھ ثواب مل جائے گا۔[4]

لوازمات مسجد مسجد کے علاوہ اس کے لوازمات کا عطیہ بھی باعث اجر و ثواب ہے، جیسے فرش کے لئے جائے نماز، چراغ بتی، یا مثلاً وضوخانہ بنا دینا مسجد کے لئے مسجد کے قریب گھر یا ہر

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۶۴ [2] ابوداؤد باب فی احصاء المسجد۔ [3] فتح الباری ج ۱ [4] ایضاً

کنواں کھدوا دینا، نل لگوا دینا، اور اسی طرح کی کوئی اور چیز جس سے مسجد اور اہلِ مسجد کو فائدہ ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

بقدر مقدور در بنائے مساجد در محلے کہ احتیاج آں باشد امداد مالی و جانی نمودن ثواب عظیم دارد و ہمچنیں در مہیا داشتنِ اسباب طہارت از بنائے غسل خانہ و ترمیم چاہ و اجرائے آب ریزہ و مہیا داشتن فرش و بوریا و روشن کردن چراغ در آنجا تا آں مدت کہ مردم در آں باشند عبادت است۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۱ ص ۲۴۳)

جہاں ضرورت ہو حتی المقدور مسجد کے بنانے میں مالی اور جانی مدد کرے، اس کا بڑا ثواب ہے، اسی طرح طہارت کے سامان فراہم کرنے کا ثواب ہے، جیسے غسل خانہ بنانا، کنویں کی مرمت کرنا اور نل لگانا، یونہی فرش مسجد کا سامان، جیسے چٹائی اور چراغ روشن کرنا جس وقت تک آدمی ہوں، یہ سب کام عبادت کا ثواب رکھتے ہیں۔

مسجد اور لوازماتِ مسجد میں تمام ضروریات کی چیزیں آگئی ہیں، ان تمام کا ثواب بھی کرنیوالوں کو ملے گا، اور یہ تمام مسجد سے متعلق چیزیں صدقۂ جاریہ کا حکم رکھتی ہیں، جن کا ثواب ان کی بقا تک ملتا رہے گا۔

تعمیر میں چند امور کا لحاظ اس طرف بھی شاہ صاحبؒ اشارہ کر گئے کہ مسجد یا لوازماتِ مسجد کے مہیا کرنے کا ثواب وہاں ہوگا جہاں ضرورت ہو، بلاشبہ یہ چیز بھی اہم ہے، اس لئے مسجد جب بنانے کا کوئی ارادہ کرے تو اس کو دیکھ لینا ہوگا کہ اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، پھر ضرورت ہے تو واقعی یا آرام طلبی کے لئے، بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اس کو نہیں دیکھتے ہیں صرف ثواب کی نیت سے ایسا کر گزرتے ہیں حالانکہ یہ غلط چیز ہے، مقصد حصولِ ثواب ہی ہو تو اس کے بہت راستے ہیں، بے ضرورت تعمیر مسجد سے بدرجہا بہتر ہے کہ دین کے دوسرے کام سرانجام دیئے جائیں جو کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔

فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے جس سے دوسری مسجد کو نقصان پہنچنے کا غالب اندیشہ ہو تو یہ کام بجائے خیر کے شر بن جائے گا، ایک مسجد میں جو جماعت بآسانی ہو رہی تھی اس

Marfat.com

میں اس دوسری مسجد کی وجہ سے تفریق پیدا ہو جائے گی اور محلہ کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا، جس کو کوئی دیندار پسند نہیں کرتا، سیدنا عمر فاروق رضؓ کے زمانۂ خلافت میں جب فتوحات کی کثرت ہوئی تو آپ نے ہر آبادی میں تعمیر مسجد کا حکم نافذ فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ کسی ایک شہر میں ایسی دو مسجدیں نہ ہوں کہ ایک دوسرے کے لئے ضرر رساں ہوں، تفسیر کشاف میں ہے۔

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی	حضرت عطاء سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے
عہد رضی اللہ عنہ امر المسلمین ان	جب عمرؓ کے ذریعہ شہروں کو فتح کیا تو آپ نے
یبنوا المساجد وان لا یتخذوا	مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسجدیں بنائیں مگر اس
فی مدینۃ مسجدین یضار	طرح کہ ایک شہر میں دو مسجدیں ایسی نہ ہوں
احدھما صاحبہ (کشاف ج ۱ ص ۴۰۸)	کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے۔

ایک محلہ میں دو مسجدیں ایک محلہ میں متعدد مسجدیں بنانا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ محلہ کی آبادی اتنی دور میں پھیلی ہوئی ہو کہ دوسرے کنارے کے لوگ نہ پہنچ سکیں ورنہ پھر احتیاط اسی میں ہے کہ ایک محلہ میں ایک سے زائد مسجد نہ ہو، یا چند بھی ہوں تو اس طرح کہ نزدیک نزدیک نہ ہوں جس سے ایک جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اس کی بغل میں دوسری مسجد اس وقت تک نہیں بنائی جا سکتی جب تک کوئی شرعی مجبوری درپیش نہ آئے، مثلاً یہ کہ پہلی مسجد تنگ ہو جائے اور اس کو وسعت دینے کی گنجائش نہ ہو، یا ایک مسجد میں اجتماع سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو بغیر کسی ایسی شرعی مجبوری کے دو مسجدیں بنا کر انتشار و تشتت پیدا کرنا اس اجتماعی نظام کے سراسر خلاف ہے کہ اس سے شیرازۂ دینی بکھر جائے گا۔ عبادات کا عروۃ الوثقیٰ مضمحل ہو جائے گا اور مسجد کی رونق جاتی رہے گی۔

سلف صالحین کی احتیاط سلف صالحین ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے جن میں

Marfat.com

مسجد ضرار کی ذرہ برابر بھی بو آجاتی تھی، اور اسی وجہ سے وہ نماز پڑھنے میں پرانی اور قدیم مسجد کو ترجیح دیتے تھے، مختلف علماء نے ان امور کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے، عموماً اس طرح کی مسجدیں شہرت و عزت اور ریاکاری کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جو مسجدیں ان اغراضِ فاسدہ کے لئے وجود میں آئی ہوں وہ بلاشبہ مسجدِ ضرار کی شکل میں ظاہری طور پر بھی آجاتی ہیں[1] جس سے اجتناب بہرحال ضروری ہے۔

تعمیر سے پہلے نیت کی اصلاح

یہاں یہ مسئلہ صاف کرلینا چاہیئے کہ اگر کوئی محروم القسمت مسجد بنائے مگر اس کی نیت نام و نمود، عزت و شہرت اور ریاکاری ہو تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

اس اہم سوال کا جواب پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اصلاحِ نیت اور اخلاصِ عمل پر مختصر سی روشنی پڑ جائے، تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت اُجاگر ہو جائے۔

حضرت عمرؓ بن الخطابؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو محدثین "امہات الدین" میں شمار کرتے ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے بلکہ خود بخاریؒ نے اپنی "جامع صحیح" میں پہلی حدیث اسی کو نقل کیا ہے اور کتاب شروع کرنے سے پہلے اصلاح نیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اعمال نیتوں ہی سے
انما الاعمال بالنیات وانما لامرأ مانوی	ہیں اور آدمی کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے، لہٰذا
فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ	جس کی ہجرت اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کیلئے
فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن	ہوئی اس کی ہجرت اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے لئے ہے
کانت ھجرتہ الیٰ دنیا یصیبھا اوالی	اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کیلئے ہوئی یا کسی عورت
امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما	سے شادی کرنے کے لئے ہوئی تو اس کی ہجرت انہی
ھاجر الیہ۔ (بخاری وغیرہ)	چیزوں کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی

[1] تفسیر مدارک علی الخازن ج ۲ ص ۲۶۵

Marfat.com

نیت کو دخل اس حدیث کے ایک ایک جملہ کو غور سے پڑھنا چاہیئے، یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے، اور عمل پر اجر اسی وقت مرتب ہوتا ہے جب نیت پاک وصاف ہو، ہجرت جیسی مہتم بالشان چیز میں نیت کے فساد سے ثواب جاتا رہتا ہے۔ اور ایک اندھا جو اپنی شرعی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا اس کو نیت کی خوبی کی وجہ سے اجر ملتا ہے۔

نماز کے عملِ صالح ہونے میں کس مسلمان کو شبہ ہوسکتا ہے لیکن یہی نماز اگر ریا کے جذبہ کے ساتھ پڑھی جائے تو باعثِ ہلاکت ہے، ارشادِ ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ	ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی
صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ	نماز کو بھلا دیتے ہیں، اور جو اپنی نماز
هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ (ماعون)	میں ریاکاری کرتے ہیں۔

ویل جہنم کا ایک گہرا طبقہ ہے اور بعض نے ویل کا ترجمہ خرابی اور ہلاکت سے کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ریاکار کی نماز باعثِ محرومی اور ناکامی ہے، حدیث میں اس کو شرکِ اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے، دیکھا آپ نے، اس قدر عظیم الشان عبادت اور ذرا سی نیت کی خرابی نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر سے زیادہ باطن کو دیکھتا ہے جسم سے زیادہ اس کی نظر باطن پر ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَامِكُمْ وَلَا	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو
اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ رَوَاهُ	نہیں دیکھتا ہے اس کی نظر تو تمہی
المسلم (ریاض الصالحین للنووی ص۵)	طور پر تمہارے دلوں پر ہوتی ہے

ریاکاری کا فساد نیت کی اس مختصر تفصیل کے بعد غور کیجیئے کہ نیت کو اعمال کی قبولیت اور اس کی اصلاح میں کس قدر دخل ہے، تو پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ تعمیرِ مسجد جیسا اہم کام انجام

دیا جائے اور اس میں نیت کے فساد سے بگاڑ پیدا نہ ہو، یقیناً اس نیت بد کا اثر اس کے اعمال پر پڑ کر رہے گا، اگر نیت ریاکاری اور نام و نمود کی ہے تو اس کو معاوضہ میں یہی چیزیں ملیں گی، جس ثواب کی تعمیرِ مسجد میں بشارت سنائی گئی اس سے یہ محروم رہے گا۔

کل مسجد بنی مباھاۃ اورياء او سمعۃ	جو مسجد ڈینگ، ریاکاری، اور نام و نمود یا کسی
او لغرض سوا ابتغاء وجہ اللہ او	اور غرض فاسد کے لئے بنائی جائے جس میں
بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد ضرار	اللہ تعالےٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہو یا مسجد
(تفسیرات احمدی ص۲۸۳ و مدارک علی الخازن ج۲ ص۲۶۵)	ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار کی سی ہے۔

مسجدِ ضرار مسجد ضرار وہ مسجد ہے جو مسجد قبا کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی، بانی منافق اور دشمنِ رسول تھے جن کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور سازش کا جال بچھانا تھا، مسجد کی شکل میں یہ خفیہ کارروائی کے لئے منافقوں نے ایک گھر بنایا تھا، اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اسے جلوا کر خاکستر بنا دیا، قرآن میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس غرض سے مسجد
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	بنائی کہ اسلام کو ضرر پہنچائیں اور اس میں بیٹھ کر
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ	کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق
رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ	ڈالیں اور اس کے قیام کا سامان کریں جو پہلے سے
اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ	اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھائینگے
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۘ لَا تَقُمْ	کہ بجز بھلائی کے ہماری نیت کچھ اور نہیں اور
فِيْهِ اَبَدًا۔	اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ
(توبہ - ۱۳)	(اے نبی) اس میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

جس مسجد کا یہ حال ہو کسی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کا اسی جیسا ہو جانا معمولی بات نہیں ہے۔ غور کیا جائے کہ جو مسجد اس نیتِ فاسد سے بنائی جاتی ہے کہ نام و نمود اور عزت حاصل

Marfat.com

ہو، اللہ کے یہاں نہیں دنیا والوں میں، اس کی مسجد اور خود بانی کا کیا حال ہوگا، ایسی مسجد جب مسجدِ ضرار کے درجہ میں آنے کے لائق ہو جائے گی تو اس کے بانی کس درجہ میں آجائیں گے؟ بار بار سوچئے، اللہ ہر مسلمان کو اس عذاب سے بچائے۔

بطور ریا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس طرح کی مسجد ہر پہلو سے مسجدِ ضرار کے حکم میں ہو جاتی ہے، بلکہ یہ صرف انتفاء ثواب، نیت فاسدہ اور بطلان خلوص میں ہے، کیونکہ مسجد ضرار اور آج کل کی مسجد جو بطور ریا بنائی جائے دونوں میں فرق ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مسجد ضرار میں مسجد کی نیت سرے ہی سے نہ تھی بلکہ محض تلبیس اور فریب مقصد تھا، جس کا قرآن نے اعلان کیا، اس کو مختصر لفظوں میں "دھوکہ کی ٹٹی" کہہ سکتے ہیں، مگر مسلمان جو مسجد بناتا ہے اس کی نیت ہر حال میں مسجد کی ہی ہوتی ہے صرف اس کی نیت میں ریا اور نام و نمود کی آمیزش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی ہوگی۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسجد ضرار میں چار چیزیں تھیں، جن کی وجہ سے یہ مسجدیت سے نکل گئی، اول یہ کہ اسے منافقین نے اپنی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کا ذریعہ، اور مسلمانوں کی ضرر رسانی کا حیلہ بنایا تھا جس کو لفظ "ضرار" بتلا رہا ہے، دوم یہ کہ اس کی آڑ میں کفر کی تقویت مقصود تھی اور اسلام کا ضعف و اضمحلال جیسا کہ لفظ "کفر" سے ظاہر ہے، سوم یہ کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت اور ان کی یکجائی پامال کر کے تفرقہ، اختلاف اور عداوت پیدا کرنا ان کی خواہش تھی جس پر لفظ "تفریقا بین المومنین" شاہد ہے۔ چہارم یہ کہ منافقین نے اس مسجد ضرار کو دشمنِ خدا و رسولؐ کی روپوشی اور گھات کے لئے تیار کیا تھا جس کا نام مفسرین[1] نے "ابو عامر خزاعی نصرانی" بتایا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے "لمن حارب اللہ ورسولہ"

---

[1] جمل علی الجلالین جلد ۲ صفحہ ۳۱۸

Marfat.com

یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آنے کی ہے کہ مسلمان جو بھی مسجد بناتا ہے اس کا مقصد ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا ہے" اس لئے وہ ظاہری احکام میں مسجد ہے گو عند اللہ مقبول نہ ہو مسجدیت اور مقبولیت میں تلازم نہیں، نہ ایک جانب سے، نہ دونوں جانب سے "واللہ اعلم"[1] باقی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کو ایسی بات سے پرہیز لازم ہے، جس سے اس کو ثواب سے محرومی ہو اور ہمہ دم اس کو حبطِ عمل سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۔

بانی کے نام کا کتبہ بعض لوگ جو بدعات کا شکار ہو کر مسجد پر اپنا نام کندہ کراتے ہیں یا بانی اپنے نام کا کتبہ لگاتے ہیں یہ بھی ریا ہے اور بقول ابن جوزی اخلاص سے محروم ہیں[2]۔

ہمارے دور میں تعلّی، ترفّع اور آن وشان کی جو رسم بد جاری ہو گئی ہے اور اخلاص کی جس طرح مٹی پلید ہو رہی ہے وہ قابل صد افسوس ہے، ملا جیون نے سچ فرمایا ہے کہ

ہمارے زمانہ کے وہ متعصب مشائخ اور بھی قابل تعجب ہیں جو ہر گلی کوچہ میں مسجد اس لئے بناتے پھرتے ہیں کہ نام ونمود حاصل ہو اور شان وشوکت نمایاں رہے یہ محض باپ دادا کی غلط پیروی کا نتیجہ ہے ان کو مسجد ضرار کے واقعہ میں غور وفکر کرنا چاہیئے، اور انجام سے ڈرنا چاہیئے[3]۔

حلال مال نیت نیت کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسجد میں جو مال لگایا جائے وہ پاک اور حلال کمائی کا ہو، اس اجتماعی نظام میں ان تمام مفاسد پر پہرہ بٹھایا گیا جس سے کوئی برا اثر پیدا ہو، اور اس نظام کی ہر طرح سے حفاظت کی گئی ہے تاکہ اس کے استحکام میں کہیں سے کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے پائے۔

مال حرام اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے جو کبھی نہ کبھی فتنہ وفساد کا مرکز بن جاتا ہے جیسے زہر کہ اگر فوری طور پر کچھ نہ بھی ہو تو بھی مطمئن نہ رہنا چاہیئے، پھر یہ مال جب کہ مسجد جیسی پاک جگہ میں صرف ہو رہا ہو، یہ دربار الٰہی ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہے، اس

[1] بیان القرآن جلد ۷ ص۱۱ مع الفاظ۔ [2] فتح الباری جلد ۱ ص[illegible]۔ [3] تفسیر احمدی ص۳۸۴

میں ناپاک مال کی ذرّہ برابر گنجائش نہیں ہے۔

ان اللہ طیب لا یقبل — بیشک اللہ تعالےٰ پاک ہے وہ بجز
الّا الطیب (مسلم) — پاک اور حلال کے قبول نہیں کرتا۔

زانیہ کی تعمیر کردہ مسجد: مال حرام سے مسجد ہی نہیں بلکہ اس کا استعمال کہیں بھی جائز نہیں ہے، پھر مسجد میں اگر کوئی لگاتا ہے تو وہ دین پر ظلم کرتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ زانیہ یا مغنیہ عورت اگر زنا اور غنا کی کمائی سے مسجد بنائے تو یہ مسجد ہی نہیں ہوگی۔ مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے اس مسئلہ کی دلیل میں اسی اوپر والی حدیث کو پیش کیا ہے، اس کی وضاحت ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مسلم اور ترمذی میں ایک حدیث رافع بن خدیج سے آئی ہے، اس میں آنحضرت کا یہ فرمان ہے مھر البغی خبیث (زانیہ کی کمائی حرام ہے) کسی کو خبیث کے معنی جو حرام کیا گیا ہے، اس میں شبہ ہو سکتا تھا اس لئے انھوں نے اس کو سید جمال الدین محدث شیخ عبدالحق شارح مشکوٰۃ اور ملّا علی قاری کے حوالہ سے ثابت کیا ہے۔ ملّا علی قاری کی دلیل یہ ہے:-

مھر البغی خبیث ای حرام اجماعًا — زانیہ کی کمائی خبیث یعنی بالاتفاق
لانھا تاخذہ عوضا عن الزنا — حرام ہے اس لئے کہ وہ اس کو زنا کے
المحرم ووسیلۃ الحرام حرام وسماہ — معاوضہ میں لیتی ہے جو حرام ہے اور
مھرا مجازا لانہ فی مقابلۃ البضع — حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے۔ بس کا نام
(فتاویٰ عبدالحیؒ ج ۳ ص ۳۵) — مہر مجازاً رکھا گیا ہے کہ وہ شرمگاہ کے مقابلہ میں ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ مالِ حرام سے مسجد نہیں بنائی جا سکتی وہ حرام مال زنا و غنا سے حاصل کیا گیا ہو یا کسی اور ناجائز و حرام طریقہ سے، فرض کر لیجئے اگر کوئی اس طرح مال حرام کی تیار کردہ مسجد ہے اور اس میں کسی نے نماز پڑھ لی تو گو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ثواب میں نقص ضرور پیدا ہوگا اور مسجد کے بنانے والے کو بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

Marfat.com

مال حرام سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم

اب یہ بحث بہرحال ہے کہ اس مسجد کا کیا حکم ہے۔ اسے مسجدیت سے خارج قرار دیا جائے یا نہیں۔ حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ اپنے رسالہ "آداب المساجد" میں لکھتے ہیں :۔

"دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا ہے، اس میں دلیل کی حاجت ہے، صرف مولانا عبدالحیؒ کا قول حجت نہیں۔ مسجد کا احکام میں مسجد ہونا مسئلہ فقیہہ ہے، سو کتب فقہ میں تحقیق مسجدیت کے لئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں، جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ وقف مقبول نہ ہو بلکہ خود معصیت ہے لیکن وقف صحیح ہو جاتا ہے، اسی طرح گو یہ مسجد مقبول نہ ہو بلکہ خود معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جائے گی، مثلاً اس کی بیع جائز نہیں، اس میں حائض و جنب کا داخل ہونا جائز نہیں، اس میں بول و تغوط (پیشاب و پاخانہ) درست نہیں۔ اب صرف یہ بات باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے۔ سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گذرا، لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جائے، نہ اس میں نماز پڑھیں نہ اس کی بے حرمتی کریں۔ البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے، اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرا دینا جواز انتفاع کے لئے کافی ہو جائیگا اور ایسی مسجد مذکور کی جو مال حرام سے بنائی ہوئی ہے، ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے، اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جائے، باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی نظر کرا لی جائے"

یہ تفصیل مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے زانیہ اور مغنیہ کی مسجد پر لکھی ہے، جس کی کمائی حرام ہوتی ہے، یہی تفصیل دوسرے مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کی بھی ہو گی۔

گندہ مال سے تعمیر میں اجتناب

مسجد میں مال حرام کے سوا ایسے مال سے بھی اجتناب ضروری ہے جس میں کسی طرح کی شرعی کراہیت پیدا ہو جائے، تاکہ مسجد اوساخ سے منزہ کہی جا سکے اور مسلمانوں کے اجتماع کے مرکزی گھر ہر طور پر ایک اعلیٰ نمونہ بن سکیں۔

Marfat.com

علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ مسجد میں ایسے مسلمان بھنگی کی کمائی لگانا درست نہیں ہے جس کی کمائی سوائے پائخانہ اٹھانے کی اُجرت کے نہیں ہے[1]۔ کیونکہ حدیثوں میں اس طرح کی کمائی کو کراہت آمیز کہا گیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ یا زکوٰۃ کے حکم میں جو مال ہے اس کا لگانا بھی مسجد میں جائز نہیں ہے[2]۔ کیونکہ اس طرح کے مال میں حکماً ایک طرح کی گندگی ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ تعمیر مسجد کارِ ثواب ہے مگر تعمیرِ مسجد میں چند امور کا لحاظ ازبس ضروری ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جو مشکوٰۃِ نبوت سے مستخرج ہیں۔

مسجدوں کی تزئین

تعمیرِ مسجد کا اجر بیان ہو چکا، اب اس پر روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ تعمیری خصائص کیا ہیں، یعنی مسجدیں کیسی بنائی جائیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ رسم عام طور پر پھیلتی جا رہی ہے، کہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ لوگ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں جھاڑ و فانوس ہوں، رنگ و روپ میں ممتاز ہوں اور گل و بوٹے ضرور ہوں اور زیادہ سے زیادہ ہوں۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے پیشِ نظر بھی اس مسئلہ پر بحث ضروری ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جا کر جو سلسلہ چل رہا ہے وہ بھی رُک جائے اور مسلمان بعض ان چیزوں کو ضروری تصوّر کر لیں جو ہرگز ضروری نہیں ہیں۔

تعمیرِ مسجد میں سادگی ہم پہلے مسجد نبوی کے سلسلہ میں اشارہ کر آئے ہیں کہ مسجد ایسی سادہ ہونی چاہئے جسے تمام مسلمان بآسانی بنا سکیں، پھر آپ وہاں مسجد نبوی کی ہیئت پڑھ چکے ہیں کہ جو مسجد آپ نے بنائی تھی وہ بالکل سادہ تھی، بخاریؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

[1] مجموعہ فتاوی عبدالحی ج ۲ ص ۳۵۶ [2] عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۳

"مسجد نبوی عہدِ رسالت میں کچی اینٹ سے بنائی گئی تھی جس کی چھت برگ کھجور کی، اور ستون درختِ خرما کے تھے، ابوبکر صدیق رضؓ نے اس میں کوئی زیادتی نہ کی، اپنے حال پر رہنے دیا، فاروق اعظم رضؓ نے زیادتی تو کی لیکن سابق بنیاد پر بنائی اور وہی کچی اینٹ کی دیوار، برگ کھجور کی چھت، صرف ستون لکڑی کے دیئے۔ پھر حضرت عثمان رضؓ نے اس میں کافی زیادتی کی۔ دیوار منقش پتھر اور سمنٹ سے ستون بھی منقش پتھروں ہی کے اور چھت ساج کی لکڑیوں سے تیار ہوئی۔"[1]

تعمیری خصائص کا جہاں تک تعلق ہے یہ بات صاف ہے کہ دورِ فاروقی تک وہی سادگی رہی جو آپؐ کے زمانہ میں تھی حالانکہ آمدنی کے لحاظ سے فاروق اعظم رضؓ کا زمانہ ممتاز کہا جا سکتا ہے فتوحات کی کثرت تھی، روم و فارس کے خزانے لدے چلے آرہے تھے، آپ نے مختلف شعبوں کو ترقی دی اور بہت سے نئے شعبے پیدا کئے۔ مگر اس طرف آپ نے کوئی توجہ نہیں کی۔ یہی نہیں بلکہ سختی سے اس تزئین کو روکا، آپ کا فرمان تھا کہ رنگ سازی کر کے فتنہ کا سامان نہ فراہم کیا جائے۔

امر عمر ببناء المسجد وقال اکنّ	عمر رضؓ نے مسجد کے بنانے کا حکم دیا لیکن ساتھ
الناس من المطر وایاك ان	ہی یہ بھی فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا
تحمر او تصفر فتفتن الناس	چاہتا ہوں، خبردار مسجد سرخ و زرد نہ بنائی جائے
(بخاری ج ۱ ص ۶۴)	جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

فتنۂ عثمانی میں ترقی البتہ دورِ عثمانی میں تھوڑی سی زیبائش آئی، اور وہ بھی مستحکم عمارت کے ضمن میں بات یہ ہوئی کہ اس دور میں نفاست بڑھ گئی، لوگوں نے محل بنوانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضؓ نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ مسجد کی عمارت میں ترقی دی جائے۔

آپ کی تیار کردہ مسجد میں بیل بوٹے زیادہ نہ تھے، کوئی خاص زرق برق بھی پیدا نہ کیا گیا ایک اعتدالی شکل اختیار کر کے نفاست بڑھا دی، مگر با ایں ہمہ کتنے صحابہ کرام رضؓ کو یہ اضافہ

[1] بخاری باب بنیان المسجد ۱۲

Marfat.com

پسند نہیں آیا، وہ اپنی محبت رسول کی وجہ سے چاہتے تھے کہ وہی ہیئت باقی رہے جو آپ کے زمانہ میں تھی، گو یہ بھی درست ہے کہ کسی نے اس پر شدید انکار بھی نہ کیا۔

تزئین کی ابتداء مسجد کی زینت جس نے اعتدال سے بڑھائی اور تزخرف کی حد کو پہنچایا وہ حکومت بنی اُمیہ کا خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان تھا۔ یہ صحابۂ کرام کا بالکل اخیر زمانہ تھا، اس وقت مدینہ کے عامل (گورنر) عمر بن عبدالعزیزؒ تھے، انہی کی نگرانی میں ۸۸ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید شروع ہوئی اور صناع و معمار قیصر روم کے یہاں سے منگوائے گئے، ساز و سامان بھی بہت کچھ وہیں سے آیا۔ صناع (کاریگر) چونکہ قبطی یا رومی تھے اس لئے انھوں نے موقع موقع سے مسجد کی بے حرمتی بھی کی، اور نقش و نگار اور جھاڑ و فانوس کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ صرف قبلہ والی دیوار پر سینتالیس ہزار اشرفیاں خرچ کی گئی تھیں[1]۔ تین چار سال میں جاکر یہ کام ختم ہوا۔ تکمیل عمارت کے بعد ولید دیکھنے آئے تو اتفاق سے اُن کی ملاقات حضرت عثمان غنیؓ کے کسی صاحبزادے سے ہوگئی، ولید نے ان سے کہا۔ دیکھئے آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس میں کتنا فرق ہے۔ یہ سُن کر صاحبزادے نے جواب دیا، ہاں میرے باپ کی تعمیر مسجد تھی اور آپ کی یہ تعمیر کردہ عمارت یہود و نصاریٰ کے کنیسوں جیسی ہے[2]

تزئین شریعت کی نظر میں ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی مزخرف عمارت مسجد کے لئے شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ما امرت بتشييد المساجد قال ابن عباسؓ لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ (ابوداؤد باب بناء المسجد)	مسجدوں کو شید بنانے کا حکم نہیں ہے ابن عباسؓ نے معنی بیان کئے کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح زینت دو گے۔

زخرفہ زینت دینے کو کہتے ہیں۔ اصل میں "تزخرف" نام ہے سونے کے پانی چڑھانے

[1] جذب القلوب للشیخ عبدالحق محدث دہلوی باب ہفتم [2] ایضاً

اور سنوارنے کا۔ کیونکہ لغت میں "زخرف" کے معنی سونا اور کسی چیز کو کمال حسن دینا ہے[۱]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسجد کو ایسی زینت دے جو اعتدال سے بڑھی ہوئی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کو آراستہ کرتے اور سنوارتے ہیں حالانکہ معبد کے ساتھ یہ برتاؤ پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں عقیدت سے زیادہ ڈھنگ کو دخل ہے۔

بات بھی درست ہے کہ ہماری مسجدوں میں یہ تزخرف اور یہ حد سے بڑھی ہوئی گلکاری دوسری ہی قوموں کی عبادت گاہوں سے آئیں اور یہاں آکر اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اب وہ قومیں جن سے یہ چیز لی گئی تھی بہت پیچھے رہ گئیں۔ آج بھی روئے زمین پر جو مسجدیں مسلمانوں کی رہ گئی ہیں وہ بے نظیر ہیں[۲] تفصیل دیکھنی ہو تو دیکھئے "اخبار الاندلس" مترجمہ منشی خلیل الرحمن باب بست و نہم جلد سوم۔

تفاخر علامت قیامت شریعت میں اس طرح کی زینت کو ناپسند غالباً اس لئے کیا گیا ہے کہ اس مرکز پہنچ کر اخلاص و للّٰہیت ختم ہو چکتی ہے اور فخر و مباہات اس کی جگہ لے لیتی ہے، جس کو حدیث میں علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

لا تقوم الساعۃ حتی یتباھا	قیامت اس وقت آئے گی جب
الناس فی المساجد (ابو داؤد باب بناء المسجد)	لوگ مسجدوں میں تفاخر کرنے لگیں گے۔

تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس کے برے وقت آجاتے ہیں اور محرومِ القسمتی کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر برسنے لگتی ہیں، سچ فرمایا نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے

ما ساء عمل قوم قط الا زخرفوا	جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدیں

[۱] قاموس ج ۳ ص۱۲۱ [۲] اس کے لئے انتظار کیجئے "تاریخ مساجد" کا جو زیر ترتیب ہے۔ منہ

Marfat.com

مساجد ھم (ابن ماجہ باب تشئید المساجد) کہ مزین کرتی ہیں۔

یہ پیشین گوئی ہے کہ تزئینِ مساجد قوم کی بداعمالی کی علامت ہے، جس چیز کو مسلمانوں نے سمجھا تھا کہ بڑائی اسی میں ہے وہ شریعت کی نظر میں بدترین نکلی۔ سرکار دو عالمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

اراکم ستشرفون مساجد کم کما شرفت الیھود کنائسھا و کما شرفت النصاری بیعھا۔ (ابن ماجہ باب تشئید المساجد)

میں دیکھتا ہوں کہ تم قریب ہی زمانہ میں مسجدوں کو بلند و بالا بنانا شروع کردو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسے اور گرجے بناتے ہیں۔

مسجد کی عمارت کی بلندی اور اس کی گلکاری کو دیکھئے اور اس کے بعد اس کی آبادی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو کہ یہ جذبہ کس قدر کھوکھلا ہے، ظاہری زینت کا یہ حال اور منشاء اصلی کا ایسا فقدان۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائیں، اسی حالت کی طرف خادم رسول صلعم حضرت انسؓ نے اشارہ فرمایا تھا:۔

یتباھون بھا ثم لا یعمرونھا الا قلیلا (بخاری ج ۱ ص ۶۴)

مسجدوں میں لوگ تفاخر کریں گے مگر پھر اس کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تزئین خشوع کے خلاف ہے ایک پہلو سے اور غور کیجئے کہ مسجدوں کی زینت کتنی بے جا ہے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نماز کی روح خضوع و خشوع ہے اور اس کے بغیر نماز بے جان ہے، اس زمانہ میں خشوع کا یونہی فقدان ہے مگر جبکہ نقش و نگار ہونگے تب تو یہ چیزیں اور بھی نمازی کو لہو و لعب میں مبتلا کر دینگی، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھا تو فرمایا۔

امیطی قرامك ھذا فانہ لا یزال تصاویرہ تعرض لی فی صلوتی (بخاری)

اپنے اس باریک و خوبصورت پردہ کو ہٹا لو اس کی تصویریں نماز میں مجھ کو چھیڑتی ہیں۔

دیوار تو اپنی جگہ رہی آپ نے بوٹے دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی، اور وجہ یہ بیان کی یہ چادر مجھ کو نماز میں غافل کرتی ہے[1]۔

اس حدیث میں جہاں حضورِ قلب پر حثّ اور انقیاد و خشوع کی دعوت ہے، وہاں دل میں انتشار پیدا کرنے والی چیزوں کی طرف دیکھنے کی ممانعت بھی ہے، امام نووی نے اسی حدیث کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"مسجد کی محراب کی تزئین اور اس کی دیواروں کو منقش بنانا ایسی چیزیں ہیں جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف جذب کرلیتی ہیں، لہٰذا محراب اور در و دیوار کی تزئین، نیز نقش و نگار بنانا مکروہ ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منقش چادر کو دُور کرتے ہوئے یہی علّت بیان فرمائی تھی[2]۔

کتنی عجیب بات ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا ذرا سی باتوں سے اجتناب کیا کہ کہیں دل کا خشوع متاثر نہ ہو جائے۔ معمولی نقش و نگار اور گلکاری کو اپنی نماز میں مخل سمجھا، تاکہ نماز کا پورا حق ادا ہو سکے، مگر آج ان کے پیروؤں کا یہ عالم ہے کہ ان سے بڑھ کر مخل چیزوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

بقدرِ ضرورت اجازت بلاشبہ زمانہ کے پیشِ نظر بعض علماء نے خوبصورت و مُزیّن مسجد بنوانے کی اجازت دی ہے، مثلاً ابن المنیر کہتے ہیں کہ زمانہ جب ترقی کا ایسا آجائے کہ لوگ اپنے رہنے سہنے کے لئے عالیشان محل اور رنگین کوٹھیاں تعمیر کرنے لگیں تو ایسے زمانہ میں استخفاف اور استہانت سے بچنے کے لئے مسجدوں کی بھی تزئین ہونی چاہیئے، حتیٰ کہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کی اتباع میں روکنا تو جائز ہے مگر کسی اور وجہ سے مسجد کی تزئین روکنا مناسب نہ ہوگا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے مگر اس وقت جب یہ تزئین و نفاست تعظیم و تکریم کی نیت سے ہو اور روپے اپنے پاس کے ہوں، وقف یا بیت المال

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۲۰۵ [2] نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸

کے نہ ہوں۔

فقہا کی تفصیل لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ دوسرے بہت سے علماء اس تزئین کے خلاف ہیں اور ان کی دلیل بہت قوی اور حدیث کے نقطۂ نظر کے بہت قریب ہے۔ اس سلسلہ کی حدیثیں ابھی اوپر گزر چکی ہیں، امام اعظمؒ جنہوں نے اجازت دی ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تزئین خلافِ اولیٰ ہے اور ان کے اقوال کی تفصیل کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذاتی رجحان اسی طرف ہے کہ مسجدیں سادہ بنائی جائیں اور جو روپے نقش و نگار اور گلکاری میں خرچ ہوں اچھا یہ ہے کہ انہیں فقراء و مساکین پر خرچ کیا جائے جو واقعی امداد و اعانت کے مستحق ہیں، فقہ حنفی میں یہ بھی مصرح ہے کہ محراب، قبلہ کی دیوار اور داہنی اور بائیں جانب کی دیواریں سادہ رکھی جائیں، ان پر پھول پتیاں نہ بنوائی جائیں کیونکہ ان کی کراہیت میں کسی کو بولنے کی گنجائش نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ محراب کی تزئین امام کے خشوع اور یکسوئی کے لئے زہر قاتل ہے جو پوری جماعت کا سردار ہے، قبلہ کی دیوار کی زینت اور گلکاری اس لئے منع ہے کہ صف اوّل کے نمازیوں کے خضوع کے لئے مضر ہے، اور دائیں اور بائیں کی دیواریں ان لوگوں کے لئے مخل ہونگی جو ان کے قریب کھڑے ہونگے غور کیجئے جو چیزیں نماز کے انہماک اور احسان ہی کو کھو ڈالیں، جو نماز کی روح اور قلب کا درجہ رکھتی ہے ان کو شریعت کیونکر پسند کر سکتی ہے۔ لے دے کر پیچھے والی دیوار اور رہ جاتی ہے جن کے متعلق اجازت سمجھ میں آتی ہے، مگر وہ بھی خلاف اولیٰ ہے یہ ساری تفصیل مسجد کے اندرونی حصّہ کی ہے۔ باقی رہا مسجد کا بیرونی حصّہ جس کو اندر سے کوئی تعلق نہیں، اس حصّہ کے متعلق فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں ہے کہ اس کا تعلق باہر سے ہے جس سے اہلِ مسجد کو کوئی لگاؤ نہیں [۱]

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی متولی نے مالِ وقف سے اندرونی حصّہ ہی میں سہی

---

[۱] فتح الباری جلد اول ص۳۶۳ [۲] ردالمحتار جلد اول ص۶۱۶

Marfat.com

گلکاری کی یا پھول پتیاں بنوائیں تو اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا[1]

یہ جو کچھ تفصیل پیش کی گئی ہے یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار کا خلاصہ ہے، عالمگیری جو فتاویٰ میں بہت مشہور و مقبول ہے اس میں تو دیواروں کے نقش و نگار کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے اور یہ تصریح ہے کہ نقش و نگار کم ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں کراہت سے خالی نہیں۔ ہاں چھت کے معمولی نقش و نگار کو جائز کہا ہے۔ زیادہ پھول پتیوں کو اس میں بھی مکروہ ہی لکھا ہے[2]

تزئین سے اجتناب اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بے فائدہ پھول پتیوں سے اجتناب ضروری ہے جو فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہے اور جس کی قرآن نے قباحت بیان کی ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ مسجد کی دیوار مضبوط، بقدر ضرورت خوبصورت اور سادہ ہو۔ ان پر کچھ لکھا ہوا بھی نہ ہو۔ صاحب بحرالرائق لکھتے ہیں:۔

والاولیٰ ان تکون حیطان	اچھا یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں
المسجد ابیض غیر منقوشۃ ولا	سفید اور نقش و نگار سے پاک ہوں،
مکتوب علیہا ویکرہ ان تکون منقوشۃ	ان پر لکھا ہوا بھی کچھ نہ ہو۔
بصور وکتابۃ (ج ۵ ص ۲۵۱)	صور و کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو عرب و عجم میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے ان کی رائے بھی سننے کے لائق ہے۔

"تعمیر مسجد میں احتیاط سے کام لیں کہ وہ مُطلّا و مُزیّن کی حد کو پہنچنے نہ پائے، اس کی دیواروں اور چھتوں پر سونے کا پانی نہ چڑھائیں اور نہ پھول پتیوں سے آراستہ بنائیں، اور نہ نیلے رنگ وغیرہ سے رنگین ہی کریں، کیونکہ اس طرح کی چیزیں مسجد کو تماشا گاہ کے درجہ میں

---

[1] ردالمحتار جلد اول ص ۶۱۲ [2] عالمگیری جلد ۴ ص ۳۱۴

Marfat.com

کردیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ نے مسجد نبوی کی تجدیدات عمارت کے وقت تاکید کردی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کی بارش وغیرہ سے حفاظت کرے۔ خبردار سرخ وزرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں[1]۔

موجودہ دور میں تزئین اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مالی اعتبار سے تباہی و بربادی کے کنارے پہنچ چکے ہیں، فقر و فاقہ نے ان کے گھروں میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، فقراء و مساکین کی بہتات ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کا کوئی پرسانِ حال نہیں، غریب بچوں کی مذہبی تعلیم مشکل ہو رہی ہے۔ دینی اور علمی ادارے نزع کے عالم میں ہیں، اور فقر و فاقہ کی تقریباً ہر جگہ شکایت ہے، مسجدوں میں بے فائدہ پھول پتیوں پر روپے صرف کرنا قرینِ عقل نہیں ہے۔

بلاشبہ پہلے مسلمانوں نے مسجدوں پر بہت خرچ کیا مگر وہ ہمارے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتی ہے پھر یہ کہ وہ مالی اعتبار سے ہم سے بہت بڑھے ہوئے تھے، زر و جواہر کے ان کے پاس ڈھیر تھے، مسلمانوں میں فقر و فاقہ اور افلاس کی یہ عام وبا نہ تھی۔

پھر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ عملی طور پر بھی زینت کے رواج کے ساتھ مسجد ویران ہوتی گئی، مسجد کی گلکاری بڑھی مگر دل کی گلکاری ختم ہوگئی، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بچے کھچے نمازیوں کے سینوں میں بھی خشوع و خضوع کا سرچشمہ خشک ہو رہا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض خصائص مسجد کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا جائے۔

مینار برائے اذان شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں تجدید مسجد نبوی کے وقت اذان کے لئے مینار کی ایجاد عمل میں آئی۔ اس سے پہلے مینار نہ تھا۔ علامہ ابن عابدین نے بحر الرائق کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مینار عہدِ نبوی میں نہ تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] تفسیر عزیزی پارۂ اول ص۲۴۲

Marfat.com

ولم تکن فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم مئذنۃ (رد المحتار ج ۱ صـ ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مئذنہ نہیں تھا۔

یہ مینار جو اذان کے لئے بنتا ہے گو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نہ تھا مگر یہ ایسی چیز ہے جس کا مطلوب ہونا سمجھ میں آتا ہے، حدیث سے بھی اس ضرورت کی تائید ہوتی ہے حضرت عروہ بن الزبیرؓ بنی نجار کی ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں۔

کان بیتی من اطول حول المسجد فکان بلال یوذن علیہ الفجر فیاتی السحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر فاذا رأہ تمطی۔ (ابوداؤد باب الاذان فوق المینار)

میرا گھر مسجد نبوی کے آس پاس گھروں میں سب سے اونچا تھا جس پر بلالؓ فجر کی اذان دیتے تھے۔ صبح سویرے آکر گھر پر بیٹھ جاتے اور فجر دیکھتے رہتے، جونہی اس کو دیکھتے اذان کے لئے چلتے۔

رد المحتار میں لکھا ہے کہ یہ زید بن ثابتؓ کی ماں ہیں جن کا بیان ہے کہ میرے گھر پر چڑھ کر حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے مسجد کی چھت تیار ہوئی تو اس پر سے اذان دی جاتی تھی اور اذان کی جگہ ذرا بلند کر دی گئی تھی[۱]

اس تفصیل سے مقصد یہ بتانا ہے کہ اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا، گو باضابطہ اس کی ایجاد بعد میں ہوئی، شامی کے بیان کے مطابق مینار برائے اذان حضرت معاویہؓ کے حکم سے تیار ہوا[۲]

منبر برائے خطبہ منبر مسجد جس پر سے امام جمعہ کا خطبہ دیتا ہے۔ اس کی ایجاد عہد نبوی ہی میں ہوئی۔ اول اول یہ چیز نہ تھی، غربی جانب سے قریب اور محراب سے متصل ایک لکڑی تھی، پہلے آپ اسی کے سہارے خطبہ دیتے تھے، ۸ھ تک یہی طریقہ باقی رہا، ۸ھ میں ایک خاتون نے درخواست کی کہ اجازت ہو تو اپنے غلام سے منبر بنوا کر حاضر خدمت کروں، آپ نے اجازت دی

۱؎ رد المحتار جلد اول صـ ۳۶ ۲؎ ایضاً

Marfat.com

پھر اس کا تقاضہ بھی فرمایا، چنانچہ اسی عورت نے منبر بنوا کر پیش کیا، اور اس کو منبر کی جگہ نصب کیا گیا۔[۱]
اس وقت یہ عجیب واقعہ پیش آیا تھا کہ وہ لکڑی جس کے سہارے آپ پہلے خطبہ دیتے تھے
زار و قطار رونے لگی اور داغِ فرقت پر تلملا اٹھی، آپ نے اسے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا
تب اس کو سکون آیا۔ منبر شریف کے تین زینے تھے، ہر زینہ کا عرض ایک بالشت تھا اور
پورے منبر کا طول دو ذراع (ہاتھ) اور عرض ایک ذراع (ہاتھ) تھا۔[۲]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصائے مبارک اور کمان کے سہارے بھی خطبہ دیا ہے،
مگر تلوار اور نیزے کے سہارے خطبہ دینا آپ سے ثابت نہیں ہے، کوئی دے تو شرعی
قباحت نہیں معلوم ہوتی۔[۳]

[منڈیر یا کنگرہ] مسجد کی چھت پر جو جالی دار منڈیریں ہمارے زمانہ میں بنتی ہیں وہ عہدِ نبوی میں
نہ تھیں بلکہ عہدِ خلفائے راشدین میں بھی نہ تھیں، یہ ان کے بہت بعد ولید بن عبدالملک
بن مروان کے عہد میں پیدا ہوئی ہیں "وفاء الوفاء" میں ہے۔

فاول من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزیز (ج۱ ص۳۷۲)

پہلے جس شخص نے محراب و منڈیر کی ایجاد کی وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

یہ بزرگ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے عامل تھے اور مسجد نبوی انہی کی نگرانی میں عمدہ عمارت میں تبدیل ہوئی تھی
[محراب] اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محرابِ مروجہ بھی بعد کی ایجاد ہے، گو بعض علماء کا یہ خیال ہے
کہ یہ عہدِ نبوی سے ہے جیسا کہ ابن الہمام کہتے ہیں[۴] مگر حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ
علماء کی ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا ہے[۵] اور انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کی دلیل میں حدیث پیش کی ہے[۶]
[مسجد البیت] قرآنِ پاک کی بعض آیات سے علماء نے گھر میں مسجد بنانا ثابت کیا ہے اور احادیث تو

۱؎ شرح سفر السعادت ص۲۰۵ و فتح الباری جلد اول ص۳۳۰ ۲؎ شرح سفر السعادت ایضاً و زاد المعاد ج۱ ص۴۵ ۳؎ ایضاً
۴؎ کبیری ص۳۴۰ ۵؎ روح المعانی ج۱ ص۵۱۰ ۶؎ میں نے اس پر تفصیلی بحث کی تھی مگر بعض علماء کے مشورہ
سے حذف کر دی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مجموعہ فتاویٰ عبدالحی ج۱ ص۲۲۴ منہ ۱۲

Marfat.com

اس سلسلہ میں بکثرت آئی ہیں، اس کو اصطلاح میں "مسجد البیت" کہتے ہیں یہ دراصل گھر کی وہ مخصوص جگہ ہے جس کو نوافل وغیرہ کے لئے متعین کرلیں، مکی زندگی میں انہی جگھوں کو کہیں کہیں حدیث میں مسجد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نوافل پڑھنے کا حدیث میں کافی اشارہ موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا قضیٰ احدکم الصلوٰۃ فی مسجدہٖ	تم میں سے کوئی جب اپنی مسجد میں نماز ادا کر چکے تو
فلیجعل لبیتہ نصیبا من الصلوٰۃ (بخاری)	اس کو اپنے گھر کے لئے بھی کچھ حصہ بنانا چاہیئے۔

محدثین نے اس سلسلہ میں نوافل کو گھر کے لئے لکھا ہے، فرض پر یہ حکم کبھی بھی محمول نہیں ہو سکتا اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آپ نے فرمایا کہ گھر کو قبر نہ بنالو۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد البیت بنانے کا حکم بھی دیا ہے اور ساتھ ہی اس کے پاک وصاف رکھنے کا بھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں
ببناء المسجد فی الدور وان ینظف	میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس کے
ویطیب (مشکوٰۃ عن الترمذی وغیرہ ص ۶۹)	پاکیزہ اور معطر رکھنے کا۔

لفظ دور کے معنی "دور" جمع ہے "دار" کی جس کے مشہور معنی گھر کے ہیں، مگر لغت میں محلہ کو بھی کہتے ہیں قرآن میں دار بمعنی محل (جگہ) آیا ہے اسی وجہ سے اس حدیث کے لفظ "دور" سے محلہ اور گھر دونوں مراد ہیں، شرح السنہ میں دور بمعنی محلوں کے لئے گئے ہیں۔ حضرت سفیانؒ کہتے ہیں

بناء المسجد فی الدور یعنی القبائل۔[2]

احکام میں مسجد اور مسجد البیت کے بہت فرق ہے، مسجد البیت کی وہ تعظیم نہیں ہے جو مسجد کی ہے۔

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۶ [2] فتح العلام شرح بلوغ المرام ج ۱ ص ۱۴۴

Marfat.com

مواضع مسجد

تعمیر مسجد کے ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مسجد کہاں اور کیسی بنائی جائے، قرآن اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے یہاں اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

عہدِ نبوی کی دو مسجدیں بہت ممتاز ہیں ایک قبا اور دوسری نبوی۔ ان دونوں مسجدوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے بنیاد و تعمیر کا شرف حاصل کیا ہے، اور ان دونوں ہی کے متعلق قرآنِ پاک کا اعلان ہے "اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" کہ ان کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ مسجد حرام کی داغ بیل خود رب العزت کی بتائی ہوئی زمین پر ڈالی گئی، یہ بھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کے لئے قیمت دے کر زمین لی گئی تھی، یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ مسجد کے لئے حلال اور پاک چیز ہی قبول کی جا سکتی ہے۔ ان سب کو ملا کر پڑھیئے تو خود بخود یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ زمین جس پر مسجد بنانا ہو ایسی ہو جو احکامِ شرعی کی روشنی میں جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہو، اور اس میں کوئی نقص باقی نہ رکھا گیا ہو۔

زمین کا علیہ جائز طریقہ سے

فقہاء کرام نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسجد ایسی جگہ بنا دے جس میں دوسرے کا حق ہو اور اس کی رضامندی حاصل نہیں کی گئی ہے تو اس حق والے کو اختیار ہے کہ مسجد کو وہاں سے باطل قرار دیدے اور اپنا حق لے لے۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک زمین ہے جس میں کسی کو حق شفعہ حاصل ہے، یہ جوار کی وجہ سے ہے یا رشتہ داری کی وجہ سے۔ تو اب اس پر مسجد بنائی نہیں جا سکتی[1]۔ اسی طرح فرض کر لیجئے ایک شخص بیمار ہے، اس کی خواہش ہوئی کہ اپنا گھر یا زمین مسجد میں تبدیل کر دے، اس نے مرتے ہوئے اس کی وصیت بھی کر دی، مگر اس کے جن وارثوں کو حق شرعی

[1] فتح القدیر۔ ج ۲ ص ۸۷۵۔

پہنچاتھا ان کو نہیں دیا، اس کی یہ وصیت ایسی صورت میں مسجد کے لئے بھی جاری نہ ہوگی، زیادہ سے زیادہ ایک تہائی میں جاری ہوگی، وارثان اپنا حق نکال لیں گے خود مرنے والا اگر تمام حقوق نکال کر تہائی کی وصیت کرتا تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا، اور وہ حصہ مسجد ہو جاتا۔[1]

زمین کا حصول جائز ہو اسی طرح اگر زمین مسجد کے لئے خریدی جائے تو جائز طریقہ سے۔ بیع فاسد سے خریدی ہوئی زمین پر مسجد بنانے کی اجازت نہ ہوگی[2] اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ

ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی زمین پر مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ اس ناجائز حصول کی شکل جو بھی ہو۔ مثلاً کسی کا گھر زبردستی کچھ لوگ مل کر مسجد بنا دیں، یا جامع مسجد بنا دیں تو ایسی مسجد میں نماز جائز نہ ہوگی، نہ جمعہ کی اور نہ وقتی۔[3]

وقف کرنے کے بعد مسجد کی حیثیت انہی تفصیلات کے پیش نظر واقف کے لئے لازم ہے کہ مسجد کو اس کے راستہ سمیت علیحدہ کر دے اور نماز کی عام اجازت دیدے، اور یہ اعلان کر دے کہ میں نے اس جائز حصہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا، عملی طور پر اس میں باجماعت نماز پڑھی جانے لگے۔ اذان پکاری جائے اور واقف اپنے دوسرے قسم کے اختیارات اٹھالے، اسقدر کر چکنے کے بعد اس کو یہ اجازت نہیں ہے کہ مسجد کے کسی حصہ سے کسی طرح کا ذاتی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، اب اس کے بعد نہ اس مسجد کے نیچے کوئی مکان بنا سکتا ہے اور نہ اس کے اوپر مسجد کا پورا حصہ تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لئے واقف کے ذاتی قبضہ و تصرف سے نکل گیا۔ خدانخواستہ اگر کسی سماوی آفت یا کسی اور وجہ سے مسجد ویران بھی ہو جائے، کوئی نماز پڑھنے والا باقی نہ رہے اور مسجد کی عمارت برباد ہو جائے تو بھی یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں باقی رہے گا نہ اسے کوئی فروخت کر سکتا ہے نہ کوئی وراثت میں لے سکتا ہے اور نہ واقف رجوع ہی کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسان اسے اپنے ذاتی تصرف یا کسی ایسے کام میں لا سکتا ہے جو مسجدیت کے خلاف ہو

---

[1] عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۶ [2] فتح القدیر ج ۳ ص ۴۵۹ [3] عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۴

Marfat.com

واقف تک کو وقف کے بعد اتنی اجازت نہیں ہے کہ اس کی دیوار کے سہارے کوئی کام لے[1]۔

جزوی مسائل مسجد کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے کہ دو منزلہ عمارت میں ایک منزل مسجد بنا دے اور دوسری منزل اپنے تصرف میں رکھے تو یہ مسجد قرار نہ پائے گی۔ مسجد اسی وقت ہوگی جب وہ اس کے دونوں حصے نیچے سے اوپر تک مسجد بنائے[2]۔

کسی نے اپنی افتادہ زمین ہمیشہ کے لئے نماز با جماعت پڑھنے کے لئے دے دی اور کوئی قید سال مہینے کی نہیں لگائی تو اس دینے والے کے مرنے کے بعد یہ زمین اسی کام کے لئے ہو جائے گی، وارث کو اس میں حصہ نہ ملے گا۔ ہاں مقید ہو تو وارث کو مل جائے گی[3] یہ زمین جبکہ اس نے اپنی صحت کے زمانہ میں دی ہو۔ (یا مرض الموت کے پہلے)

کوئی راستہ اس قدر کشادہ ہو کہ اگر وہاں مسجد بنائی جائے تو اس سے راستہ کا کچھ نقصان نہ ہو ایسی صورت میں اہلِ محلہ نے جب مسجد راستہ پر بنائی تو یہ جائز ہے، دو ایک کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوگا، ہاں مسجد بننے سے چلنے والوں کو ضرر ہو تو بلاشبہ مسجد بنانا درست نہیں ہے[4]۔

ایسی عام نہر جو کسی خاص جماعت کے تصرف میں ہے، اس جماعت کی رائے سے اس کو پاٹ کر مسجد بنا سکتے ہیں بشرطیکہ کسی کو اعتراض نہ ہو، اسی طرح بوقتِ ضرورت کشادہ راستہ سے ایک حصہ مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے جبکہ راہگیروں کو اس سے نقصان نہ ہو، لیکن مسجد کا کوئی حصہ کسی حال میں راستہ میں لینا جائز نہیں ہے[5]۔

مسجد جائز جگہ میں ہر مسلم آبادی، بازار، گزرگاہ اور جہاں واقعی ضرورت ہو بنائی جا سکتی ہے[6]۔ ہاں ایسی جگہ مسجد نہ بنائی جائے گی جہاں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسے ویران میدان وغیرہ میں جہاں کوئی پہنچ بھی نہیں پاتا، کوئی بنا بھی دے تو وہ مسجد نہ ہوگی[7]۔

---

[1] فتح القدیر ج ۲ ص ۸۷۷ و در المختار ج ۳ ص ۵۱۳ [2] فتح القدیر ج ۲ ص ۸۷۷ [3] ایضاً [4] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۹ [5] ایضاً [6] فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۷۔ [7] عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۴۔

Marfat.com

تیارمسجد کو وسعت دینا

مسجد جب تنگ ہو جائے تو اُسے وسعت دی جا سکتی ہے بغل میں مسجد ہی کی زمین ہے۔ تب تو کوئی بات نہیں ہے، اور کسی دوسرے کی ہے تو قیمت دے کر لیں گے، اگر وہ قیمتاً بھی نہ دے تو اس کو مجبور کریں گے ورنہ بدرجہ مجبوری اس کی بھی اجازت ہے کہ قیمت دے کر بغیر رضامندی لے لی جائے[1] مگر یہ آخری شکل ہے۔ حتی الوسع راضی کر کے لینا اچھا ہے۔

ایک مسجد ہے جو اہلِ محلہ پر تنگ ہو گئی، اُسے وسعت دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مسجد کا ایک پڑوسی کہتا ہے کہ یہ ہمیں دے دی جائے کہ گھر بنالیں اور اس کے عوض میں اپنا مکان دیتا ہوں جو اس سے کشادہ ہے اس کو مسجد بنا لیا جائے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں، یہ صورت جائز نہیں ہے اور اہلِ محلہ کو اس کا اختیار بھی نہیں ہے[2]۔

تنگ مسجد کی بغل میں جو دکان یا زمین ہے وہ اسی مسجد پر وقف ہے تو اس کو مسجد کی کشادگی میں لے سکتے ہیں، اہلِ مسجد صحنِ مسجد کو مسجد میں لے سکتے ہیں۔ اہلِ مسجد کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک دروازہ چھوڑ کر دوسرا دروازہ بنالیں۔ قیّم مسجد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مسجد یا فنائے مسجد میں دکان بنائے، کیونکہ فنائے مسجد بھی احترام میں مسجد ہی کے حکم میں ہے اور یہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا ایسی بات نہ ہونے دیں گے جس سے تعظیم و تکریم میں کچھ فرق آئے[3]۔

مسجد بن کر تیار ہو چکی تو پھر کوئی اس کے اوپر یا نیچے دکان بنوانا چاہے تو جائز نہیں ہے جس غرض سے بھی ہو، البتہ نماز کے لئے کچھ بنانا ہو تو یہ جائز ہے[4]۔

تجدید مسجد ضرورت کے وقت تیار مسجد میں تصرف کرنا جائز ہے جبکہ مسجد اور نماز ہی کے لئے یہ تصرف ہو، جیسے پرانی عمارت توڑ کر نئی عمارت بنانا، مگر اس کے لئے قاضی کی اجازت شرط ہے اور یہ بھی کہ ایسا اپنے اخراجات سے کرے، مسجد کے خزانے یا وقف سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ اجازت ان شرطوں کے ساتھ اہلِ محلہ ہی کو ہے دوسروں کو نہیں، ہاں جب خطرہ ہو تو غیر محلہ والے بھی کر سکتے ہیں[5]۔

---

[1] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۸ [2] ردالمحتار ج ۳ ص ۵۱۲ [3] فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۷ [4] ایضاً [5] ردالمحتار ج ۳ ص ۵۱۲

Marfat.com

اہلِ محلہ کو اس کی بھی اجازت ہے کہ مسجد کو سامان دیں، جیسے چٹائی، دری، جانماز، روشنی اور پانی وغیرہ کا نظم، چاہے پینے کا ہو، چاہے وضو کا، مگر اپنے پاس سے، اور خود بانیٔ مسجد کرے تو دوسرے کو حق نہ ہوگا۔[1]

ناگہانی آفت یا مصیبت

فقہاء نے اس کی بھی صراحت کردی ہے کہ دفعۃً اگر کسی آفت کا نزول ہوجائے یا کوئی بات ایسی پیدا ہوجائے جس سے مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس وقت تیار شدہ مسجد کو کیا کریں گے۔

جیسے آشوب زمانہ یا انقلابِ دور نے ایسی حالت پیدا کردی کہ مسلم آبادی وہاں سے ختم ہوگئی، یا وہ حالات سے مجبور ہوکر چلے گئے یا سب کے سب لقمۂ اجل ہوگئے، جس کی وجہ سے مسجد ویران ہوگئی یا مسجد کی دیواریں گرگئیں کوئی نہیں جو اس کی مرمت کرے یا اس میں نماز پڑھے، مسجد کس مپرسی کے عالم میں ہے ان جیسے تمام حالات میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ با ایں ہمہ مسجد، مسجد ہی رہے گی، اس میں کوئی دوسرا تصرف کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ نہ یہ مسجد فروخت کی جاسکے گی۔ نہ نیلام ہوگی، نہ اسے بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری مسجد بنائی جائے گی اور نہ اس کا سامان اور مال و اسباب دوسری طرف منتقل کیا جاسکے گا اگر کوئی یہ سب کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے البتہ جب کسی ایسی مسجد کا سامان اور اسباب ضائع ہورہا ہے یا کسی ظالم و غاصب کے ظلم و غصب کا غالب خطرہ ہے تو ایسی حالت میں اسباب کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، باقی یہ مسجد اپنی بنیاد پڑنے کے دن سے ابد الآباد تک مسجد ہی رہے گی، اور تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں ہوگا۔[2]

سامان جس کی ضرورت باقی نہ ہو

اسی طرح جب مسجد کو فرش وغیرہ کی ضرورت باقی نہ رہی تو یہ دینے والے کو واپس مل جائے گا، اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے ورثہ کو ملے گا۔ اور بعض علماء کا

---

[1] ردالمحتار۔ ج ۳ ص ۵۱۲ [2] ردالمحتار ج ۱ ص ۵۱۳

خیال ہے اسے فروخت کرکے اس کی قیمت دوسرے شعبۂ مسجد میں صرف کی جائے گی البتہ جب کسی شعبہ میں ضرورت باقی نہ رہے تو اُسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔[1]

اگر معطی (دینے والے) کی خواہش ہو کہ پُرانی چٹائی وغیرہ صدقہ کر دیں اور اس کی جگہ مسجد کو نئی دیں تو اس کو یہ حق ہے۔ یہی چیز محلہ والے چاہیں تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ چٹائی قابل قیمت ہے یا نہیں، اگر اس کی قیمت مل سکتی ہے تو اہل مسجد کو صدقہ کا حق نہیں ہے ورنہ ہے۔[2]

جو گھاس موسم ربیع میں مسجد سے نکالی جائے، اگر وہ بکنے کے لائق ہے تو بیچ دی جائے ورنہ نکالنے والا اپنے مصرف میں لا سکتا ہے، صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے بعض جگہوں میں گھاس فرش کی جگہ استعمال کی جاتی ہے۔[3]

مردہ اُٹھانے والی چارپائی مسجد کی ملکیت تھی، وہ بوسیدہ ہو کر یا کسی اور وجہ سے ناقابل استعمال ہو گئی تو اُسے اہلِ محلہ قاضی کی اجازت سے فروخت کر سکتے ہیں، ایسے ہی دیباج مکہ مکرمہ پُرانا ہو جائے تو ذاتی طور پر اُسے کوئی نہیں لے سکتا، بلکہ سلطان وقت اسے بیچے گا اور اس کی قیمت اسی پر صرف کرے گا۔[4]

مسجد جو گر رہی ہے اس کے سامان کے ضائع ہونے یا ظالم و جابر کے تصرف میں جانے کا خطرہ ہو تو بیچ کر اس کی قیمت جمع کی جا سکتی ہے۔[5] یہ واضح رہے کہ منہدم ہونے والی مسجد کی مرمت میں اس سے زیادہ ثواب ہے کہ نئی مسجد بنائی جائے۔[6]

---

[1] عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۹ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] عالمگیری ج ۳ ص ۲۴۰
[5] ردالمحتار ج ۳ ص ۵۱۴ [6] فتاوی عبدالحی ج ۱ ص ۱۱۰

Marfat.com

دربارِ الٰہی کے آداب

اب تک خانۂ خدا سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے یہ امر بالکل منقح ہو گیا ہوگا کہ اس دربار کی کچھ اور ہی خصوصیت ہے اور اس کا امتیازی نشان بہت اونچا ہے، تو جس مقدس گھر کی شان و شوکت اور وقعت و عزت کا عند اللہ یہ حال ہو، یقینی طور پہ اس کے آداب بھی اسی اعتبار سے بلند ہوں گے، اور ان کا بجالانا بھی اسی قدر ضروری ہوگا

دنیا کے معمولی درباروں کا حال آپ کو معلوم ہے کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے کچھ خاص آداب ہوتے ہیں جن کی بجا آوری ہر اس شخص پر لازم ہوتی ہے جو وہاں آئے بادشاہِ وقت اور اس کے حکام کے اجلاس کے قوانین منضبط ہوتے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کی حالت میں سزائیں متعین ہوتی ہیں خواہ وہ جرمانہ کی سزا ہو یا قید و بند کی

دنیاوی حکام کے اجلاسوں کے آداب جنھیں ہم رات دن اپنی اپنی زندگی میں برتتے ہیں ان کو سامنے رکھ کر ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس دربار کی عزت و وقعت کا کیا حال ہوگا جو انسانوں کا نہیں، بلکہ ان کے خالق و مالک کا گھر کہلاتا ہے، جو احکم الحاکمین کے روبرو ہونے کا مقام ہے اور جو اسی کے آگے سجدہ کرنے کے لئے مخصوص ہے۔

قرآن پاک میں اس گھر کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اس کی رفعت اور علو مرتبہ کی بڑی مدح سرائی کی گئی ہے، اس کی صفائی و پاکی کی بار بار تاکید بیان کی گئی ہے اور اس کے آداب کی طرف نمایاں اشارے کئے گئے ہیں، اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز کو بتایا ہے۔ اور ساتھ ہی ان احکام کی جو مسجد کے باب میں آئے ہیں خلاف ورزی پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

آنے کے آداب وہ آداب جو مسجد سے متعلق ہیں مختلف شعبوں میں منقسم ہیں اور پھر ہر ہر شعبہ کے لئے متعدد جزئی احکام ہیں مثلاً آداب کی تقسیم میں مسجد آنے کے آداب، مسجد کی صفائی و پاکی کے آداب، مسجد میں بیٹھنے اور ذکر و شغل کے آداب وغیرہ وغیرہ ہیں ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی، ضرورت ہے مذہب کے دلدادہ مسلمان ان کو فکر و نظر کے ساتھ پڑھیں، ان کی حکمتوں کو سمجھیں اور پھر ان مسلمانوں کو بتائیں جن کو دنیا نے اپنے دام فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

نیت پاک اور بخیر ہو ہر چیز کی بنیاد ی اینٹ نیت ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کی حدیث جس پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے جس کو شرح و بسط کے ساتھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ مسجد کا ارادہ کرتے ہوئے نیت پاک اور دل صاف ہو، قلب دنیا وی گندگیوں سے پاک اور منزّہ ہو، نام و نمود، ریا و سمعہ کا چور دل میں چھپا نہ ہو، بلکہ دل محبتِ مولیٰ سے سرشار اور خشیتِ الٰہی سے معمور ہو اور ایسا معمور جو لرزہ براندام کر رہا ہو۔ اس لئے کہ یہاں ذرا سی چوک سے پونجی کے لٹ جانے کا خوف ہے اور اس سے بڑھ کر اندھے غار میں گر جانے کا اندیشہ۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا اور نیت صالحہ کو بتایا۔

وذالك انه اذا توضأ فاحسن	یہ ثواب کی زیادتی اس وقت ہے جب
الوضوء ثم خرج الى المسجد لا	اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے لئے نکلے،
يخرجه الا الصلوٰة (بخاری ج ۱ ص ۶۹)	اور فقط نماز ہی کی نیت سے نکل رہا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اس مسجد میں کسی خیر کی نیت سے آئے اس کی مثال مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے، ورنہ وہ اس شخص جیسا ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکا کرتا ہے[1]۔

[1] مشکوٰۃ عن ابن ماجہ والبیہقی ج ۱ ص ۷۱

اس حدیث سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ثواب میسر نہیں ہوگا، بلکہ اُلٹا دُکھ ہوگا۔

یا وضو آئے گھر سے جب چلنے لگے تو پہلے وضو کر لیا جائے کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جماعت کی نماز میں ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ مصرّح ہے کہ ثواب کی زیادتی اس وجہ سے ہے کہ وضو کیا اور اس کے بعد خالص نیت سے مسجد روانہ ہوا۔ اور انہی آداب کے ساتھ چلنے پر درجہ کی بلندی اور گناہ کی معافی کی بشارت ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علیٰ	مرد کی باجماعت نماز اس کی اس نماز سے جو
صلاتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسًا و	گھر اور بازار میں پڑھی جائے پچیس گنا بڑھی
عشرین ضعفا وذالک انہ اذا توضأ	ہوئی ہے اور وہ زیادتی اس وجہ سے ہے کہ اس
فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد	نے وضو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کیا اور محض
لا یخرجہ الا الصلوٰۃ لم یخط خطوۃ	نماز ہی کی نیت سے نکلا، اس سلسلہ میں جو قدم
الا رفعت لہ بھا درجۃ وحط عنہ	اُٹھائے گا اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند
بھا خطیئۃ (بخاری ج ۱ ص ۶۹)	ہوگا اور اس کا ایک گناہ معاف ہوگا۔

ضرورت بھی ہے کہ دربارِ خداوندی کے لئے پوری تیاری کے ساتھ چلیں، کپڑے بھی صاف ہوں، بدن اور جسم بھی پاک ہو اور اعضاء وضو جو وہاں جا کر نمایاں طور پر مصروف مناجات اور اظہار تذلل میں پیش پیش ہوں گے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں۔

دعا پڑھتے آئے روانہ ہوتے ہوئے زبان پر یہ دعا ہو، جو دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہو:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا اِلَیْکَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا وَّلَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَۃً وَّاِنَّمَا خَرَجْتُ اِتِّقَآءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِکَ وَاَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ

وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ"

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنے کے لئے نکلتا ہے اور یہ (اوپر والی) دعا پڑھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے فراغت نماز تک دعا کرتے ہیں[1]۔

ان چند جملوں کی دعا پڑھنے کا کتنا بڑا اجر رکھا گیا ہے۔ محنت معمولی اور مزدوری اتنی بڑی۔ اس پر بھی ہمارے دل اثر پذیر نہ ہوں تو حیرت کی بات ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر جتنا غور کیا کہ "نظامِ مساجد" سے متعلق کیا دینی اور دنیوی فائدے ہیں، سچ کہتا ہوں معلوم ہوا یہ اتھاہ سمندر ہے جس کی تہ تک پہنچنا آسان نہیں، کوئی قدم اور کوئی بولی اس سلسلہ کی فائدے سے خالی نہیں۔

اچھی ہیئت میں آئے روانہ ہوتے ہوئے ایک نظر اپنی ظاہری ہیئت پر بھی ڈال لی جائے، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہم ایک عظیم المرتبت دربار کو جا رہے ہیں، اتنا عظیم المرتبت کہ اسے دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں ان درباروں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے، اس لئے جہاں ہر طرح کی نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو کر جانا ضروری ہے ادب یہ بھی ہے کہ ظاہری ہیئت عمدہ سے عمدہ ہو، ایسی عمدہ جو شریعت کی نظر میں خراجِ تحسین حاصل کر سکے۔

حتی المقدور کپڑے پاک و صاف ہونے کے ساتھ صاف ستھرے ہوں، کرتہ کی آستین پوری ہو، اگر قدرت نے وسعت عطا کی ہے تو خوشبو مل لیں، تاکہ پسینہ وغیرہ کی بو بالکلیہ جاتی رہے اور فرشتوں کو کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، ارشادِ ربانی ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف-۳) اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباسِ زینت پہن لیا کرو۔

اس آیت سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ مسجد کی حاضری میں ہیئت حتی الوسع

[1] شرح سفر السعادت ص۳۹۲ وزاد المعاد ج ۲ ص۱۴

اچھی ہو۔ ابن کثیر وغیرہ کے اقوال اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

باوقار و اطمینان آئے مسجد آتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ہم ایک بڑی عبادت کے لئے بڑے گھر کی طرف جا رہے ہیں، اس لئے رفتار میں پورا وقار، اعتدال اور سکینت نمایاں ہو، ایسی رفتار ہرگز نہ اختیار کی جائے جس سے دیکھنے والا ہلکا پن محسوس کرے اور عام نظروں میں مضحکہ خیزی کی حد تک پہنچ جائے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ نماز کا ارادہ کرنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا راستہ چلتے ہوئے لہو و لعب، ہنسی مذاق اور ناجائز چیزوں پر نظر سے پرہیز کیا جائے اور یہاں بھی حتی الوسع نماز کے خلاف امور سے پورا اجتناب کیا جائے۔ نگاہ نیچی، دل میں محبت و خشیت اور امید و بیم کی کیفیت طاری ہو، چہرہ پر تواضع اور تذلل کے آثار ہوں، مگر یہ سب کسی اور کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہو، محض رب العالمین کے لئے ہو۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے :-

اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوٰة وعلیکم بالسکینة والوقار ولا تسرعوا (باب ما ادرکتم فصلوا)	تم جب اقامت سنو تو نماز کے لئے اس طرح چلو کہ تم پر سکینت و وقار طاری ہو، اور دوڑو مت۔
وائتوها وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا فان احدکم اذا کان یعمد الی الصلوٰة فهو فی الصلوٰة (مسلم باب استحباب اتیان الصلوٰة)	نماز کے لئے اس طرح آؤ کہ تم پر وقار و اطمینان ہو، جو پالو پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کر لو، جب تم میں کا کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکماً نماز ہی میں ہوتا ہے۔

پیدل آئے مسجد پیدل چل کر آنا چاہیئے، بغیر عذرِ شرعی سواری سے آنا اچھا نہیں، تاکہ ہر قدم کا اجر نامۂ اعمال میں لکھا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پھر یہ کہ پیدل مسجد آنا باعث کفارۂ گناہ ہے، جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں پورا واقعہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت خنودگی

Marfat.com

کی حالت میں میسر آئی۔ رب العزت نے مجھ سے ملاء اعلیٰ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، آخر کار اس نے اپنا دستِ قدرت مجھ پر ڈالا جس کا اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد رب العزت کی طرف سے پھر وہی سوال ہوا۔ اب میں نے کہا کہ فرشتے کفّاراتِ گناہ میں جھگڑ رہے ہیں، یعنی کون ایسے عمل ہیں جو گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ میں نے تفصیلی جواب دیا۔ اسی حدیث میں پہلا جملہ یہ ہے:۔

والمشی علی الاقدام الی الجماعات	جماعت کے لئے پاؤں پاؤں چلنا باعث
(مشکوٰۃ باب المساجد)	کفارۂ گناہ ہے)

پہلے دایاں پیر داخل کرے راستہ اس طرح طے کر کے جب مسجد کے دروازہ پر پہنچ جائیں تو ذرا تصور جگر تھام لیں کہ اب ایک بڑے دربار میں داخلہ ہو رہا ہے، علمائے سلف اور صوفیائے کرام کے حالات میں میری نظر سے ایسے واقعات گزرے ہیں جس کا تصور بھی آج کل مشکل ہی سے ہو سکتا ہے بعض بزرگانِ دین کا مسجد کے دروازہ پر پہنچ کر رنگ بدل جاتا تھا اور ان کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔

بہر حال داخل ہوتے ہوئے مسجد میں پہلا دایاں پیر رکھیں، پھر بایاں اور فارغ ہو کر جب نکلنے لگیں تو اس کے خلاف کریں یعنی پہلے بایاں پیر نکالیں پھر دایاں، مگر جوتا وغیرہ پہلے داہنے ہی پیر میں پہنیں کہ طریقۂ مسنونہ یہی ہے۔

عن انسؓ انہ یقول من السنۃ اذا	حضرت انس کہتے ہیں کہ سنت ہے کہ جب
دخلت المسجد تبدأ برجلک الیمنیٰ واذا خرجت	مسجد میں تو داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں
ان تبدأ برجلک الیسریٰ (فتح الباری ص ۳۵۳ ج ۱)	ڈال اور جب نکلے تو پہلے بایاں پیر نکال

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل رہا اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نسبتاً دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے۔

دعا پڑھی جائے دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

Marfat.com

(اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں اور یہ دعاء پڑھتے ہوئے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِفَضْلِکَ" (اے میرے اللہ! تجھ سے تیرے فضل و بخشش کی درخواست کرتا ہوں)

مسلم شریف میں حضرت ابو اُسید رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک (تم میں سے جب بھی مسجد میں داخل ہو اس کو کہنا چاہیئے:- اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

واذا خرج فلیقل اللّٰھم انی اسئلک بفضلک (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۸)	اور جب مسجد سے نکلے تو یہ پڑھنا چاہیئے اللّٰھم انی اسئلک بفضلک

سلام کیا جائے مسجد میں پہنچ کر دیکھے کہ لوگ جمع ہیں تو سلام کرے اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو اس طرح سلام کرے "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" قرآن پاک میں ہے

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً۔ (نور۔ ۸)	تم جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو کہ دعا کے طور پر ہے اور اللہ کی طرف سے مقرر ہے برکت والی پاکیزہ ہے

مفسرین اور احکام قرآن بیان کرنے والوں نے اس آیت کے ضمن میں اس کو ثابت کیا ہے جو میں نے اوپر لکھا اور فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایا جائے موضح القرآن شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۱۴ اور عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۵)

نماز تحیۃ المسجد موقع ہو تو پہلے مسجد آکر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھیں، وقتی نماز کا وقت ہو یا کوئی اور وقت ہو، البتہ اوقات مکروہہ میں سے کوئی وقت نہ ہو جیسے آفتاب کے طلوع و غروب کا وقت یا زوال کا: حضرت کعب بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

Marfat.com

اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع	تم میں کا کوئی مسجد میں جب داخل ہو تو اس کو
رکعتین قبل ان یجلس (بخاری)	بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔

مگر یہ تحیۃ المسجد کی نماز وقتی نمازوں میں صرف ظہر، عشاء اور عصر میں پڑھی جائے گی۔ بقیہ دو نمازوں فجر و مغرب میں تو اس سے پرہیز کیا جائے گا، اس لئے کہ ان وقتوں میں کوئی نفل نماز پہلے جائز نہیں ہے مغرب سے پہلے تو گنجائش ہی نہیں، باقی فجر تو اس وقت پہلے صرف دو رکعت سنت ہیں۔

مسجد پہنچ کر کوئی بیٹھ جائے اور اس کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے مگر اولویت کے خلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی صراحت فرمائی ہے[1]۔

فرض و سنت کوئی پہنچتے ہی شروع کر دے تو کیا اس کے ذمہ سے تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہو جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ شکل بھی جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

چوں در مسجد داخل شود اگر ادائے فرض و سنت است	مسجد میں داخل ہوتے اگر فوراً ادائے فرض و سنت ہو
فبہا و الا دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نماید	تب تو خیر ورنہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا
اگر فرض و سنت و نفل دیگر ادا نمود تحیۃ المسجد	کرے اور بجائے تحیۃ المسجد فرض، سنت اور دوسری
از و ساقط گشت۔ (فتح العزیز پارہ اول ص۲۴۲)	نماز پڑھ لی تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی

اگر کوئی اوقات مکروہہ میں یا صبح و مغرب میں تحیۃ المسجد کی تلافی کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ قبلہ رو بیٹھ کر ایک ساعت ذکر و تسبیح و تہلیل میں گزارے[2]۔ یوں تو ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے دن بھر میں ایک مرتبہ بھی تحیۃ المسجد پڑھ لی تو کافی ہے[3]۔ مگر اوپر جو حدیث نقل کی گئی اس کے لب و لہجہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر وقت موقع ہو تو تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی چاہیئے۔

تحیۃ المسجد سلام پر مقدم ہے

شرح سفر السعادت میں حضرت شیخ رح نے لکھا ہے کہ پہلے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرے، پھر حاضرین کو سلام کرے۔ "تحیۃ المسجد" مسجد کو سلام کرنے کے حکم میں ہے جو حق اللہ ہے اور اس موقع پر حق اللہ کو حق العباد پر تقدیم[4] حاصل ہے، حافظ ابن قیم رح نے بھی اسی کو لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

---

[1] فتح الباری ج ۱۔ ص ۳۶۱ [2] فتح العزیز پارہ اول ص۲۴۲ [3] رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۴ [4] شرح سفر السعادت ج ۱ ص ۲۰۵

ومن ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الداخل فی المسجد یبتدأ برکعتین تحیۃ المسجد ثم یجئ فیسلم علی القوم فتکون تحیۃ المسجد قبل تحیۃ اھلہ

(زاد المعاد ج ۲ ص ۲۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے یہ ہے کہ مسجد میں جو داخل ہو وہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے پھر وہ قوم کو آکر سلام کرے۔ پس معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد سلام سے پہلے ہے۔

انھوں نے ثابت کیا ہے کہ صحابۂ کرام کا دستور آپ کے ساتھ ایسا ہی تھا۔

دربارِ الٰہی میں دنیا کے کام

باطمینان بیٹھے مسجد میں جہاں باطمینان جگہ مل جائے بیٹھ جائے، نہ نمازیوں کی گردن پھاندی جائے نہ جگہ کے لئے شور و ہنگامہ کیا جائے، نہ صف میں گھس کر جہاں جگہ نہ ہو نمازی کو تکلیف دینے کی کوشش کی جائے، نہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کی جرأت کی جائے، نہ انگلی وغیرہ چٹخائی جائے کہ ان کی ممانعت آئی ہے۔ پھر ایسی حرکت سے جو خلافِ ادب اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اجتناب کیا جائے، موقع ہو تو ذکر و شغل اور نوافل میں وقت گزارے، ورنہ خاموش باادب بیٹھا رہے[1]۔

یہ مسجد میں آنے کے وہ آداب ہیں جن کا عمل میں لانا ازبس ضروری ہے، پھر یہ کہ میں نے وہی آداب بیان کئے ہیں جو رات دن پیش آتے ہیں اور ان کا برتنا ہر ایک پر لازم ہے بقیہ وہ آداب جن کو شریعت نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے اور وہ یہاں ضبطِ تحریر میں نہیں آسکے ہیں ان پر بھی عمل کرنا چاہیئے۔

دنیا کی باتوں سے اجتناب آدابِ مسجد سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس میں دنیا کی باتیں کرنے سے احتراز کیا جائے، وہ باتیں جائز ہوں خواہ ناجائز، اس زمانہ میں اس گناہ میں عوام و خواص

[1] عالمگیری۔ ج ۶۔ ص ۲۱۵۔

Marfat.com

دونوں ہی کم وبیش مبتلا ہیں، اس لئے ذرا تفصیل سے بیان کئے جا رہے ہیں۔

یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ قرآنِ پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں اسے بیان کیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا	بلاشبہ مسجدیں اللہ تعالےٰ کی ہیں پس
مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (جن-۲)	اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں مسجد میں دنیا کی گفتگو کا مسئلہ کھول کر لکھا ہے اور اس کو واضح کیا ہے کہ یہ گھر اللہ تعالےٰ کی یاد، اس کی تسبیح وتقدیس اور عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ صاحبِ جمل لکھتے ہیں:۔

المعنی افردوا المساجد یذکر اللہ	معنی یہ ہے کہ مسجدوں کو اللہ تعالےٰ کی یاد کے لئے
ولا تجعلوا لغیر اللہ فیہا نصیبا۔ (ص ۴۲۲ ج ۴)	مخصوص کرلو اور غیر کے لئے اس میں کوئی حصہ نہ بناؤ

اس سے واضح تر عبارت "تفسیراتِ احمدی" کی ہے۔

الا انہا علی ظاہرہا مما یستدل بہ علی	اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ
انہ لا یجوز فی المسجد التکلم بکلام الدنیا	مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ	ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی
یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ (نور)	تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے

اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجدوں میں صرف ذکر اللہ ہی کی قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کیونکہ یہاں بیوت سے مساجد مراد ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی قدر و منزلت بھی اسی میں ہے کہ دنیاوی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ وہاں پہنچ کر دھیان سب سے کٹ کر اللہ تعالےٰ پر ہو۔ اس آیت کے ضمن میں ابوبکر جصاص تحریر فرماتے ہیں۔

ھذا یدل علی انہ یجب تنزیہہا من القعود	یہ آیت بتاتی ہے کہ مسجدوں کو دنیاوی کاموں

Marfat.com

لاموراالدنیا مثل البیع والشراء و	سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے، جیسے
عمل الصناعات ولغوالحدیث	خرید و فروخت، دستکاری اور ایسی باتیں
الذی لافائدۃ فیہ والسفہ وما	کرنا جو بے فائدہ ہیں اور اسی طرح نادانی
جری مجری ذالک۔ (احکام القرآن ج۳ ص۴۲۰)	وغیرہ کی باتیں کرنا۔

رحمت عالم صلعم کی پیشین گوئی اور امت کو ہدایت

میں نے یہ اس لئے نقل کیا تاکہ اصل مسئلہ کھل کر اہل علم کے سامنے آجائے اور ان کو کوئی اشکال پیدا نہ ہوسکے، ورنہ سب کو معلوم ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا کیا احترام تھا اور آپ کے خلفاء واصحاب نے اس احترام کو کیسے نباہا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ایسی باتوں کا عوام مسلمانوں کو وہم وگمان بھی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی۔ پھر آپ نے تاکیداً فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ ارشاد فرمایا تھا:۔

فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم	ان لوگوں میں (جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں)
حاجۃ (مشکوٰۃ ج۱ ص۷۱)	مت بیٹھنا کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں

گویا دنیا کی باتیں خانۂ خدا میں اس قدر مبغوض ہیں کہ اس بڑے خطرہ کی آپ نے اپنی امت کو سیکڑوں سال پہلے اطلاع دی اور پھر تاکید فرمادی کہ اس گناہ کے کام سے بچنا اور ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا۔

فقیہ ابواللیث نے بھی حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ اسلام کا بجز نام کے اور قرآن کا سوائے نشان کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بنی تو ہونگی لیکن ذکر اللہ سے ویران ہونگی۔[1]
ان روایتوں کو پڑھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب جس زمانہ کی یہ پیشین گوئی کی گئی تھی وہ

[1] تنبیہ الغافلین۔ ص ۱۰۱۔

ہمارا یہی زمانہ ہو۔ اس لئے اربابِ علم و دانش خوب غور کرلیں اور عوام مسلمان اپنے اعمال پر گہری نظر ڈالیں۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد دربارِ الٰہی اور جلوہ گاہِ رحمت ہے، پھر ایسے مقدس اور پُرجلال دربار میں دنیا کی باتیں جتنی نامناسب، نازیبا، عقل و خرد سے بعید اور مذموم ہوسکتی ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

جہاں مساجد کے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان میں اِس محترم و مقدس گھر کی وقعت کا ذکر ہے۔ خاص طور پر یہ جملے قابلِ غور ہیں۔

"احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد اسواقھا۔

خیر البقاع مساجدھا وشر البقاع اسواقھا۔

جن کا ماحصل یہ ہے کہ روئے زمین پر وہ جگہ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پیاری اور سب سے بہتر ہے، وہ وہی گھر ہے جس کو ہم "مسجد" کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بازار کو سب سے بُری جگہ قرار دیا گیا ہے۔ آخر بات کیا ہے، یہی نہ کہ بازار دنیا ہی دھندوں کے اڈے ہوتے ہیں، جہاں دنیا اپنی بساط بچھائے رونق افروز رہتی ہے، اور شور و غل، ہو ہڑپ اور ہنگامہ اس کا لازمہ ہے۔

غور کیجئے جب اسی مبغوض ترین جگہ کے لوازم اس محترم و مقدس دربار میں کئے جائیں گے جو عند اللہ محبوب ترین ہے، تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد میں سیاسی تقریریں ہمارے زمانہ میں سیاسی تقریروں کا رواج مسجد میں عام ہوتا جارہا ہے اور وہ بھی آدابِ مسجد کا لحاظ نہ کرتے ہوئے، یہ چیز بھی پسندیدہ نہیں ہے، ایسی غیر ذمہ داری کی باتیں جو کہیں بھی کہنی جائز نہیں ہیں ان کا مسجد میں کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، حدیث میں ہے کہ مسجدوں کو بچوں، جھگڑوں، بلند آوازی، اجرائے حدود اور تلوار کھینچنے سے بچاؤ۔[1] اور آج کل مسجدوں

[1] ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد ۱۲

میں جو سیاسی جلسے ہوتے ہیں اُن میں تقریباً یہ تمام چیزیں کم و بیش پائی جاتی ہیں، اور ان سے بڑھ کر "آزارِ مسلم" جزءِ تقریر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

دینی باتیں اگر مسجد میں کہی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک یہ اغراض و مقاصدِ مسجد میں داخل ہیں، یا ایسی سیاسی باتیں جن کا دین سے لگاؤ ہو مسلمانوں سے کہی جا سکتی ہیں کہ عہدِ نبوی میں مسجدِ نبوی ان باتوں کا مرکز رہ چکی ہے، مگر آداب اور احترام و اکرام بہرحال ضروری ہے۔

مسجد میں بلند آوازی ابھی ابن ماجہ والی حدیث میں یہ بات گزری کہ مسجد میں بلند آوازی نہ ہونے پائے صحابہ کرامؓ کا عمل اس باب میں جیسا رہا وہ مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے کہ وہ دربارِ نبوی کے حلقہ بگوش تھے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں میں ایک دن مسجد میں سویا ہوا تھا، کنکری مار کر کسی نے جگا دیا، دیکھا تو فاروق اعظمؓ تھے۔ آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا وہ مسجد میں شور و غل کر رہے تھے۔ اور فرمایا ان کو پکڑ لاؤ۔ میں نے حسب الحکم ان دونوں کو ان کی خدمت میں لے جا کر حاضر کر دیا۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ کہاں رہتے ہو؟ ان لوگوں نے طائف کا نام لیا، یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔ اگر تم مدینہ منورہ کے ہوتے تو سزا دیتا تم مسجدِ رسولؐ میں شور و غل کرتے ہو، جاؤ آج صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ باہر کے رہنے والے ہو۔[1]

حضرت عمرؓ اس معاملہ میں بہت سخت تھے مسجد کی معمولی بے حرمتی بھی کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لڑکوں کو کبھی [illegible] میں کھیلتے دیکھتے تو دُرہ سے خبر لیتے اور عشاء [illegible] مسجد کی پوری خبرگیری رکھتے۔ نسائی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کسی کی بلند آوازی سن لی اس پر آپ نے تیز ہو کر فرمایا، تم کو معلوم ہے کہ کہاں ہو؟[2]

فاروق اعظمؓ کا اہتمام فاروق اعظمؓ نے انہی وجوہ کی بنا پر مسجد کے ایک کنارے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام حدیث میں بطیحا آتا ہے اور اس کے بنوانے کے بعد اعلان کر دیا کہ جس کو شعر

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۶۷ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۹۳

پڑھنا ہو یا اور کوئی ایسی بات کرنی ہو مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے مسجد میں اس طرح کی کوئی بات نہ ہونے پائے۔[۱]

اس باب میں اختلاف ہے کہ بلند آوازی مطلقاً حرام ہے، یا مقید طور پر۔ اکثریت کی رائے تفصیلی ہے کہ اگر دینی و دنیوی ضرورت ہو جس میں مسلمانوں کا مفاد ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ جواز کی دلیل میں کعب بن مالک رضؓ کی حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ انھوں نے ابن حدادؓ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا، اور یہ مطالبہ مسجد میں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلند آوازی کو سنا اور آپ نے اپنے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر صرف یہ اشارہ فرمایا کہ نصف معاف کر دو۔ اور ابن حدادؓ سے فرمایا کہ ادا کر دو۔ باقی ان دونوں کی بلند آوازی پر کوئی تنبیہہ نہ فرمائی۔[۲]

گم شدہ کی تلاش گم شدہ چیز کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کہ یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ اس میں شور و ہنگامہ ناگزیر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیك فان المساجد لم تبن لهذا

جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گم شدہ کی تلاش کرتا ہے تو چاہیئے کہ کہے، اللہ تعالے اس کو تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔

(مسلم باب النہی عن نشد الضالہ ج ۱ ص ۲۱۰)

اس حدیث میں صرف گم شدہ چیز کی تلاش سے روکا ہی نہیں گیا ہے، بلکہ اس میں اس پر زجر و توبیخ بھی موجود ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے، اس زمانہ میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیئے، اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن نشین ہونا چاہئے، ہاں اس وقت کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا کہ جب چیز مسجد ہی میں گم ہو جائے تو آداب مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے تلاش کی جائے، باقی جو چیز مسجد سے باہر کہیں اور کھوگئی ہے اس کی جستجو ان مساجد کے ذریعہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

[۱] مشکوٰۃ عن الموطا باب المساجد ۱۲ [۲] فتح الباری جلد ۱ ص ۳۷۵

کہ جب کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے دیکھو تو کہو۔

لاوجدت انما بنیت المساجد — وہ تجھ کو نہ ملے، مسجدیں کام کے لئے بنائی

لما بنیت (مسلم ج ۱ ص ۲۱۰) — گئی ہے اسی کے لئے ہے۔

صنعت وحرفت اس حدیث کے ضمن میں امام نووی رح نے لکھا ہے کہ مسجد میں دستکاری، صنعت وحرفت اور اس طرح کا کوئی دوسرا کام درست نہیں ہے کہ ان کاموں کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، اس وقت البتہ اجازت ہے کہ یہ چیز عام مسلمانوں کے مفاد کی ہو، جیسے آلات جہاد کی مرمت وغیرہ[1]۔

غزل خوانی احترام مسجد ہی سے یہ بھی ہے کہ اس میں اشعار غزل کی طرح کے نہ پڑھے جائیں، بوقت ضرورت حمد ونعت کی اجازت ہے، یا ایسے اشعار جن کا تعلق اسلام کی حقانیت وصداقت سے ہو جائز ہے، مگر یہ سب بھی اسی وقت جب اس سے مسجد کے بنیادی کام میں حرج نہ ہو۔ حدیث میں ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن — رسول اللہ صلعم نے مسجد میں

تناشد الاشعار فی المسجد وعن البیع والاشتراء — اشعار پڑھنے اور خرید وفروخت

(مشکوٰۃ عن ابی داؤد وغیرہ باب المساجد) — سے منع فرمایا ہے۔

معلوم ہوا مسجد میں بیع وشراء کی بھی اجازت نہیں ہے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے کہ یہ ساری چیزیں مسجد کے مقصود اصلی سے خارج ہیں بلکہ ان میں بعض اوقات مسجد کی توہین اور بے ادبی کا اندیشہ ہے

بچوں اور پاگل وغیرہ سے اجتناب مسجد میں نا سمجھ اور بے عقل کے آنے کی بھی اجازت نہیں، چاہے وہ بچہ ہو جس کو کوئی شعور نہ ہو، یا کوئی پاگل مخبوط الحواس ہو کہ دونوں ہی احترام مسجد کو نہیں سمجھتے ہیں ممکن ہے کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جو آداب مسجد کے خلاف ہو، فقہا نے لکھا ہے کہ ان کے داخل ہونے میں تلویث مسجد کا گمان غالب ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی پھر چونکہ ان کو عقل نہیں ہے

[1] شرح مسلم نووی ج ۱، ص ۲۱۰

Marfat.com

اس لئے ان کو روکنے کا حکم اُن کو دیا گیا ہے جو عقل والے ہیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم	اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں
وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع	سے، پاگلوں سے، خرید و فروخت سے
اصواتکم واقامۃ حدودکم وسلّ	جھگڑوں سے، شور و غل سے، اقامت
سیوفکم (ابن ماجہ باب ما یکرہ فی المساجد)	حدود سے اور تلوار کے کھینچنے سے۔

حدود کا اجراء مذکورہ حدیث سے حدود کا اجراء بھی مسجد میں ناجائز ثابت ہوا، اس کی ممانعت بھی ظاہر ہے کہ تلویثِ مسجد کا خطرہ ہے اور شور و ہنگامہ کا یقین، اور یہ دونوں آدابِ مسجد کے خلاف ہیں۔ ابن ماجہ شریف میں مستقل باب ہے۔ "باب النہی عن اقامۃ الحدود فی المسجد" اور اس باب میں دو حدیثیں اس مفہوم کی آنحضرتؐ سے نقل کی گئی ہیں، الفاظ یہ ہیں۔

لا تقام الحدود فی المساجد (ص ۱۹۰ ج ۱)	مسجدوں میں حدود قائم نہ کئے جائیں۔
نہی عن جلد الحد فی المساجد	آنحضرت صلعم نے مسجد میں حد کے کوڑے
(ج ۱ ص ۱۹۰)	لگانے سے منع فرمایا ہے۔

خصومت اور جنگ مسجد میں خصومت اور جھگڑا وغیرہ بھی ممنوع ہے۔ یہ دونوں چیزیں یونہی ناجائز ہیں مگر مسجد میں ان کی قباحت بڑھ جاتی ہے۔

مسجد میں کھلا ہتھیار تک لے کر چلنے کی اجازت نہیں کیونکہ لوگوں کو گزند پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اسی طرح ہتھیار وغیرہ مسجد میں تیز کرنا بھی ادب کے خلاف ہے، مسجد کو راستہ کبھی نہ بنانا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

خصال لا تنبغی فی المسجد لا یتخذ طریقا	چند چیزیں مسجدوں میں کرنے کی نہیں ہیں۔ اس کو
ولا یشہر فیہ سلاح ولا یقبض فیہ	نہ راستہ بنایا جائے نہ اُن میں ہتھیار تیز کئے جائیں
بقوس ولا ینثر فیہ نبل ولا یمر فیہ بلحم نیٍ	نہ کمان پکڑی جائے، نہ تیر پھیلائے جائیں
ولا یضرب فیہ حد ولا یقتص فیہ من	نہ کچا گوشت لے کر گزرا جائے، نہ حد ماری جائے

Marfat.com

احد ولا یتخذ سوقا (ابن ماجہ باب یکرہ فی المسجد) نہ قصاص لیا جائے اور نہ اسے بازار بنایا جائے

نماز جنازہ مسجد کا احترام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے گا اس کو کچھ نہ ملے گا۔ آپ خود بھی جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔

وان سنتہ وھدیہ الصلاۃ علی الجنازۃ خارج المسجد الا لعذر وکلا الامرین جائز والافضل الصلاۃ علیھا خارج المسجد (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۲)

آپ کی سنت اور آپ کا دستور مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کے وقت اور جائز دونوں ہی ہیں مگر افضل جنازہ کی نماز مسجد سے باہر ہی ہے۔

اسی وجہ سے اہل علم نے مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔[1]

نمازی کے آگے سے گزرنا اس کی بھی سخت ممانعت ہے کہ کوئی مصلی (نمازی) کے آگے سے گزرے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو چالیس برس تک کھڑا رہنا پسند ہو مگر گزرنے کی جرأت کبھی نہ ہو۔ آپؐ نے نمازی کو مدافعت کی وسعت بھر اجازت دی ہے اور حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے اس کی شناعت کا معمولی سا اندازہ ہو سکتا ہے، علماء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نمازی نے اپنے آگے سے گزرنے والے کی غیر مہلک چیز سے مدافعت کی اور وہ ہلاک ہو گیا تو بالاتفاق اس پر قصاص نہیں آئے گا، یہ الگ بات ہے کہ نمازی کو بھی احتیاط کرنا ضروری ہے۔[2]

عورتوں کا مسجد آنا بلاشبہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے جانے کی اجازت دی تھی، اور یہ عہد نبوی میں باجماعت مسجد میں نماز بھی پڑھتی تھیں، عیدین کے موقع پر ان کو عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم بھی ہوا تھا، اور وہ بھی اس عمومیت سے کہ پاک و ناپاک کسی کو روکا ٹوکا نہ تھی، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اظہار شوکت شاید

[1] شرح سفر السعادت ص ۲۵۶ [2] یہ تفصیل نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۶ و ص ۱۹۸ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

مقصود تھا، تاکہ مسلمانوں کی تعداد کا مظاہرہ ہو، مگر وہ علت اب باقی نہیں ہے، پھر آپ ساری حدیثوں کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت کس عنوان سے تھی جگہ جگہ محسوس ہوگا کہ آپ نے ترغیب اس کی بھی دی ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی بہتر ہے، پھر یہ بھی آپ حدیثوں میں پائیں گے کہ عورتوں کو اجازت عشاء اور فجر میں تھی جو تاریکی کے وقت ہیں، اجازت کے ساتھ یہ بھی اعلان تھا:۔

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلوتھا فی بیتھا۔ (ابوداؤد باب خروج النساء الی المسجد)

عورت کی نماز اندر گھر میں اس کی دالان کی نماز سے بہتر ہے اور اس کے مخدع (گھر در گھر) کی نماز افضل ہے اندر گھر کی نماز سے۔

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی وہی نماز بہتر ہے جو زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہو، یہ دوسری بات ہے کہ عورتیں افضل کو ترک کر دیں اور غیر افضل پر عمل کریں جو گو بہتر نہیں ہے مگر چونکہ مسجد خانۂ خدا ہے اور وہ اس دربار الٰہی میں عبادت کی نیت سے آرہی ہیں اس لئے ان کو روکا کیونکر جائے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا۔

لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن (ابوداؤد باب خروج النساء)

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، البتہ ان کا اندرون گھر میں ہی نماز پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے

اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاتا، مسئلہ تو بالکل کھل گیا کہ گو ان کو روکا نہیں جا سکتا، مگر ان کے حق میں خیر یہی ہے کہ گھر میں نماز پڑھیں، عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مہینے میں چند دن عورتوں پر ایسے گزرتے ہیں جن میں ان کو نماز کی اجازت نہیں، لہذا ان دنوں میں یہ مسجد کی حاضری سے معذور رہیں، اور یہ دن ان کے لئے راز کے دن ہوتے ہیں، کوئی شریف عورت اس راز کے افشا کو پسند نہیں کرتی، اور مسجد کی حاضری میں اس راز کا کھل جانا ضروری ہے۔ مزید یہ بھی تو ہے کہ ان کو گو مسجد کی اجازت دی ہے۔ لیکن

ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ بے زینت ہو کر نکلیں۔

فاذا شهدت احداكن المسجد	تم عورتوں میں جب کوئی مسجد میں حاضری
فلا تمس طيبا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	دے تو خوشبو نہ چھوئے۔
فلا تطيب تلك الليلة (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	اس رات میں خوشبو نہ لگائے۔
ولكن ليخرجن وهن تفلات	اور لیکن وہ عورتیں نکلیں تو
(ابوداؤد باب خروج النساء الى المسجد)	بے زینت ہو کر نکلیں۔

ان قیود و شرائط کے ساتھ اجازت ہونا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہی چیز تھی کہ آپ کے فوراً بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس فتنہ کو محسوس فرمایا اور ان کو کہنا پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورتوں کی اس جدت کو دیکھتے تو ان کو مسجد آنے سے روک دیتے۔

لوان رسول الله صلى الله عليه وسلم	جو چیز عورتوں میں پیدا ہو گئی ہے اُسے
رأى ما احدث النساء لمنعهن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو یقیناً
المسجد كما منعت نساء بنى	بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح آپ
اسرائيل (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳)	ان کو مسجد سے روک دیتے۔

یہ حضرت صدیقہؓ آپؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں، ان کا یہ کہنا دلیل ہے کہ عہدِ نبوی کے فوراً بعد انقلابِ عظیم عورتوں میں پیدا ہونے لگا اور عہدِ صحابہ میں ان کی روک تھام ضروری سمجھی گئی، فقہاء اسی طرح کی حدیثوں کے پیشِ نظر کہتے ہیں کہ عورتوں اور خصوصاً جوان عورتوں کو مسجد نہ جانا چاہیئے۔ باقی اجازت والی حدیث تو اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ یہ اجازت تو ہے ضرور مگر حکیمانہ انداز میں۔

اذا استاذنت احدكم امرأته الى	تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی
المسجد فلا يمنعها (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)	اجازت طلب کرے تو اس کو منع نہ کرو۔

Marfat.com

حدیث میں جہاں بھی ان کو مسجد کی اجازت ملی ہے اسی انداز میں، یہ کہیں نہیں ہے۔ کہ ان کو بھی مسجد کی حاضری کے لئے مجبور کرو، بلکہ عموماً اجازت دی ہے تو اسی طرح کہ جب وہ تقاضا کریں تو ان کو روکا نہ جائے، چونکہ یہ حق ایک شرعی حق بن جاتا ہے اس لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردستی ان کو روکنا نہیں چاہا، مگر اپنے حکیمانہ انداز میں ان کو مشورہ یہی دیا ہے کہ نہ نکلیں تو اچھا ہے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ اجازت کی حدیث کو سامنے رکھ کر جن علماء نے ان کو اجازت دی ہے، انھوں نے بھی متعدد قیدیں لگادی ہیں اور جن کا لگانا ضروری بھی ہے، علامہ نووی رح لکھتے ہیں:۔

"عورتوں کو مسجد سے روکا نہ جائے گا، بشرطیکہ وہ ان قیود و شرائط کی پوری پوری پابندی کریں جو احادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً کپڑوں میں خوشبو نہ لگائیں، بن سنور کر نہ نکلیں ایسی پازیب جس سے آواز پیدا ہو نہ پہنیں، مردوں سے اختلاط نہ ہونے پائے، جوان یا ایسی نہ ہوں جس سے کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ ہو، اور ہر طرح کے مفسدہ سے بے خوف ہوں[1]"

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے بھی قابلِ ذکر ہے، فرماتے ہیں:۔

جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد و فتنہ کا خطرہ ہے، عہدِ نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے اس لئے کہ احکامِ شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں، اور عورتوں کا پردہ بہرحال اولےٰ ہی ہے[2]"

فصل مقصات اس سلسلہ میں اُن چیزوں کا بھی تذکرہ کرنا ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے، ان میں سے ایک تنازع بین المسلمین کا فیصلہ ہے، شریعت نے مسجد میں مسلمانوں کے باہمی نزاع کے فیصلہ کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے کہ کوئی مسئلہ پوچھے تو اس کا جواب دیا جائے صرف شرط یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کا نقصان نہ ہو، اور احترامِ مسجد کا پورا پورا لحاظ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں مسجد میں فیصلہ فرمایا ہے، استفتاء کا آپؐ نے جواب بھی

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۱۸۳ [2] اشعۃ اللمعات قلمی ج ۱ ص ۲۴۸

Marfat.com

دیا ہے حتیٰ کہ دینی یا وہ دنیوی امور جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہے، ان کے لئے مسجد میں مجلسِ شوریٰ بلائی ہے اور اپنی مجالس میں برابر احکام بیان کئے ہیں، انہی امور کو سامنے رکھ کر فقہاء نے لکھا ہے۔

القضاء عبادة فیجوز اقامتها في المسجد كالصلوٰة (ہدایہ)

قضاء عبادت ہے لہذا یہ مسجد میں جائز ہے جیسے نماز۔

مسلم شریف کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ مسجد ذکر اللہ، نماز اور تلاوت قرآن پاک کے لئے ہے، طبرانی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردن پھاندتا آیا اور کہنے لگا یا حضرت! مجھ پر حد جاری فرمائیے، آپؐ نے اطمینان سے بیٹھنے کا حکم فرمایا وہ بیٹھ گیا.... آپؐ نے فرمایا تیری کیا حد ہے؟ اُس نے کہا، پرائی عورت سے روسیاہی کی ہے، آپؐ نے یہ سنکر صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا۔ لے چلو اور کوڑے لگاؤ، آپؐ کے بعد اس سلسلہ میں خلفاءِ راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے منبرِ رسول کے پاس لعان کرایا، اور بقول ابوبکر رازی حضرت عثمان غنیؓ نے بھی مسجد میں مقدمات فیصل کئے ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نزاع کا تصفیہ کیا ہے۔ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بھی ثابت ہے کہ انھوں نے مسجد میں مقدمہ فیصل کیا ہے۔ حضرت شریحؒ بھی مسجد میں فیصلہ کرتے تھے۔ امام شعبی کا عمل بھی یہی تھا، یہ تمام واقعات مشہور ہیں مگر کہیں انکار مذکور نہیں ہے، نہ کسی صحابی سے اور نہ کسی تابعی سے[1]

اس میں شک نہیں کہ مقدمات میں یمین غموس اور کذب بیانی کی بھی نوبت آتی ہے مگر اس کی وجہ سے کوئی شرعی قباحت پیدا نہیں ہوتی، عہدِ نبوی میں "لعان" مسجد میں ثابت ہے۔ اور اس میں فریقین میں سے ایک کا کاذب و حانث ہونا ضروری ہے۔ ہاں فریقین میں کوئی ایسا شخص ہو، جس کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہو، مثلاً حائضہ عورت تو اس کا مقدمہ مسجد سے باہر سنا جائے گا[2]۔

---

[1] فتح القدیر ج ۳ ص ۲۵۵ [2] ایضاً ص ۲۵۶

مجاہدینِ اسلام کی مشق مسجد میں یہ جائز ہے کہ مجاہدینِ اسلام شمشیر زنی اور نیزہ کی مشق کریں، کہ یہ چیزیں اسلام کی خدمت میں داخل ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ مسجد میں حبشی مسلمان نیزہ کی مشق کر رہے تھے۔ میں نے یہ مشق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے سہارے دیکھی ہے۔ طحاوی رحؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس لہو (کھیل) کو محمود کہا ہے[1]۔

دعوت دینا اور قبول کرنا امورِ مباحہ میں سے مسجد میں دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا بھی ہے، حضرت انس رضؓ کا واقعہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آئے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں جلوہ افروز تھے۔ حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ میں قریب آکر کھڑا ہو گیا، آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کیا ابو طلحہ رضؓ نے تم کو بھیجا ہے۔ میں نے کہا۔ جی ہاں، پھر آپؐ نے خود ہی پوچھا، کھانے کے لئے؟ میں نے جواب دیا ہاں حضرت۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ رضؓ سے کہا اور روانہ ہوئے، میں بھی ساتھ ہو گیا[2]۔ یہ دلیل ہے کہ مسجد میں یہ کام جائز ہے۔

کھانا تناول کرنا بوقتِ ضرورت مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، مسافر و معتکف کو تو کھلی ہوئی اجازت ہے باقی دوسروں کے لئے بعض ائمہ مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں، مگر ابن ماجہؒ "باب الاکل فی المسجد" میں یہ حدیث موجود ہے۔

کنّا ناکل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ	ہم لوگ عہدِ نبوی میں مسجد میں
علیہ وسلم فی المسجد الخبز واللحم (۲۴۵/۱۷)	گوشت روٹی کھاتے تھے۔

جو جواز کے حق میں ہے، ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، آپؐ کی خدمت میں گوشت روٹی حاضر کی گئی، آپ نے تناول فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کھانے میں آپ کے ساتھ میں بھی تھا، کھانے کے بعد آپؐ نے اور دوسرے لوگوں نے کنکریوں سے ہاتھ صاف کئے اور پھر نماز پڑھی[3]۔

البتہ مسجد میں کھانے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہونے پائے، ملا علی قاری رحؒ نے

---

[1] فیض الباری جلد ۲ صـ۵۵ [2] ابن ماجہ۔ [3] مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ

Marfat.com

لکھا ہے کہ یہ چیز اولیٰ ہے۔

لیٹنا اور سونا اسی طرح معتکف اور مسافر مسجد میں سو بھی سکتا ہے، بقیہ لوگوں کے لئے ائمہ کی مختلف رائیں ہیں۔ بعضوں نے مکروہ کہا ہے، اور بعض لوگوں نے بوقت ضرورت بلا کراہت جائز کہا ہے، ہاں پرہیز وسعت بھر اولیٰ ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر معتکف اور مسافر کو جب ایسی مجبوری پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرے اور تھوڑی دیر نوافل و ذکر اللہ میں بھی مشغول رہے[1]۔ حدیث سے مسجد میں سونے کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جوانی میں مسجد میں سونا ثابت ہے[2] گو یہ درست ہے کہ یہ مہاجرین میں تھے اور مہاجرین کچھ دنوں تنگ حال رہے، ممکن ہے عمر فاروقؓ نے اپنے ایثار و خدمتِ اسلام کی وجہ سے کوئی کشادہ مکان نہ بنایا ہو، حدیث میں یہ صراحت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اس وقت غیر شادی شدہ تھے۔

بخاریؒ نے ایک باب "باب نوم المرأۃ فی المسجد" بھی قائم کیا ہے، جس سے ان کا مقصد عورت کا مسجد میں سونا ثابت کرنا ہے اور اس باب کے تحت میں ایک قدرے لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں ایک عورت کا قصہ ہے اس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے

فکانت لها خباء فی المسجد[3] او حفش — اس عورت کیلئے مسجد میں ایک خیمہ یا خیمہ نما گھر تھا

حضرت علیؓ کا واقعہ بھی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لائے، حضرت علیؓ غائب تھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خفا ہو کر چلے گئے ہیں آپؐ نے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، آپ خود مسجد میں تشریف لائے، دیکھا چادر پہلو سے ہٹی ہوئی ہے اور پہلو گرد آلود ہو رہا ہے یہ دیکھ کر آپ نے شفقت سے گرد جھاڑی اور فرمایا "قم ابا تراب، قم ابا تراب[4]" (اے ابو تراب اٹھو، اٹھو) "تراب" عربی میں مٹی کو کہتے ہیں اور "اب" باپ کو۔

مفاد عام سے متعلق چیز ایسی چیز جو کسی خاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے

---

[1] ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۹ و عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۵ [2] بخاری باب نوم الرجال فی المسجد۔ [3] ایضاً

ہو، مسجد میں رکھی جا سکتی ہے، اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جا سکتی ہے۔ مالِ غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور اسی طرح کی چیزوں کا مسجد میں جمع کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ مقاصد نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

آنحضرت ؐ کے زمانہ میں بحرین سے جب مالِ غنیمت آیا تو اس کے متعلق آپ ؐ نے فرمایا انثروا فی المسجد (مسجد میں ڈال دو) پھر آپ ؐ نے نماز پڑھ کر اسے تقسیم کر ڈالا[1]۔

ایک دن آپ ؐ عصائے مبارک لئے ہوئے باہر تشریف لائے، مسجد کے اندر ایک انگور کا خراب خوشہ لٹکتا ہوا نظر آیا جسے غریبوں کے لئے لٹکایا گیا تھا۔ آپ نے عصائے مبارک سے خوشہ کو مارتے ہوئے فرمایا۔ صدقہ دینا ہو تو عمدہ انگور صدقہ دیا کرو[2]۔ اسی حدیث کے ضمن میں ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں پینے کا پانی موسم گرما وغیرہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

قید کرنا عہد نبوی میں مسجد سے جیل خانہ کا بھی کام لیا گیا ہے، بعد میں جا کر اس کے لئے علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا، اور بڑھتی ہوئی ضرورت اس کی متقاضی بھی تھی۔ آپ ؐ کے زمانہ کا یہ واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ ثمامہ بن اثال ؓ گرفتار ہو کر آئے تو ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ آپ ؐ مسجد میں تشریف لائے تو فرمایا ثمامہ ؓ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ چھوڑ دیئے گئے، وہ مسجد سے نکل کر قریب ہی ایک باغ میں گئے، وہاں غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے[3]۔

اسلام میں جیل خانہ مسجد سے یہ کام صدیق اکبر ؓ کے عہد تک لیا گیا، فاروق اعظم ؓ کے دورِ خلافت میں جیل کے لئے چار ہزار دراہم میں ایک مکان خرید ا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں باضابطہ اس کی بنیاد حضرت علی ؓ کے زمانۂ خلافت میں پڑی[4]۔

مشرکین کا دخولِ مسجد ثمامہ بن اثال ؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کافر کا داخل ہونا جائز ہے اگر مشرک و کافر کا داخلہ مسجد میں ناجائز ہوتا تو یہ واقعہ آپ ؐ کے سامنے کیونکر ہوتا۔ بلکہ یہ بھی ایک تاریخی

[1] بخاری ج ۱ ص۶۱ [2] ایضاً [3] فتح الباری ج ۱ ص۳۴۹ [4] فتح القدیر ج ۳ ص۲۶

Marfat.com

بات ہے کہ آپؐ کے عہدِ مبارک میں یہود و نصاریٰ عام طور سے مسجد ہی میں اُترتے اور آپؐ سے ملاقات کرتے۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے وفد ثقیف کو مسجد ہی میں اُتارا، اور ان کے لئے خیمہ نصیب کیا تاکہ وہ قرآن پاک سُن سکیں، اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ومنها جواز انزال المشرك فی المسجد (زاد المعاد ج ۲ ص۲۵)	اس واقعہ سے مسجد میں کافر و مشرک کا اُتارنا جائز ثابت ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس سے بھی واضح لکھا ہے، فرماتے ہیں:۔

امام اعظمؒ کا قول ہے کہ ہر ایک مسجد میں کافر و مشرک کا دخول جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانۂ سعادت نشان میں مہمانوں کو گو وہ کافر ہوتے، مسجد ہی میں اُتارتے جیسا کہ وفد ثقیف اور دوسرے وفود کو آپ نے مسجد میں ٹھہرایا۔ تواتر سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی ملاقات کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین مسجد میں آتے اور پروانہ حاصل کئے بغیر بیٹھتے، اور ثمامہ بن اثال کو حالتِ کفر میں مسجد کے ستون سے بندھوایا گیا تھا جس کا کوئی نسخ وارد نہیں ہے[1]"

دروازہ بند کرنا مسجد کے سامان اور اسباب کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسجد کا دروازہ بند کرنا جائز ہے، فقہاء اور محدثین دونوں اس کے قائل ہیں، مگر نماز کے وقتوں میں دروازہ کھلا رکھا جائے گا تاکہ جماعت کے لئے لوگ بہ آسانی آسکیں، جماعت کے علاوہ وقتوں میں بھی دروازہ اس طرح بند کیا جائے کہ خادم ہمیشہ وہاں موجود رہے تاکہ کوئی بعد میں نماز کے لئے آئے تو وہ کھول دے اور اس طرح نمازی کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، جہاں اور شعبہ پر صرف کیا جاتا ہے۔ دروازہ کے کھولنے پر ایک خادم رکھنا چاہیئے۔

چوری کے خوف سے دروازہ بند کرنا بر انہیں ہے اور نہ یہ آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ کے تحت میں داخل ہے، کیونکہ وہاں نماز سے روکتا ہے اور یہ نماز سے روکنے

[1] تفسیر عزیزی فارسی پارہ اول ص۲۴۲

کے لئے نہیں ہے۔

شانِ نزول میں اہلِ روم جو بیت المقدس کے مخرب ہیں ان کا نام لیا گیا ہے یا مشرکین مکہ کا جنھوں نے آپؐ کو صلح حدیبیہ کے سال بیت اللہ کی زیارت سے روکا تھا، اگرچہ باب احکام میں عام ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کو بالکلیہ نماز و ذکر اللہ سے نہ روکے تو وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہ ہوگا، آیت کی ترکیب بھی اسی کو چاہتی ہے کیونکہ منع فعل متعدی ہے جس کے دو مفعول ہیں۔ مساجد اللہ اور ان یذکر جس کے معنی یہ ہونگے کہ ذکر اللہ مسجد میں روک دیا جائے، اور یہ اس وقت ہوگا جب دروازہ بند کر دیا جائے اور لوگوں کو ذکر اللہ کے لئے دخول کی اجازت نہ دی جائے، اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان مسجد کا دروازہ اس نیت بند نہیں کرتا، اپنا ذاتی خیال ہے کہ اگر ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک والے کو فتنۂ و فساد کی وجہ سے مسجد میں نہ آنے دیں اور خود ایک مسلک کے لوگ جماعت سے نماز پڑھیں تو یہ فعل بھی اس آیت کے تحت میں نہ آئے گا اس لئے کہ ابھی آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ مسجد کو جھگڑے اور فتنہ وفساد سے بچانا چاہیئے۔

دینی تعلیم جہاں مسجد سے بہت سے کام لینا جائز ہیں وہاں مسجد میں دینی تعلیم بھی جائز ہے، بلکہ یہ وہ سلسلہ ہے جو عہدِ رسالت سے مسجدوں میں قائم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مسجد میں علمی مجلس قائم کی ہے۔ صُفّہ جہاں عہدِ نبوی میں دین کی تعلیم ہوتی تھی، یہ مسجدِ نبوی میں تھا۔

مدارسِ اسلامیہ کا سلسلہ اوّل اوّل مسجدوں سے شروع ہوا، اور یہ چوتھی صدی ہجری تک باقی رہا۔ کتبِ احادیث و تراجم میں متعدد مدرسوں کے نشان ملتے ہیں جو مسجدوں میں قائم تھے جہاں مدرسین بلا معاوضہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ تاریخ گجرات "یادِ ایام" میں لکھتے ہیں:۔

> ہمارے پیرومرشد روحی فداہ نے خاکِ پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی اور جس کو مسجدِ نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا۔ اس کے بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں، انہی کو آپ مدارس سے تعبیر

Marfat.com

کرسکتے ہیں، تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاذ مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد وپیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا، اساتذہ خالصاً لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر سوکر اور در در چراغ کما کر تحصیلِ علم کرتے تھے، بڑے بڑے شاہزادوں کو بھی اگر علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ بھی مسجدوں میں جاکر اور اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرکے بیٹھتے تھے، یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا، اس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لئے شاندار عمارت بنائی گئی اور اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر ہوئے[۱]"

اس کے بعد مولانا مرحوم نے ہندوستان کی چند مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا، ان میں جونپور میں اٹالہ کی مسجد، لاہور میں وزیر خاں کی مسجد، نئی دلی میں ماہم بیگم کی مسجد، پرانی دلی میں مسجد فتحپوری اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد کا خصوصیت سے نام لیا ہے[۲]

مئو ضلع اعظم گڈھ میں کٹرہ کی مسجد سے بھی برابر مدرسہ کا کام لیا جاتا رہا ہے اور اب تک وہاں یہ سلسلہ قائم ہے، جو مدرسہ اب مفتاح العلوم کے نام سے مشہور ہے اور الحمد للہ کہ اس خاکسار کو بھی اسی سے شرفِ تلمذ کی نسبت حاصل ہے، سید علامہ ندوی نے حیاتِ شبلی میں اس مسجد اور مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے۔

دربارِ الٰہی کی صفائی

انسان طبعاً نفاست پسند واقع ہوا ہے، ہر شخص اپنی وسعت بھر چاہتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ رہے، اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے اور اس کی ہر چیز سے نفاست ٹپکے، پھر جو جس مرتبہ کا ہے اس کی صفائی بھی اسی انداز کی ہوتی ہے۔

ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، کہ مسجد جو دربارِ الٰہی اور خانۂ خدا ہے، اس کی صفائی کس قدر ضروری ہے، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو عند اللہ محترم ہے اور جہاں مسلمان اپنے مولیٰ کی عبادت کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت میں جمع ہوتے ہیں، اور حاضری

---

[۱] یاد ایام ص۳۲   [۲] الندوہ ص۳۵ و ص۳۶ و ص۳۸

Marfat.com

کے وقت ان اعضاء کو عموماً دھو کر آتے ہیں جن پر گرد و غبار کے اُڑ کر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

صفائی کا ثبوت قرآن سے

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ صفائی بھی ہر چیز کی طرح اعتدال پر ہو اور افراط و تفریط سے پاک ہو، نہ اس قدر اسے بڑھایا جائے کہ حدِ تزخرف کو پہنچ جائے اور نہ ایسی بے توجہی برتی جائے کہ گرد و غبار سے اَٹ جائے، اس اعتدال پر رہ کر اس کی پاکیزگی اور نفاست کا خیال ازبس ضروری ہے۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ - (بقرہ - ۱۴۰)

ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل سے عہد لیا کہ دونوں میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک و صاف رکھیں

یہ آیت شانِ نزول میں گو خاص ہے مگر بابِ احکام میں عام ہے، اور مفسرین نے اسی وجہ سے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ مسجدوں کو ہر طرح پاک و صاف رکھنا ضروری ہے ظاہری باطنی، اعتقادی، معنوی ہر اعتبار سے پاکی کامل ہو، نہ انجاس و اصنام ہوں اور نہ عصیان و طغیان، پھر غور کیجئے خانۂ خدا کی طہارت اور صفائی کا حکم کن جلیل القدر نبیوں کو ہو رہا ہے جو بیت اللہ اور مسجدوں کی عظمتِ شان کا بہت بڑا مظاہرہ ہے۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا پیدا ہوا، تو اسے ایک مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لئے آزاد کر دونگی۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ - (آل عمران - ۴)

جبکہ عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد کیا جائے گا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں

امام بخاریؒ نے اس واقعہ اور آیت کو نقل کر کے مسجد کی صفائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور واقعی یہ بات مسجد کی صفائی اور خدمت کے لئے بڑی اہم ہے۔ قرآن کی ان دو آیتوں میں مسجد کی صفائی کا بیان باوجود اختصار کے بہت کافی ہے۔

Marfat.com

مسجد کی صفائی کے فضائل حدیثوں میں بے شمار ہیں، یہاں اس سلسلہ کی صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے کافی و وافی ہیں۔ ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ حدیث میں فضائل

عُرِضت علیّ اجور امتی حتی القذاۃ	مجھ پر میری امت کے اجر پیش کئے گئے یہاں
یخرجھا الرجل من المسجد۔	تک کہ وہ کوڑا بھی جو کسی نے مسجد سے
(مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد ج ۱ ص۶۹)	باہر کیا تھا۔

عربی داں جانتا ہے کہ قذاۃ کے لفظ میں کس قدر فصاحت و بلاغت ہے، قذاۃ اس تنکے کو کہتے ہیں جو آنکھ میں پڑ جائے۔ تنکے کے پڑنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب جانتے ہیں اور اسے نکالنے کی جس قدر جلد سعی بلیغ کی جاتی ہے، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں تو گویا اس لفظ کو لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ کوڑا کرکٹ مسجد کے لئے ایسی ہی اذیت کا باعث ہے جیسے تنکا آنکھوں کے لئے اس لئے اسے جلد سے جلد صاف کیا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی گندگی بھی مسجد میں نہ ہونی چاہیئے۔

سرکارِ دو عالمؐ کی خدمتِ مسجد حضرت انس رضؓ خادم رسول صلعم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی نظر بلغم پر پڑ گئی جو قبلۂ مسجد میں کسی نے ڈال دیا تھا، یہ دیکھ کر آپ کو بڑی اذیت ہوئی اور اس اذیت و ناگواری کا اثر چہرۂ مبارک پر آگیا، پھر خود اُٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے اُسے صاف فرمایا۔ اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ لوگو! تم میں کا کوئی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس کے اور قبلہ کے درمیان رب العزت اپنی رحمت و رضا کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، اس لئے کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے، نماز میں تھوکنے کی ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے ڈال سکتا ہے، پھر آپ نے عمل کر کے اسے بتایا، اپنی چادر مبارک کے ایک کنارے کو لیا، اس پر تھوکا اور مل دیا۔ پھر فرمایا ایسا ہی کرے۔[۱]

---

[۱] بخاری ج ۱ ص۵۸

Marfat.com

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :-

البزاق خطیئۃ وکفارتھا دفنھا (بخاری ص۵۹ ج۱) تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے

یعنی مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، کسی سے نادانستہ ایسی غلطی ہو ہی جائے تو اُس کو چاہیئے کہ اس کو دفن کردے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں کہیں بھی تھوکا نہیں جا سکتا بلکہ تھوکنا گناہ ہے اور قبلہ کی دیوار کا احترام نسبتاً بڑھا ہوا ہے اس لئے ادھر تھوکنا اور بھی بُرا ہے، یہ قبلہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ دونوں قابل احترام ہیں۔ جس جگہ آدمی نماز پڑھتا ہے وہاں نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت ہے۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ نماز پڑھتے ہوئے منہ میں تھوک آ ہی جائے تو کپڑے کے کنارہ پر تھوک کر مل دے کہ اس صورت میں تلویث مسجد نہیں ہے، مسجد سے باہر اگر کوئی نماز پڑھتا ہو اور پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب مجبوری کی حالت میں تھوک دے تو مضائقہ نہیں خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کی جرأت نہ کی جائے، نکلنا پڑے تو یہ کرے مگر تھوکنا مناسب نہیں[1]

مسجد سے گندگی دور کرنا مسجد میں تھوک دیکھا جائے تو اس پر مٹی ڈال دی جائے اگر فرش کچا ہے۔ یا کھرچ کر پھینک دیا جائے۔ اور فرش پختہ ہے تو اس کو صاف کرے، دھو کر یا کپڑے سے اٹھا کر، کیونکہ فرش پر ملنے سے اور گندگی پھیل جائے گی۔ صاف کرنے میں اس کا خیال رہے کہ کوئی اثر گندگی کا باقی نہ رہنے پائے اور ہو سکے تو خوشبو لے کر مل دے[2]

قفالؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ دفن کرنے کا جس کو حکم ہے وہ منہ اور سر سے اترنے والا تھوک ہے۔ باقی جو بلغم سینہ سے آتا ہے وہ نجس ہے اسے کسی حال میں مسجد میں دفن نہ کیا جائے گا[3]

دفن کے معنی عام لئے جائیں یعنی اس کو صاف کر دینا اس طرح کہ ظاہری طور پر اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تاکہ اشکال سرے سے ختم ہو جائے، کیونکہ گھن جس سے آتی ہو اسے مسجد میں

[1] فتح الباری ج ۱ ص۳۴۴ و ص۳۴۵ [2] ایضاً ص۳۴۶ [3] ایضاً

Marfat.com

دفن کرنا کسی طرح اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کے متعلق آیا ہے کہ انھوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور صاف کرنا بھول گئے گھر واپس پہنچ چکے تو ان کو یاد آیا فوراً روشنی لے کر مسجد تشریف لائے اور اسے تلاش کر کے صاف کیا۔[1]

صاحب فتح الباری نے حضرت ابو ذر رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعۃ	میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں
تکون فی المسجد لا تدفن	اس گاڑھے تھوک کو بھی پایا جو مسجد میں
(ج ۱۔ ص۳۴۵)	ڈالا گیا مگر صاف نہ کیا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے گندہ کرنے کا گناہ نامۂ اعمال میں ثبت ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب میں وہ چیز بھی سامنے لائی جاتی ہے پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ مسجد میں کوئی ایسا تنکا بھی نہ ڈالے جس سے گندگی معلوم ہو، اور اگر کوئی ایسی چیز دیکھ لے تو فوراً صاف کر دے۔ امام کی تو خصوصیت سے یہ ذمہ داری ہے کہ مسجد کی صفائی کی دیکھ بھال کرے اور اس کی نگرانی کرے کہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو انجام دیا ہے۔[2]

مسجد گندہ کرنے کی سزا حضرت سائب بن فدار رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قوم کی امامت کی، اتفاق کی بات اس نے جانب قبلہ تھوک دیا، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچشم خود دیکھ لیا۔ آپ کو یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی، آپ نے سختی سے فرمایا کہ اس کو اب امامت نہ کرنے دینا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو دوبارہ امامت نہ کرنے دی۔ اس کو جب آپ کا واقعہ معلوم ہوا تو وہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوا اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ آپ نے اس کی باتیں سن لیں اور اس کے بعد فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے ہیں نے ہی روکا ہے اس لئے کہ تم نے مسجد میں تھوک کر

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص۳۴۶ [2] ایضاً ج ۱ ص۳۴۷

Marfat.com

اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی۔[1]

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کی بے ادبی کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ یہ وہ جرم عظیم ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول پاک کے لئے باعث اذیت ہوتا ہے۔ اور اس جرم میں کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے تو بجا ہے۔ بلکہ وہ اسی لائق ہے کہ اس کو جرم کا بدلہ ملنا چاہیئے۔

جاروب کش نگاہِ نبوی میں

ایک طرف گندہ کرنے کی سخت سزا جو اوپر مذکور ہوئی اور دوسری طرف اس کی صفائی کا یہ ثواب کہ قیامت میں اس کو اس کا گرانقدر معاوضہ عطا ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا جس کی اطلاع آپ کو نہ دی گئی، آپ نے جب اس کو دوسرے دن نہیں دیکھا تو لوگوں سے دریافت فرمایا۔ آپ کو بتایا گیا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ اس کی اچانک موت کی خبر سن کر آپ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی، پھر فرمایا اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ راوی کو اس کے متعلق شک ہے کہ وہ عورت تھی یا مرد تھا۔ مگر روایتوں کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت ام محجن تھی۔[2]

لوگوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ایک معمولی آدمی کے لئے آپ کو کیوں تکلیف دی جائے، مگر آپ کی نظر میں اس کی اس حیثیت سے بڑی وقعت تھی کہ اس کو خادم مسجد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

خدمت مسجد ایمان کی علامت ہے

حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اذا رأیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا له بالایمان (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۹)

تم جب کسی کو مسجد کی خدمت کرتے دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو۔

---

[1] مشکوٰۃ باب المساجد۔ [2] فتح الباری ج ۱ ص ۳۷۰

Marfat.com

تعاہد کے بہت سے معنوں میں ایک معنی جھاڑو دینا بھی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ عموماً دوشنبہ اور پنجشنبہ کو مسجد قبا جاتے تھے۔ ایک دن مسجد میں دیکھا جھاڑو نہیں دی گئی ہے، خود آپ نے کھجور کی شاخ لے کر مسجد کو صاف فرمایا، پھر لوگوں کو تاکید فرمائی کہ مسجد کو مکڑیوں کے جالے وغیرہ سے پاک وصاف رکھو۔[۱]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا اس (مسجد) کو ہر طرح کی گندگی سے پاک وصاف رکھو۔ یہ اس لئے کہ اس میں ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پاک ہو۔[۲]

مسجد کی صفائی کا معاوضہ | آخیر میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ خادمِ مسجد کا اجر کتنا بڑا ہے۔

من اخرج اذی من المسجد بنی اللہ — جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالےٰ

لہ بیتا فی الجنۃ (ابن ماجہ باب تطہیر المساجد) — اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

اس حدیث کو پڑھ کر ہر مسلمان کے دل میں مسجد کی خدمت اور اس کی صفائی کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے کہ اس معمولی خدمت کا اجر اتنا بڑا نصیب ہوگا۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ مسجد کو جو دربارِ الٰہی ہے ہر طرح کی گندگی، خس وخاشاک تھوک، بلغم، گھناؤنی چیز اور شریعت میں جو بھی نجس اور تکلیف دہ ہے اس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے۔ اور جو اس خدمت کو انجام دے گا اللہ تعالےٰ کے یہاں سے اس کو بڑا اجر ملے گا۔ پھر یہ بھی واضح ہو جائے کہ یہ خدمت باعثِ ذلت نہیں باعثِ عزت و رضائے الٰہی ہے اور یہ وہ عظیم الشان خدمت ہے جسے خود سرکارِ دوعالمؐ نے اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے اور آپؐ کے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ نے۔

بدن اور کپڑوں کی صفائی | طہارت ونظافت اور مسجد کی صفائی کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بدبودار بدن یا کپڑوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا

---

[۱] وفاء الوفا ج ۲ ص ۲ — [۲] ریاض الصالحین للنووی ص ۲۵

Marfat.com

جس کی بو اذیت دیتی ہو، جائز نہیں ہے۔ وسعت بھر اس فعل سے اجتناب ضروری ہے اور جب کوئی مسجد آئے تو اس کا بدن اور لباس صاف ہونا چاہیئے۔

جمعہ کے دن غسل کی جو تاکید آئی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ بدبو سے بچنا بھی ہے، کیونکہ اجتماع میں ایسا ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے اور اس کی بدبو پھیلنے لگتی ہے جو فرشتوں اور نمازیوں کے لئے اذیت کا باعث بن جاتی ہے، اور یہ چیز دربارِ الٰہی کے آداب کے خلاف بھی پڑتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عراقی حضرات کے سوال کرنے پر بیان کیا تھا کہ

جمعہ کے دن غسل کا حکم اس وجہ سے ہوا کہ لوگ مزدوری کرتے تھے، اُن کا کپڑا استعمال ہوتا تھا اور ان کو اپنی پشتوں پر بھی بار برداری کبھی کرنی پڑتی تھی۔ اور مسجد کا حال یہ تھا کہ ان کی مسجدیں تنگ تھیں جن کی چھتیں نیچی ہوتی تھیں جنہیں جھونپڑی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے موسم گرما میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے لوگ اپنے انہی کپڑوں میں شرابور ہو رہے تھے اور ان سے تکلیف دہ بو پھوٹ رہی تھی۔ آپ نے جب یہ چیز دیکھی تو فرمایا لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کر کے آیا کرو اور جو میسر ہو اس کے مطابق اچھے سے اچھا تیل یا خوشبو مل کر آؤ۔[1]

گندہ دہنی سے اجتناب بدن، کپڑوں کے ساتھ منہ بھی صاف ہونا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ بولنے اور منہ کھولنے کے ساتھ مسجد کے کچھ حصوں میں بدبو پھیل جائے اور نمازیوں کے لئے اذیت کی وجہ بن جائے، مسجد آنے سے پہلے اچھی طرح منہ صاف کر لیا جائے، کوئی ایسی چیز نہ کھائی پی جائے جس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

حدیث میں مسواک کی تاکید اور اس کی فضیلت جو بیان کی گئی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے دربار میں حاضری پاکیزگی اور نفاست کے ساتھ ہوتا کہ مناجات اور سرگوشی میں پورا پورا ادب ملحوظ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں منہ کی صفائی کا بڑا اہتمام فرمایا، خود تو یہ حال تھا کہ کوئی وضو بغیر مسواک کے نہیں ہوتا تھا

[1] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۵ عن ابی داؤد۔

Marfat.com

یوں بھی آپ بکثرت مسواک کرتے۔ آپ نے اپنی اُمت کو بھی اُس کی بڑی ترغیب فرمائی ہے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے مسواک سے منہ کی صفائی ہے اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی[2] اسی صفائی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ایسی چیز کھا کر مسجد جانے سے روکا ہے جس کی بو جلد ختم نہیں ہوتی جیسے کچی پیاز، لہسن، مولی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا او	جو بھی لہسن پیاز کھائے اس کو چاہیئے
فلیعتزل مسجدنا (ریاض الصالحین للنووی ص۲۵۰)	کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے۔

دوسری روایت اس سے واضح ہے جس میں علت بھی بیان کی گئی ہے۔

من اکل من ھذہ الشجرۃ فلا یقربن	جو اس درخت (پیاز) سے کھائے
مسجدنا فان الملائکۃ تتاذی مما	ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لئے
تتاذی الانس۔	کہ فرشتوں کو اس چیز سے اذیت ہوتی ہے
(مشکوٰۃ ج ۱ ص۶۹)	جس سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔

مٹی کا تیل وغیرہ جلانا اسی علت اذیت کی وجہ سے مسجد میں مٹی کا (کراسن) تیل جلانا نہ چاہیئے کہ اس کی بو بھی اذیت دیتی ہے۔ اسی طرح مسجد میں بیڑی، سگرٹ اور حقہ پی کر بغیر منہ صاف کئے داخل نہ ہونا چاہیئے۔ اس سے یہ بات خود سمجھ میں آتی ہے کہ جب بدبودار منہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو مسجد میں بیڑی سگرٹ پینا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ "وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں ہے:۔

قال الفقہاء کل من وجد فیہ رائحۃ	فقہاء نے کہا ہے کہ جس شخص میں ایسی ناگوار
کریھۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ	بو پائی جائے جس سے انسان کو اذیت ہو تو

[1] مشکوٰۃ عن البخاری و مسلم باب السواک۔ [2] مشکوٰۃ باب السواک عن النسائی وغیرہ

ولو یجر من یدہ اور جلیہ دون لحیتہ — اس کا نکال دینا لازم ہے گو ہاتھ پیر پکڑ کر
وشعر راسہ — گھسیٹنا پڑے ہاں داڑھی اور سر کے
(فتاوی عبدالحیٔ ج ۱ صـ۱۷۶) — بال نہ پکڑے جائیں۔

فقہاء کی اس صراحت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بدن، منہ اور کپڑوں کی صفائی کس قدر ضروری ہے۔

تارِ عنکبوت اسی علتِ اذیت میں مکڑی کے جالے بھی آجاتے ہیں کہ آدمی طبعًا اس سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے، ہمارے زمانہ میں اس طرف توجہ دینے کی بڑی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں فاروقِ اعظمؓ کا قول گزرچکا ہے کہ آپؓ نے مسجد قبا کے متعلق فرمایا تھا کہ مکڑیوں کے جالے سے پاک وصاف رکھو۔

اخراج ریح اسی علت میں اخراجِ ریح بھی ہے کہ اس سے بھی بدبو پھیلتی ہے اور جب بدبو پھیلے گی تو اذیت ضرور پائی جائے گی۔ علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ اخراج ریح مسجد میں مکروہ تحریمی ہے، معتکف کو البتہ بعض علماء نے معذور قرار دیا ہے، یوں اجتناب ہر حال میں اولی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے نمازیوں کے لئے اس وقت تک دعاء کرتے ہیں جب تک وہ حدث نہیں کرتے ہیں[1]۔

خوشبو کی دھونی صرف یہی نہیں ہے کہ مسجد کو بدبو اور گندی چیزوں سے بچانا ضروری ہے بلکہ تطہیر وتنظیف کے ساتھ تطییب بھی مطلوب ہے، ایک لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا بھی آیا ہے۔

اتخذوا علی ابوابها المطاهر و — ان (مسجدوں) کے دروازوں پر طہارت خانہ
جمروها فی الجمع (ابن ماجہ ج۱ صـ۵۵) — بناؤ اور جمعوں میں ان کے اندر خوشبو کی دھونی دو۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مسجدوں میں طہارت خانہ اور خوشبو کی دھونی کا انتظام کرو۔ فاروق اعظم ہر جمعہ کے دن دوپہر میں مسجد کے اندر خوشبو کی دھونی دیا کرتے

---

[1] مسلم باب فضل الصلاۃ المکتبۃ صـ۲۳۴

تھے، ساتھ ہی یہ حکم بھی نکال دیا تھا، کہ ہر شہر کی مسجدوں میں دوپہر کے وقت خوشبو کی دھونی دی جائے [1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ اور ان کو پاک وصاف اور معطّر رکھو [2]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجدیں لوبان، اگربتی اور دوسری خوشبو جلائی جائے جمعہ کے دن اور بھی اس کا اہتمام رکھا جائے۔

روشنی مسجد میں روشنی کرنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ ابوداؤد میں اس کے متعلق حدیث آئی ہے۔

وقف اور تولیت

مسجد کے لئے جو زمین وغیرہ وقف کی جاتی ہے اس سے یقینی طور پر واقف کی ملکیت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے اسی وجہ سے وقف میں شرط ہے کہ واقف راستہ کے ساتھ اپنی اُس ملکیت سے علیٰحدہ ہو جائے اور لوگوں کو نماز کی عام اجازت دیدے، اس اجازت کے بعد اگر ایک شخص نے بھی اس میں نماز پڑھ لی تو وہ مسجد ہو گئی، واقف کی ملکیت سے علیٰحدگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ملکیت حسبتہً لِلّٰہ ہو جائے گی اور سپردگی بحق مسجد ثابت ہو جائے گی۔

بعض ائمہ کہتے ہیں کہ وقف کے بعد قبضہ کے ثابت ہونے کے لئے باجماعت نماز ہونا ضروری ہے اس لئے کہ مقصود بالذات مسجد سے جماعت ہی کی نماز ہے، انفرادی طور پر تو ہر جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے، چنانچہ اذان واقامت کا مقصد بھی جماعت ہی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک ہی شخص نماز پڑھے مگر اذان واقامت کے ساتھ تو قبضہ کے لئے یہ کافی ہے اور امام ابو یوسفؒ کا یہ کہنا ہے کہ صرف واقف کا وقف کا اعلان ہی مسجدیت کے لئے کافی ہے [3]

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۴ [2] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۹ [3] ہدایہ مع حاشیہ مولانا عبدالحیی ج ۲ ص ۶۲۴

Marfat.com

تولیت مسئلۂ تولیت میں واقف کو اختیار ہے کہ تولیت اپنے اور اپنے خاندان کیلئے محفوظ رکھے یا وہ جس کو چاہے بخش دے۔ مگر جب متولی میں شرعی اعذار پیدا ہو جائیں گے تو اس کو اس عہدہ سے برطرف کر دیا جائے گا۔ مثلاً وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو، فاسق ہو یا فاجر کہ اس کو شراب پینے کی عادت ہو لئی یا کیمیا میں مال خرچ کرنے لگا، تو ایسی صورت میں متولی کو تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ کوئی متولی خائن ہو جائے تو اس کو بھی قاضی معزول کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی متولی سال بھر یا اس سے زیادہ بیمار رہے تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ البتہ صحت یاب ہونے پر وہ دوبارہ متولی ہو سکتا ہے[1]

واقف نے اگر یہ شرط لگا دی ہے کہ تولیت اس کی اولاد، در اولاد میں رہے گی تو جب تک اس خاندان سے کھلی ہوئی خیانت ثابت نہ ہو جائے، یا کوئی اور ایسا عذر محقق نہ ہو جائے جس سے معزولی جائز و ضروری ہو، قاضی کسی اور کو متولی نہیں بنا سکتا ہے اور اگر وہ ایسا بغیر کسی معقول عذر کے پائے جانے کے کرنا چاہے تو قاضی کا یہ فعل درست نہ ہوگا[2] ہاں جن اسباب کی بناء پر متولی کے علیحدہ کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے ان میں سے کوئی سبب یا عذر پایا جائے گا تو قاضی اس کو علیحدہ کر دے گا۔

جس وقف کی تولیت کسی متعین شخص یا خاندان سے مخصوص نہ ہو یا انتخاب کا حق اہل مسجد پر ہو تو اس وقت متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو، کیونکہ جو عہدہ کا خواہشمند ہوتا ہے وہ عموماً اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتا ہے اور کسی فاسد نیت سے اس کا خواہاں ہوتا ہے۔

حق انتخاب متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے پھر حاکم اور قاضی کو یا واقف نے جن لوگوں کو اس کا اختیار دیا ہے۔ جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں عموماً یہ اختیار محلہ کی پبلک کو واقف دیتے ہیں جن کو دین سے لگاؤ ہو۔

---

[1] درمختار مع ردالمحتار۔ ج ۳ ص ۴۲۱ و ۴۲۲ [2] عالمگیری باب ولایت الوقف ج ۲۔

Marfat.com

متولی کے اوصاف متولی کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ امانت دار، معتمد دیانتدار اور متقی ہو۔ خائن، چور اور مسرف (فضول خرچ) نہ ہو۔ پھر یہ کہ وہ عاقل و بالغ ہو، اس کا لحاظ نہیں ہے کہ وہ آنکھ والا ہو یا اندھا، مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ اندھا اور عورت بھی متولی ہو سکتے ہیں۔

متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنی جگہ اپنی زندگی میں کسی اور کو متولی بنا دے، البتہ اگر اس کو مختار کل بنا دیا گیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

متولی کے فرائض تولیت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے اختیارات لامحدود ہوں، بلکہ اس کے اختیارات کی شریعت نے تعیین کر دی ہے اور اس کے فرائض بیان کر دیئے گئے ہیں جن پابندی متولی کے لئے ضروری ہے۔ اپنی مفوضہ خدمت سے زیادہ کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

واقف نے اگر مشاہرہ کا اس کے لئے تعین کر دیا ہے تو اس کو اس کا لینا جائز ہے ورنہ بقدر اُجرت کے اجازت ہے۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۲۰۴)

متولی کے لئے جائز ہے کہ بوقت ضرورت مسجد کی صفائی اور روشنی کے لئے ملازم رکھے، مگر مشاہرہ مناسب اور دستور کے مطابق مقرر کرے گا۔ زیادہ دے گا تو وہ ضامن ہوگا، ہاں وہ اپنے پاس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ (فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۸۸۰)

متولی وقف کی بچت سے یعنی صرف کرنے کے بعد جو بچے گا اس سے ذرائع آمدنی خرید کرے گا جو وقف ہی ہوگا لیکن اس خریدی ہوئی چیز کا تکہ وقف کا نہ ہوگا۔ یعنی ضرورت کے وقت یہ بعد کی خریدی ہوئی چیز فروخت ہو سکتی ہے۔ (ایضاً)

وقف میں جو گھر ہے اس میں کوئی متولی کی اجازت حاصل کئے بغیر رہے گا تو اس کو اجرت مثل وجوباً دینی ہوگی۔ (ایضاً)

متولی ضرورت کے وقت وقف میں اپنا مال لگا سکتا ہے، اور اس نے اگر اپنی لکڑی

Marfat.com

مسجد کے کام میں دی ہے تو پھر لے سکتا ہے۔ (فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۸۸۰)

متولّی وقف کی آمدنی سے تیل، چٹائی اور فرش کے لئے اینٹ سمنٹ خرید سکتا ہے بشرطیکہ وقف نامہ میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً یہ جملہ ہو کہ مسجد کے مصالح اور اس کی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر کسی متعین کام کے لئے ہی وقف کی آمدنی وقف کی گئی ہو تو اس کے سوا دوسرے کام میں نہیں خرچ کر سکتے، مثلاً مسجد بنانے ہی کے لئے ہو تو اس سے چٹائی، روشنی اور فرش وغیرہ کا نظم نہیں کر سکتے۔ (ایضاً)

متولّی کو جب وقف نامہ کی تفصیل کا علم نہ ہو تو اس مجبوری میں اپنے پیشرو کی تقلید کرے گا۔ (ایضاً)

متولی وقف کے لئے اس وقت تک قرض نہیں لے سکتا جب تک کوئی ضروری اور ناگزیر امر پیش نہ آجائے اور پھر ایسے وقت میں قاضی کی اجازت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ قاضی کی اجازت کے بغیر قرض نہ لے گا۔ قاضی کی اجازت سے قرض ضرورت کے لئے لیا گیا تو اُسے وقف کی آمدنی سے ادا کرے گا۔ اسی طرح وقف میں زراعت ہوتی ہو اور بیج نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے بیج بھی قرض لے سکتا ہے، واضح رہے متولّی کے لئے یہ قرض اسی وقت جائز ہے جب اس کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو اور وہ اسے ادا بھی کر دے (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۸۱)

متولّی کے پاس وقف کے روپے تھے، مگر اس نے وقف کے لئے کوئی چیز اپنے ذاتی روپے سے خریدی تو ایسی حالت میں بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وقف کے خزانے سے اپنے روپے لے لے۔ (ایضاً)

وقف شدہ مکان کو متولّی رہن (گرو) نہیں رکھ سکتا، اگر اس نے رہن رکھ دیا اور مُرتہن نے اس میں سکونت اختیار کر لی تو ایسی صورت میں اس کو مُروّجہ کرایہ دینا پڑے گا۔ (ایضاً)

متولّی نے وقف کے روپئے اپنی ضرورت میں صرف کر دئے پھر اتنا ہی اپنے مال سے وقف میں خرچ کر دیا یا وقف کے خزانہ میں داخل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہے (ایضاً)

وقف کے روپے جمع تھے، کفار کی جانب سے مسلمانوں پر ناگہانی آفت یا مصیبت ٹوٹ پڑی، جس کے دفعیہ کے لئے روپے کی ضرورت ہوئی تو ایسی حالت میں دیکھا جائے کہ اگر جامع مسجد سے متعلق اور مسجد کو اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ وقف کے روپے بطور قرض مسلمانوں کو آفت اور مصیبت سے بچانے کے لئے خرچ کرے۔ (ایضاً)

مسجد کی مصلحت کے لئے جو وقف ہے اس کی آمدنی سے مسجد کے دروازہ پر ظلّہ (چھت سایہ کے لئے) بنوانا متولی کے لئے جائز ہے، تاکہ بارش کے نقصان سے محفوظ رہے۔ ہاں وقف جب مسجد کی تعمیر اور مرمت کے لئے مخصوص ہو تو ظلّہ نہیں بنوا سکتا مگر ظہیر الدین رح کہتے ہیں کہ وقف عمارت مسجد پر ہو یا مصالح مسجد پر دونوں برابر ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ لہٰذا بنوانا جائز ہوگا۔ (ایضاً)

موجودہ دور میں متولی اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے موجودہ دور میں وقف کا جو حشر ہو رہا ہے اور متولی جس طرح دیدہ و دانستہ کوتاہی کرتے ہیں اس پر چند کلمات لکھنا ضروری ہیں۔

پہلے اس امر کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ واقف وقف کس نیت سے کرتا ہے، سب جانتے ہیں کہ وقف کرکے یہ چاہتا ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ حسن و خوبی سے ادا ہو، اخراجات کے نہ ہونے کی وجہ سے کام کے تعطل کا جو خطرہ ہے وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے اور مسجد کا واقف تو ایک بڑی گہری فکر کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا ہے، اس کی نیت کس قدر صالح ہوتی ہے کہ مسجد کا نظم عمدہ پیمانہ سے برقرار رہے۔ "دربارِ الٰہی" کی صفائی ہو، وہاں روشنی ہو، اس کے حاضرین کو ہر طرح کا ذہنی اور خارجی آرام ہو، اور اس وقف کی آمدنی سے "دربارِ الٰہی" کے کام باکاج مزے سے چلتے رہیں۔ خدانخواستہ اس کی نیت مال کو ضائع کرنا نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ متولی اپنے عیش و آرام میں صرف کرے، متولی اس لئے کوئی بھی نہیں بناتا کہ وقف برباد ہو، اسی لئے عموماً واقف نامہ میں متولی کا

انتخاب بہت سی قیدوں کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

تولیت کے لئے شرائط متولی ان تمام شرطوں کو جب پوری کرتا ہے تب کہیں وہ اپنے عہدہ کو ادا کرتا ہے میں نے ایسے وقف نامے بھی دیکھے ہیں جن میں تولیت اپنے خاندان میں رکھی گئی ہے مگر شرائط و قیود لکھ کر اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اگر ان شرائط و قیود کے مطابق کوئی فرد میرے خاندان کا وقف کو نہ چلا سکے تو اس کو برطرف کر دیا جائے۔

متولی کے لئے تقریباً ہر وقف نامہ میں درج ہوتا ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہونے کے ساتھ امانتدار ہو، دیانتدار، ذی ہوش اور اوقاف کی بھلائی چاہنے والا ہو، وقف کی آمدنی حفاظت سے خرچ کرے، ذرائع آمدنی کی حفاظت کرے، اس کو ترقی دینے کی سعی پیہم جاری رکھے، اور پھر وقف نامہ میں جو صرح شعبہ ہوتے ہیں اس کے خلاف کرنے والے کو اللہ تعالےٰ کی لعنت سے ڈرایا جاتا ہے۔

متولی کی غفلت با ایں ہمہ متولی کی وقف کی اصلاح و ترقی سے چشم پوشی حد درجہ افسوسناک ہے اور قصداً وقف کے انتظام میں کوتاہی ناقابل برداشت، عموماً یہ منظر کم و بیش ہر جگہ نظر آتا ہے کہ کافی آمدنی ہوتے ہوئے بھی مسجد کا نظم خراب سے خراب تر ہو رہا ہے، نہ مسجد میں صفائی ہے، نہ روشنی کا انتظام ہے، فرش ٹوٹ رہا ہے، دیواریں گر رہی ہیں، وضو خانہ میں پانی ناپید ہے اور امام و موذن وقت کی پابندی سے کام نہیں کرتے ہیں، مزید یہ اور غضب ہے کہ وقف نامہ کی صراحت کے باوجود امام کا انتخاب صرف مشاہرہ کی وجہ سے نامعقول ہے، ایسا امام جو خود مسائل ضروریہ سے واقفیت نہیں رکھتا دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا۔

متولی کو یقین رکھنا چاہیئے کہ کل اس کو مرنا ہے، اپنے اعمال و اخلاق کا حساب دینا ہے اور اپنی اس ذمہ داری اور پھر کوتاہی کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے، اپنے فرائض سے کوتاہی وہ جرم عظیم ہے جس کی گرفت سخت تر ہو گی۔ یہ کیا ظلم ہے کہ وقف کی آمدنی کا نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ اخراجات کے اصول و قواعد، یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کون کام

کرنا چاہیئے، اور کس جگہ خرچ کرنے سے پرہیز، وقف کی آمدنی ایسے کام میں خرچ کرنا جس میں نام ونمود مقصود ہو اور وہ وقف کہ جس سے کوئی فائدہ نہ ہو، اپنی ذمہ داری کے احساس کا فقدان ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وقف کی آمدنی بعض اپنی آمدنی سے ملا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کی چیز میری چیز ہے۔

ایک مرد مومن کو ان بے اعتدالیوں سے ڈرنا چاہیئے، اور مفوضہ خدمات یا حسن و خوبی سے انجام دینا چاہیئے یا پھر اس سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔

کتب موقوفہ اخیر میں ایک بات اور یاد آگئی بعض مسجدوں میں وقف میں کتابیں بھی ہوتی ہیں۔ متولی کا فرض ہے کہ ان کتابوں کی پوری حفاظت کرے اور کیڑوں کی خوراک نہ ہونے دے، ساتھ ہی اس سے اہلِ علم کو استفادہ کا موقع دے اور اگر وقف میں صراحت ہو تو طالب العلم کو بھی دینا چاہیئے، ایک آدمی کتابوں کی حفاظت اور ان کے دینے لینے پر بھی متعین ہونا چاہیئے۔

متفرق مسائل

(فقہی جزئیات)

کتاب کی جامعیت کے پیشِ نظر یہاں ان مسائل کا ذکر ہے جو کسی عنوان کے تحت نہ آسکے، تاکہ ناظرینِ کتاب مساجد سے متعلق ضروری مسائل میں دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں۔

باب اقتداء میں عیدگاہ اور نماز جنازہ کی جگہ کا حکم مسجد کا سا ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۱)

کسی احاطہ میں ایسی مسجد ہے کہ دروازہ بند کر لینے کے بعد بھی گھر والوں سے اس میں جماعت ہو جاتی ہے تو یہ مسجد مسجد جماعت کے حکم میں ہے۔ البتہ اگر یہ شکل ہے کہ احاطہ کے دروازہ کے بند ہونے کے بعد جماعت نہیں ہوتی ہے کہ عوام کو وہاں نماز کی اجازت ہو اور

Marfat.com

دروازہ کھلے رہنے پر جماعت بھی ہو جایا کرتی ہے تو بھی یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے (عالمگیری ج ۱ ص۷۰)

متولی کے انتخاب کا حق اہل محلہ کو ہے، یا ہم مشورہ سے منتخب کر سکتے ہیں (ردالمحتار ج ۱ ص۶۲۰)

امام نیچے ہو اور اس کی چھت پر مقتدی ہوں تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، امام کا آگے ہونا ضروری ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۴)

مسجد کی چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے۔ (ایضاً)

کوئی دن میں ایک مرتبہ بھی نماز تحیۃ المسجد پڑھ لے تو پورے دن کے لئے بھی کافی ہو سکتی ہے۔ (ایضاً)

محلہ کی مسجد میں جب کوئی موذن نہ ہو تو نمازی کو اذان پکارنا چاہیئے اور نماز پڑھنا چاہیئے۔ گو وہ تنہا ہو، کیونکہ اس پر مسجد کا حق ہے۔ (غایۃ الاوطار ج ۱ ص۳۰۳)

محلہ میں چند مسجدیں ہوں تو قدیم تر میں نماز پڑھنی چاہیئے، اگر فاصلہ برابر ہو۔ ورنہ قریب تر میں۔ (ایضاً)

عیدگاہ، جنازہ گاہ کی تعظیم و تکریم مسجد جیسی کرنی چاہیئے، پائخانہ، پیشاب اور وطی سے بچانا چاہیئے۔ (طحطاوی علی الدر ج ۱ ص۲۳۶)

مسجد میں سونا مکروہ ہے ہاں مسافر و معتکف کے لئے کراہت نہیں، کوئی دوسرا سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کرے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے ایسی ہی مسجد کی چھت پر بھی (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ وہ دوسری مسجد کا امام یا موذن یا منتظم ہو تو مضائقہ نہیں، کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر جماعت کے وقت مسجد میں آیا۔ اگر عشا یا ظہر کی جماعت ہے تو نفل کی نیت سے مل جائے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

نماز مسجد وہ جگہ ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے۔ (ایضاً)

اقتداء کے باب میں فنا مسجد کا حکم مسجد جیسا ہے۔ (ایضاً)

Marfat.com

شارع عام کی مسجد جس میں یہ پابندی جماعت نہیں ہوتی ہے مسجد ہی کے حکم میں ہے مگر اس میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۹)

جس مسجد میں امام و موذن متعین نہیں، اس میں تکرار جماعت مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے ہاں اذان و اقامت کے ساتھ مکروہ ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ میں جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے۔ ورنہ مکروہ نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے (ر)

مغصوبہ زمین میں جو مسجد بنی ہو، اس میں نماز پڑھنے میں بعض مضائقہ نہیں جانتے۔ اور بعض کے یہاں ناجائز ہے۔ (رد المحتار ج ۱)

فنا مسجد، خانقاہ، مسجد مدرسہ (مدرسہ کا جو کمرہ نماز کے لئے مخصوص ہے) حوض کے کنارے جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے، بازار میں جو چبوترہ نماز پڑھنے کے لئے ہے یہ تمام مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، حائضہ وغیرہ داخل ہو سکتی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۶)

مسجد میں قبیح اشعار پڑھنا مکروہ ہے، مگر حمد و نعت اور نصیحت آمیز اشعار کی اجازت ہے جبکہ ذاکر و نمازی کا حرج نہ ہو۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۹)

ذکر بلند آواز سے مسجد میں مکروہ ہے مگر درس فقہ دے سکتا ہے بشرطیکہ نمازیوں کو ایذا نہ ہو یہی حکم درس حدیث و تفسیر کا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۸)

بوقت ضرورت غریب اور گھر والا بھی مسجد میں سو سکتا ہے مگر اجتناب مستحسن ہے (عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۱)

دنیا کا جو بھی کام ہو مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں بیٹھ کر فصل مقدمات، درس اور فتویٰ دینا جائز ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۹)

مولی، لہسن اور کچی پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھا کر بغیر منہ کی بو صاف کئے مسجد آنا مکروہ ہے (ایضاً)

جس شخص کے کپڑے، بغل اور جسم سے بدبو آتی ہو اور اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہو تو ایسے شخص کو دخول مسجد سے روکا جا سکتا ہے۔ (ایضاً)

Marfat.com

دستکاری کا کام کرنا مسجد میں ناجائز ہے۔ (ایضاً)

مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

قرآن جو کسی مسجد پر وقف ہو اسی ایک پر محصور نہ رہے گا۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۳ ص۸۹ بحوالہ درمختار)

ایک شخص نے وصیت کی کہ یہ روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگائے جائیں تو افضل یہ ہے جس کے لئے وصیت کی ہے اُسی پر خرچ ہو لیکن اگر دوسری مسجد پر صرف کر دیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (فتاوی عبدالحیی ج ۳ ص۱۰۳ بحوالہ سراجیہ)

دائمی سود خوار کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (فتاوی عبدالحیی ج ۱ ص۵۳)

کفار کا مال جو کسی نے مکر و فساد اور چوری سے حاصل کیا ہو اس سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسجد رفاض (رافضی) میں نماز ادا کرنا درست ہے۔ (فتاوی عبدالحیی ج ۱ ص۹۵)

صرف "آمین" پکار کر کہنے والوں کو مسجد سے نکال دینا درست نہیں (فتاوی عبدالحیی ج ۱ ص۲۰)

بنی ہوئی مسجد میں سامان رکھنے کے لئے کمرہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ کوئی سکن (فتاوی عبدالحیی ج ۱ ص۲۹۵)

حسب تصریح معتبرات ہندو کا مال تعمیر معابد خاص اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاوی عبدالحیی ج ۱ ص۲۰۰)

امام مسجد میں ہے اور اس کی اقتدا مسجد سے باہر کسی چھت وغیرہ پر بھی کی جائے جو مسجد کے پہلو میں ہے اور مسجد اور اس چھت کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے۔ (مبسوط للسرخسی ج ۱ ص۲۱۰)

اپنے ذاتی مال سے مسجد کی دیواروں پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے مگر خلاف اولےٰ ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص۲۱۴)

مسجد کے قبلہ میں حمام (غسل خانہ) مخرج، قبر اور وضو خانہ مکروہ ہے، مگر یہ کہ قبلہ میں

Marfat.com

دیوار ہو جو اس کو سامنے سے چھپا دے اور وہ پشت پر پڑ جائے تو مضائقہ نہیں (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۴)

مسجد کے قبلہ میں تیر اندازی کی مشق مکروہ ہے ہاں عید گاہ وغیرہ میں مکروہ نہیں۔ (ایضاً)

اگر موقوفہ گھر سے مسجد میں داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے امام مسجد اس راستہ سے آسکتا ہے۔ (ایضاً)

موذن کے لئے جائز ہے کہ مسجد کے موقوفہ کمرہ میں رہے۔ (ایضاً)

مسجد سے متصل امام مسجد کا کوئی اپنا مملوکہ گھر ہے یا کرایہ کا اور وہ یہ چاہے کہ اس سے آنے کے لئے مسجد کی دیوار میں راستہ کھولے تو اس کی اس کو اجازت نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں درس تدریس جائز ہے، اگرچہ اس کے بوریئے اور اس کی چٹائیاں استعمال میں ہوں۔ (ایضاً)

قیّم مسجد نے اگر کسی مصلحت اور مسجد کی اچھائی کے لئے مسجد کے فناء (سامنے کی باہر زمین) میں تجارت کی اجازت دیدی تو جواز کی اُمید کی جاتی ہے۔ (ایضاً)

فناء مسجد وہ ہے جو مسجد کی چھت کا سایہ ہو اور وہ عام راستہ نہ ہو۔ (ایضاً)

مسجد کے قیّم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے یا امام کے نفع کے لئے فناء مسجد میں کرسی تخت بچھا کر کرایہ وصول کرے۔ (ایضاً)

ایک مسجد کو اہل محلہ نے (کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے) دیوار دے کر دو کر دیا اور ہر ایک کے لئے الگ امام مقرر کر دیا، مگر موذن ایک ہی رکھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولےٰ یہ ہے کہ موذن بھی دو ہوں گو اہلِ محلہ کا یہ فعل (ایک مسجد کی دو) بُرا ہے۔ (ایضاً ج ۶ ص ۲۱۵)

جماعت بڑھانے کے لئے اہلِ محلہ کو اختیار ہے کہ دو متقل مسجدوں کو ایک کر دیں (ایضاً)

دو مسجدوں کو ایک کرنا تذکیر و تدریس کے لئے جائز نہیں ہے گو یہ کام مسجد میں جائز ہیں۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

اخراجِ ریح مسجد میں نہ ہو، خروج ریح کے وقت ادب یہ ہے کہ مسجد سے نکل جائے۔ (ایضاً)

Marfat.com

بے وضو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

داخل محراب کا حکم مسجد کا ہے۔ (ایضاً)

کوئی آرہا تھا راستہ میں اس کو سخت سردی لگ گئی جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا وہ مسجد میں چلا آیا اور محسوس کیا کہ آگ جلا کر گرمی حاصل نہ کی گئی تو جان یا عضو کا خطرہ ہے تو ایسی حالت میں وہ مسجد کی لکڑی جلا سکتا ہے کسی دوسرے کی ہو تو اسے بھی جلا سکتا ہے۔ دونوں کی موجودگی میں مسجد کی لکڑی جلانا اچھا ہے۔ (ایضاً)

فتنۂ عامہ کے خطرہ سے غلہ اور گھر کے دوسرے سامان کا مسجد میں بند کرنا جائز ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں بیٹھ کر تعویذ بیچنا جس میں توریت، انجیل یا قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوں جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

کسی نے مسجد سے گزرنے کی نیت کی، اور داخل ہو کر وسط میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے ندامت محسوس کی تو اس کو چاہیئے دو رکعت نماز پڑھے پھر نکلے۔ اگر ناپاک تھا تو فوراً نکل آئے۔ (ایضاً)

مسجد میں تنگی پیدا ہو جائے تو لوگوں کو سمٹ کر بیٹھنے کے لئے کہنا اور ان کا سمٹ کر بیٹھنا جائز ہے۔ (ایضاً)

سخت گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت پڑھنا مکروہ ہے، البتہ نیچے گنجائش باقی نہ رہے تو چھت پر جا کر اقتدا کر سکتا ہے۔ (ایضاً)

وقت کی آمدنی سے اذان کے لئے مینار اس وقت بنانا جائز ہے جب ایسا کرنا ضروری ہو مثلاً یہ کہ اہل محلہ کو آواز نہ پہنچتی ہو، ورنہ جائز نہیں۔ (ایضاً)

صفوں پر لپیٹنے کے لئے کپڑے خرید نا متولی کے لئے جائز نہیں ہے، ہاں اگر وقف میں اس کی صراحت ہو یا وہاں یہ رائج اور دستور ہو تو جائز ہے۔ (ایضاً)

طالب العلم اپنی کتابوں میں مسجد کی گھاس لے کر نشان لگائے تو یہ معاف ہے (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۶)

Marfat.com

نماز کے بعد مسجد کا چراغ جلتا ہو تو اُس کی روشنی میں درس و تدریس تہائی رات تک جائز ہے اس سے زیادہ مسجد کا چراغ پڑھنے پڑھانے کے لئے جلانا درست نہیں۔ (بحرالرائق ج ۵ ص۲۵۰)

تعمیر مسجد کے لئے جمع شدہ روپئے میں سے اگر کسی نے ادا کرنے کی اُمید پر اپنے کام میں خرچ کر دیا جو اس کو نہ کرنا چاہیئے تھا، اب اس کو چاہیئے کہ اپنے کسی ساتھی کو خبر کر کے جو جانتا تھا ادا کر دے، اور اگر خامہ شی سے اس نے مسجد کا مال اپنے کام میں خرچ کیا تھا تو قاضی کو اطلاع دے کر ادا کر دے اور قاضی نہ ہو تو یوں بھی ادا کر دے تو فیما بینہ و بین اللہ بری الذمہ ہو جائے گا (بحرالرائق ج ۵ ص۲۵۱)

بنی ہوئی مسجد توڑ کر مضبوط و مستحکم بنانا اہلِ محلہ کے لئے اس وقت جائز ہے جب بانیٔ مسجد اہلِ محلہ ہی میں سے ہو، ورنہ نہیں۔ (بحرج ۵ ص۲۵۱)

کافر اور ذمی مسجد حرام، بیت المقدس اور دوسری تمام مسجدوں کے ضروری کام کے لئے داخل ہو سکتا ہے، البتہ بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

رمضان میں موم بتی جو جل کر بچ جائے وہ دینے والے کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا چاہے وہ امام ہو، چاہے موذن، البتہ یہی دستور اور رواج ہو تو مضائقہ نہیں۔ (بحرج ۵ ص۲۵۱)

تعمیر مسجد کے ساتھ اس کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانے میں حرج نہیں ہے (بحرج ۵ ص۲۵۱)

مسجدوں میں مروجہ محراب بنانا مکروہ ہے۔ (بحرج ۵ ص۲۵۰)

مسجد کی دیوار کے سہارے جو گھر کھڑا کرے اس کا ڈھا دینا واجب ہے، کرایہ اور اُجرت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (بحرج ۵ ص۲۵۱)

مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہے۔ (شرح سفر السعادت)

مسجد کے اوقاف سے مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبدالحی ج ۲ ص۱۳۶)

امام و موذن کی تقرری و انتخاب میں اگر بانیٔ مسجد اور اہل محلہ میں اختلاف ہو جائے تو اگر اہلِ محلہ کا منتخب کردہ امام و موذن بانیٔ مسجد کے منتخب کردہ امام و موذن سے بہتر ہو تو

Marfat.com

اسی کو چنا جائے گا، کیونکہ اہلِ محلہ ہی کو امام و موذن کا نفع و ضرر ہے۔ (کبیری[1] ص ۵۷۱)

مسجد کے لئے تیل اور چٹائی دونوں کے خریدنے کا ثواب برابر ہے ہاں ان میں جس کی مسجد کو زیادہ ضرورت ہے اس کا خریدنا زیادہ اچھا ہے۔ (ایضاً)

اپنی مسجد میں جماعت چھوٹ گئی اس لئے جماعت کی امید پر دوسری مسجد میں گیا۔ اس کا یہ فعل افضل ہے، مگر مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ بہر حال خود افضل ہیں (یعنی ان کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائیں گے) (کبیری ص ۵۶۹)

اپنی مسجد چھوڑ کر جماعت کے لئے گیا مگر وہاں بھی جماعت نہ ملی تو پھر اپنی ہی مسجد افضل ہے۔ (ایضاً)

موذن نے اذان دی مگر کوئی دوسرا نہ آیا کہ جماعت ہو، ایسی حالت میں موذن جماعت کے لئے اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائے گا۔ بلکہ تنہا بھی پڑھنا پڑے تو بھی اپنی ہی مسجد میں وہ نماز ادا کرے۔ (ایضاً)

اذان ہوئی، نمازی آئے مگر امام نہ آیا تو ان ہی میں سے ایک امامت کرے گا، یہ امام کے نہ آنے کی وجہ سے جماعت کے لئے دوسری مسجد میں نہیں جائیں گے۔ (ایضاً)

اپنی مسجد میں کسی کی تکبیر اولے یا ایک دو رکعت چھوٹ جائے، اور دوسری مسجد میں اس کو ان کے پالینے کی امید ہو تو بھی ان کو اجازت نہیں ہے کہ اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جائیں اگر جماعت کا کچھ حصہ بھی اپنی مسجد میں مل گیا تو اس نے فضیلت پالی۔ (ایضاً)

اپنے محلہ کی مسجد کا امام جب زانی یا سود خوار ہو تو ایسی حالت میں اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا سکتا ہے۔ یا اسی طرح کی اور کوئی ناپسندیدہ عادت یا عیب اس امام میں ہے تو بھی دوسری مسجد میں جا سکتا ہے۔ (یہ عیب امام کا ایسا ہو جو شرعاً بھی ناگواری کا باعث ہو) (کبیری ص ۵۶۹)

---

[1] اس کتاب کا نام "غنیۃ المستملی" ہے مگر مشہور اہل علم میں اسی کبیری کے نام سے ہے ۱۲

ہر طرح کی بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا واجب ہے۔ (ایضاً)

اگر رفع فساد کے لئے غیر مقلدین نے دوسری مسجد بنوالی تو توڑنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسجد ضرار کے حکم میں نہیں ہے۔ ہاں اگر مقصود تفریق و فساد ہو تو وہ ضرار کے حکم میں ہوگی۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۱۵۹)

تاڑی پی کر مسجد جانا گو نشہ نہ ہو ممنوع ہے اور ایسے شخص کو مسجد سے نکلوا دینا درست ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۱۷۶)

مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان بنوانا اگر مسجد پر وقف ہو اور مسجد بنانے کے ساتھ ہی بنائی گئی ہو تو جائز ہے مسجد تیار رہنے کے بعد کوئی مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان وغیرہ نہیں بنوا سکتا۔ (ایضاً ج ۲ ص ۳۲۱)

بھنگی کی اجرت مسجد میں لگانا جائز نہیں ہوگا حدیث "کسب الحجام خبیث" وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کاروبار جس میں تلبس و اختلاط نجاسات کے ساتھ ہو مکروہ ہے اور اجرت اس کی خالی خباثت سے نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۲۵۷)

مسجد میں اگر کوئی قبر ہو تو وہ قبر جس مقتدی کے آگے یا دائیں بائیں پڑے گی اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۲ ص ۳۹۴)

زانیہ قرض لے کر مسجد بنائے اور اپنے مال مکسوبہ سے ادا کرے تو مسجد مسجد کہلائیگی اور قرض ادا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عبدالحیی ج ۳ ص ۴۲)

سفر سے واپسی میں مسجد میں اترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ (کبیری ص ۲۱۱)

بانی مسجد مرمت، عمارت، فرش، چٹائی، قندیل، اذان، اقامت اور امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ ایسے ہی بانی کی اولاد اور اس کا خاندان اس کے مرنے کے بعد۔ (کبیری ص ۵۱۷)

بانی کو یہ حق صلاحیت کی شرط کے ساتھ ہے۔ ورنہ اس کی رائے کو دخل ہوگا (عالمگیری ج ۱ ص ۷)

حقہ پی کر مسجد جانا یا تلاوت کلام پاک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کچی پیاز، لہسن وغیرہ

Marfat.com

کھا کر مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاوٰی عبدالحیی ج ۳ ص۱۳۲)

مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمم جائز ہے، مگر بے ادبی سے خالی نہیں (ایضاً ج ۳ ص۱۳۴)

اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہاتھوں کا چومنا جن لوگوں نے مستحب لکھا ہے، صحیح نہیں ہے۔ چومنے کی روایت غلط ہے۔ (ایضاً ج ۳ ص۱۲۴)

زکوٰۃ کا مال مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔ (عالمگیری ج ۳ ص۲۴۳)

مسجد میں فرشی پنکھا لگانا فی نفسہٖ مباح ہے، کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں مگر خلاف اولیٰ ہے (فتاوٰی عبدالحیی ج ۱ ص۲۴۵)

مسجد کے اوپر مصلحت مسجد کے پیش نظر امام کے لئے حجرہ بنانا مسجد کی تعمیر کے ساتھ جائز ہے، مگر مسجد جب بن چکی تو پھر اجازت نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۵۱۴)

مسجد کا کوئی حصہ نہ تو حصولِ آمدنی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور نہ مسکن (ردالمحتار ج ۳ ص۵۱۲)

اُجرت دے کر بھی کوئی چاہے کہ مسجد کی دیوار سے فائدہ اٹھائے تو یہ جائز نہیں ہے خواہ خواہ کوئی بھی فائدہ اُٹھانے والا ہو۔ (ایضاً ج ۱ ص۵۱۳)

مسجد کی چھت پر وطی، پیشاب اور پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۴)

بغیر عذر شرعی مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ بوقت مجبوری و ضرورت شدید گزرنا جائز ہے مگر اس کی عادت قریب بہ فسق ہے۔ (ایضاً)

جن مصلّوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہوں ان کا بچھانا اور استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص۷۰)

مسجد میں نجاست داخل کرنا حرام ہے، ایسے ہی جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۴)

مسجد میں جُنُبی (ناپاک مرد) حائضہ اور نفاس والی عورت کا داخل ہونا حرام ہے (عالمگیری ج ۱ ص۳۸)

مسجد کے اندر کنواں کھودنا منع ہے، ہاں پہلے سے ہو تو چھوڑ دیا جائیگا (مسجد سے باہر ضرورت

کے لئے کھودنا چاہیئے) (عالمگیری ج ۱ ص۷۰)

مسجد کے اندر کا مطلب ہے وہ جگہ جو نماز کے لئے مخصوص ہوتی ہے جیسے مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن، مسجد کے احاطہ کے اندر ان کے علاوہ جو جگہ ہے وہ بھی باہر کا حصہ کہا جاتا ہے۔ (مؤلف)

مسجد میں ناپاک مٹی لگانا اور اس کو ناپاک پانی مٹی سے لیپنا ناجائز ہے (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۴)

مسجد میں خرید و فروخت جائز نہیں ہے معتکف کو صرف بھاؤ کرنے کی اجازت ہے مگر بیع نہ ہو۔ (ایضاً) (عالمگیری ج ۱ ص۷۰)

مسجد کا چراغ گھر میں لانا جائز نہیں ہے، البتہ اپنا چراغ مسجد میں لیجانا جائز ہے۔

مسجد کا چراغ تہائی رات تک جلتا چھوڑا جا سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے گا مگر اس وقت جبکہ واقف نے اس کا حکم دیا ہو، یا وہاں کا یہی دستور قدیمی ہو۔ (ایضاً)

کوئی اگر مسجد میں کسی خاص جگہ آکر بیٹھتا ہے، اس جگہ دوسرا آکر بیٹھ گیا تو اس کو وہ اٹھا نہیں سکتا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۳۰)

ایک شخص مسجد میں آکر بیٹھا اور پھر وہ کسی کام سے اٹھا مگر اپنی جگہ اپنا کپڑا چھوڑ گیا، تو اب کوئی دوسرا اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ (ایضاً)

مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ، اور اگر سائل لوگوں کی گردن نہ پھاندے تو دونوں جائز ہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

مسجد میں بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ (بحرالرائق ج ۵ ص۲۵۱)

مسجد میں قصد لگوانا اور اس طرح پیشاب کرنا کہ پیشاب کسی برتن میں رکھا جائے تب بھی جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۴)

مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جس سے تلویث مسجد کا اندیشہ ہو جائز نہیں ہے۔ (ص۶۱۵) (ایضاً)

غیبت کرنے والے اور چغلخور کو دخولِ مسجد سے روکنا جائز ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

دنیاوی بات کے لئے مسجد میں بیٹھنا یا بیٹھے ہوئے دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے (ایضاً)

Marfat.com

گندے مچھیرے کا مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے، اسی طرح حجام والے کا۔ ان کو دخولِ مسجد سے روکنا بھی جائز ہے۔ (فتح الباری لابن حجرؒ ج ۲ ص۲۳۴)

مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ اس کے لئے کوئی مخصوص جگہ بنی ہو جیسے وضو خانہ تو مضائقہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ ص۷)

ابابیل یا چمگادڑ اپنی بیٹوں (پائخانہ) سے جب مسجد کو گندہ کر رہی ہوں تو ان کو بچوں سمیت نکال پھینکنا جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص۲۱۵)

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے، مگر مسجد جب مرطوب ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے لگانا جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص۷)

پاگل اور بچہ کا مسجد میں داخل ہونا اگر تلویث کا گمان غالب ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۵)

مسجد کو ہر گھن والی چیز سے پاک و صاف رکھنا واجب ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۸)

مسجد میں سلائی کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر وہ مسجد کی نگرانی کے لئے بیٹھا ہو اور اس سلسلہ میں سلائی بھی کرتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ ص۷)

دیوار، فرش اور مسجد کی چٹائی پر تھوکنا یا بلغم ڈالنا جائز نہیں ہے (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۸)

اگر حالت نماز میں تھوکنے کی مجبوری ہو تو چٹائی پر تھوکنا اس سے اچھا ہے کہ کوئی چٹائی کے نیچے تھوکے، کیونکہ نیچے کا حصہ جزءِ مسجد ہے، احتیاط طریقہ یہ ہے کہ اپنے کپڑے کے کنارے پر تھوک کر مل دے۔ (ایضاً)

بچھی ہوئی مٹی فرشِ مسجد کے حکم میں ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں گھاس جمع ہو تو اس میں پاؤں پوچھنا جائز ہے اور بعضوں نے مکروہ کہا ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص۲۱۵)

مسجد میں ناپاک تیل کی روشنی کرنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۹)

مسجد میں مٹی کا تیل یا ایسا تیل جلانا جس سے بدبو پھیلے ممنوع ہے (تتاذی الملائکۃ

Marfat.com

مما یتاذی منہ الانس (بخاری)

مسجد کے چراغ کی روشنی میں نماز سے پہلے اور بعد بھی درس تدریس جائز ہے جس سے نمازی کا حرج نہ ہو۔ (ردالمحتار)

مسجد میں ناپاک گارے کی استرکاری مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

اُجرت پر کتابت کرنے والے کاتب کے لئے مسجد میں کتابت مکروہ ہے، ہاں بغیر اُجرت یا اپنے لئے لکھے تو جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۷۰)

مسجد کی دیواروں اور محراب پر لکھنا قرآن پاک کی آیتوں کا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مسجد کے منہدم ہونے کی صورت میں توہین کا اندیشہ ہے (ایضاً) کتبوں یا رقعوں کا مسجد کے دروازہ پر لٹکانا یا چپکانا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں کنواں ہو اور کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو بوقت ضرورت و مجبوری مسجد سے گزر سکتا ہے یوں نہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

بوقت ضرورت گوبر ملی ہوئی مٹی کا لگانا جائز ہے۔ (ردالمحتار) (ایضاً)

مسجد کا سامان رکھنے کے لئے مسجد کے ساتھ حجرہ بنانا جائز ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۷۰)

جو معلم اُجرت پر بچوں کو پڑھاتا ہو اور وہ گرمی یا کسی اور مجبوری سے مسجد میں بیٹھے تو مکروہ نہیں ہے (ایضاً) اور بعض لوگوں نے کاتب کی طرح مکروہ کہا ہے (ایضاً)

مسجد میں نماز کے علاوہ دوسرے دینی کام کے لئے بیٹھنا جائز ہے، لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی چیز غائب ہو گی تو تاوان دینا ہو گا۔ (ایضاً)

مسجد میں کسی ایک جگہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۲۶)

مسجد میں کوئی نمازی کہیں بیٹھ جائے تو بغیر ضرورت شرعی اس کو چھیڑنا، اور وہاں سے اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر عام نمازیوں کو اس سے تکلیف ہو تو اُسے اُٹھایا جا سکتا ہے۔ (ایضاً)

بصورت تنگی غیر محلہ والے کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے۔ کسی کے بیٹھنے سے

Marfat.com

صف میں خلل ہو تو نمازیوں کو حق ہے کہ اُسے اُٹھا دے (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۲۰)

اگر مسجد میں تنگی ہو جائے تو عام نمازیوں سے چاہے وہ ذکر و شغل میں مصروف ہوں سمٹ کر بیٹھنے کی فہمائش کرنا جائز ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۲۰)

مسجد میں نکاح کرنا سنت ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۹)

مسجد میں نمازی کی گردن پھاندنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں پاک آدمی کا بھی غسل اور وضو کرنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۵)

آج کل مسجد میں پاک و صاف جوتا پہننا بھی بے ادبی ہے (ایضاً)

نمازیوں کے لئے سایہ کے خیال سے مسجد میں درخت لگانا، بشرطیکہ اس سے تنگی یا صفوف میں ناہمواری نہ ہو مباح مگر خلافِ اولیٰ ہے اور اگر تنگی یا صفوف میں ناہمواری پیدا ہو یا اپنے نفع کے خیال سے لگایا جائے، یا گرجا وغیرہ سے مشابہت پیدا ہو تو ان تمام صورتوں میں مکروہ ہے (ردالمحتار جلد اوّل)

دنیا کی باتیں مسجد میں نیکیوں کو اس طرح چاٹ ڈالتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کو یا جیسے آگ لکڑی کو۔ (کشاف ج ۱ ص ۳۸۷)

دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

جو مسجد میں چوری کا عادی ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور سخت سزا اور رسا تھ ہی قید میں ڈال دیا جائے یہانتک کہ وہ توبہ کرے۔ (عالمگیری ج ۳ ص ۱۰۰)

متولی واقف ہو یا کوئی اور، مگر وہ اطمینان بخش باقی نہ رہا۔ عاجز ہو گیا، یا فاسق و فاجر تو اس کو عہدۂ تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ (درمختار بر حاشیہ ردالمحتار ج ۳ ص ۴۲۱)

متولی خائن ہو جائے تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ اس کو معزول کر دے۔ (ایضاً)

ایسا شخص جس کو تہمت لگانے کے جرم میں حد لگائی گئی ہے مگر اب اس نے توبہ کر لی ہے ایسے شخص کو متولی بنانا جائز ہے۔ (ایضاً)

Marfat.com

متولی نے اگر وقف کی کوئی چیز بیچ دی یا رہن رکھ دی تو یہ خیانت سمجھی جائے گی اور اس کو معزول کر دیا جائے گا، یا اس کا کسی ثقہ آدمی کو شریک کار بنا دیا جائے گا (عالمگیری باب تصرف القیم)

ایک شخص کئی وقف کا متولی ہے، اگر اس سے کسی ایک وقف میں بھی خیانت ثابت ہو گئی تو اسے کل اوقاف سے معزول کر دیا جائے گا۔ (ردالمحتار ج ۳ صـ۴۲۱)

بعض مسجدوں میں مسجد سے علیحدہ بغل میں کمرے ہوتے ہیں جس میں بعض لوگ چھپ کر نماز پڑھتے ہیں مسجد میں عوام سے بچنے کی غرض سے نہیں آتے، اس سے صفوں میں درستی نہیں رہتی اس لئے یہ فعل پسندیدہ نہیں ہے اور سنتِ نبوی کے خلاف بھی ہے۔ (اصلاح المساجد للقاسمی ص۶۸)

خطیب کے منبر پر آنے کے بعد کسی دوسرے کام کی اجازت نہیں۔ جہاں خطیب کے خطبۂ اولیٰ کے بعد موذن "غفر الله لك ولوالديك ولنا ولوالدينا والحاضرين الخ" بلند آواز سے کہتے ہیں وہ بدعت ہے اور سنت نبوی کے خلاف ہے (اصلاح المساجد صـ۷۵)

رجب اور اس کے روزے کی فضیلت کی جو حدیث ہے وہ موضوع ہے، منبر سے اس غلط چیز کی تلقین جائز نہیں ہے۔ (ایضاً صـ۷۶)

بعض جگہ رواج ہے کہ امام خطبہ سے فارغ ہو کر جب اترتا ہے تو لوگ اس کے جسم کو ثواب کی نیت سے چھوتے ہیں اور اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے اور محض بدعت ہے۔ (ایضاً صـ۷۷)

تکبیر تحریمہ سے پہلے زور زور سے نیت باندھنا خلاف سنت ہے۔ (ایضاً صـ۷۹)

جماعت ثانی کے انتظار میں پہلی جماعت کا ترک بدعت ہے (ایضاً صـ۸۵)

تراویح میں اس تیزی سے پڑھنا پڑھانا کہ قرآن صحت کے ساتھ نہ پڑھا جائے یا رکوع و سجود اور قعود پورے طور پر نہ ادا ہوں کسی حال میں درست نہیں۔ (ایضاً صـ۹۳)

رجب کے اول جمعہ میں چراغاں کی رسم جہاں بھی ہے بدعت ہے (ایضاً صـ۱۰۵)

ـه ترتیب سے فراغت کے بعد یہ کتاب "اصلاح المساجد للقاسمی" ملی اس میں بدعات کا تذکرہ ہے بعض بدعات کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے ۱۲ منہ

۱۵ شعبان کی شب میں مسجد میں چراغاں کرنا اور صلوٰۃ الفیہ (یعنی سو رکعت میں ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھنا) بدعت ہے۔ (اصلاح المساجد ص۱۰۶)

رمضان میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور رنگ برنگ کی بتی جلانا بدعت ہے۔ (ایضاً ص۱۰۸)

عید کے دنوں میں رات بھر چراغ جلانے کی رسم مسجدوں میں بدعت ہے (ایضاً ص۱۱۱)

مسجد میں مجلس سماع بدعت ہے۔ (ایضاً ص۱۱۵)

مسجد میں دنیا کی بات کے لئے ٹولی ٹولی بنا کر بیٹھنا گناہ ہے۔ (ایضاً ص۱۲۴)

ماہِ صفر کے اخیر بدھ کو مغرب و عشا کے درمیان آیات سلام لکھنے کی رسم بدعت ہے (ایضاً ص۱۲۵)

خطباتِ عیدین بغیر سُنے ہوئے مسجد اور عیدگاہ سے بھاگنا گناہ ہے (ایضاً ص۱۳۶)

شروع سال اور اخیر سال میں امام مسجد کا خصوصیت سے دعا کرنا اور اس کا اہتمام بدعت ہے۔ (ایضاً ص۲۴)

اقامت میں "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے پہلے لفظ "سیدنا" بڑھانا بدعت ہے۔ اجتناب بہت ضروری ہے (ایضاً ص۱۵۱)

بعض مسجدوں میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز عصر میں موذن اور مقتدی زور زور سے آمین کہتے ہیں اور دعائیں پڑھتے ہیں۔ موذن اور مقتدی کا یہ رسمی فعل خلافِ سنت ہے۔ فرض کے بعد آہستہ آہستہ دعائے ماثورہ پڑھنا چاہیئے، آواز اس قدر بلند نہ کرنی چاہیئے کہ جس سے دوسرے نمازیوں کا حرج ہو (ایضاً ص۱۵۴)

بعض جگہ منبر کے سامنے والے دروازہ پر موذن و لوگ جمع ہوتے ہیں اور امام (خطیب) جب منبر پر چڑھنے لگتا ہے تو خوب زور زور سے درود پڑھتے ہیں، اور اسی طرح امام جب منبر سے اُترتا ہے تو چیخ چیخ کر درود پڑھتے ہیں اور "وعلیٰ آلِ محمد" پر آواز اور تیز کر دیتے ہیں یہ بھی بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کے نکلنے کے بعد تمام کاموں کو لغو قرار دیا ہے (ص۱۵۶)

بڑی جماعت میں جہاں اخیر تک امام کی آواز نہیں پہنچتی ہے چند مکبر ہوتے ہیں، مگر

Marfat.com

ان کا ضرورت سے زیادہ ہونا اور ضرورت سے زیادہ چیخنا اور تکبیر اس طرح کہنا کہ اس میں تبدیلی ہو جائے، ممنوع ہے، امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ (اصلاح المساجد ص۱۵۷)

بعض مسجدوں میں یہ رواج ہے کہ رمضان کی اخیر پانچ یا تین رات جب باقی رہتی ہیں تو موذن اور کچھ دوسرے لوگ وتر کے سلام کے فوراً بعد زور زور سے رمضان کا منظوم مرثیہ پڑھتے ہیں جس کے تماشا بیں محلہ کی تمام عورتیں اور بچے ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ اس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ (ایضاً ص۱۶۰)

اسی طرح جہاں امام رمضان کے اخیر جمعہ میں الوداع پڑھتے ہیں اور فطرہ کی تلقین ہضم کر جاتے ہیں خلاف ادب ہے (ایضاً ص۱۶۰)

مسجد میں میت پر مرثیہ پڑھنے کی رسم بدعت ہے (ایضاً ص۱۷۹)

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ (ایضاً ص۱۸۰)

مسجد میں مردہ کا دفن کرنا، یا قبر کو مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (ایضاً ص۱۸۱)

عاشورا محرم کے جمعہ میں امام کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کربلا بیان کرنا کہ لوگ روئیں اور سوگ کریں خلاف سنت ہے۔ رونا پیٹنا رافضیوں کا شعار ہے۔ اجتناب ضروری ہے (ایضاً ص۱۸۳) (البتہ شہادت حسین اور ان کی زندگی کے صحیح واقعات بیان کرنا کہ مسلمانوں میں شوق شہادت پیدا ہو اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں کوئی مضائقہ نہیں)

کام، کاج چھوڑ کر مسجد میں بیٹھنا اور دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے (ایضاً ص۱۸۹)

طاعون یا کسی دوسری وبا کے لئے خاص طور سے مسجد میں جمع ہو کر دعا کرنے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ فعل بدعت ہے (ایضاً ص۲۱۲)

Marfat.com

پیشاب کے بعد کلوخ لے کر مسجد کے احاطہ میں لوگوں کے سامنے چلنا اور دائیں بائیں مڑنا بے ادبی ہے، یہ فعل بے حیائی ہے، دوسرے ستر کھلنے کا اس میں گمان غالب ہے (اصلاح المساجد ص۲۳۷)

مسجد میں یا اس کے کسی گوشہ میں تعزیہ، علم (جھنڈا) اور اسی طرح کی دوسری چیز رکھنا بدعت ہے، اس سے بچنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے (ایضاً ص۲۴)

مسجد میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے۔ قبلہ کی طرف پیر پھیلانا مکروہ ہے (ایضاً ص۳۰۲)

کوئی سونے یا چاندی کی قندیل مسجد کی روشنی کے لئے وقف کرے تو یہ وقف درست نہیں ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسے توڑ کر مسجد کی ضرورت میں اس کی قیمت خرچ کی جائے گی (ایضاً ص۳۰۹)

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا

Marfat.com

اِسلام کا نِظامِ مسَاجد

تالیف

مَولانا محمد ظفیر الدین صَاحب پورہ نوڈیہاوی

اُستاذ

دَارُالعُلوم معینیہ سَانحہ

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی ۶

Marfat.com